بُت شِکن
صادق حسین صدیقی

بُت شکن

مُصنّف

صادق حسین صدیقی سردھنوی

ناشر

مکتبہ القریش ○ اردو بازار ○ لاہور

فہرست

پہلا باب

ناتمام راز

صبح کا سہانا سماں ہے اور گلشن ارم کا ایک فرحت بخش ٹکڑا جس طرف اور جہاں تک نظر جاتی ہے۔ مخملی فرش نظر آتا ہے۔ جس میں نہایت قرینہ سے گل پوش پودے کھڑے ہوا سے اٹھکیلیاں کر رہے ہیں۔ شاخیں جھوم رہی ہیں اور سبز سبز گھاس پہ رنگ رنگ کے پھولوں کی پتیاں بکھر کر نہایت ہی جاذب نظر بن گئی ہیں۔ کچھ اس قسم کی بھینی بھینی خوشبو پھیلی ہوئی ہے کہ روح تک تر و تازہ ہوئی جاتی ہے۔

آفتاب بتدریج بلند ہو رہا ہے اور گستاخ زرتار شعاعیں نرم و نازک پھولوں کا رنگ چرا لینے کے لیے پتی پتی میں گھسی جا رہی ہیں۔

دفعتہً سریلے قہقہوں کی آوازیں آنے لگیں۔ جیسے کہیں دو پریاں ہنس رہی ہوں اور ان کے نقرئی قہقہے فضا کو حسین بنا رہے ہوں۔

اس وقت ایک معمر جوگن جو گیا لباس پہنے ماتھے پر تلک لگائے بائیں ہاتھ میں مرگ چھالا اور دائیں میں مالا لیے ایک روش سے نکلی اور اس پٹڑی پر آ کھڑی ہوئی۔ جس کے دونوں طرف نالیوں میں شفاف پانی بہہ رہا تھا اور نہایت ہی خوش رنگ و خوشبودار پھولوں کے پودوں کی قطاریں پھیلتی چلی گئی تھیں۔

جوگن نے آہستہ سے کہا: "آج کہہ دوں . . . . کہہ دینا ہی چاہیے۔ میں مہابن جا رہی ہوں۔ شری کرشن جی کی جنم بھومی (پیدائش گاہ) میں (مراد متھرا سے ہے) ایشور جانے زندہ واپس لوٹوں یا نہیں . . . . . آ رہی ہے۔ وہ جسے سومنات جی کا پکھ پکھر چاہتا ہے۔ جس کا چہرہ پورنماشی کے چندرماں (چودھویں رات کے چاند) سے زیادہ روشن ہے حسن و شباب کی تصویر ناز و ادا کا مجسمہ۔ رعنائی و زیبائی کا پیکر۔

ہم سومنات ہی کا ذکر کر رہے ہیں۔ مؤرخوں کو اس مقام کے پتہ لگانے میں بڑی دقتیں پیش آئی ہیں۔ کوئی اسے گنگا کے کنارہ جگناتھ جی کے قریب بتاتا ہے۔ کوئی جمنا کے کنارہ متھرا کے پاس بیان کرتا ہے۔ کوئی کشمیر اور ہردوار کے درمیان کہتا ہے۔ خود ہندو اس مشہور مقام کو بھول چکے ہیں اور نہیں بتا سکتے کہ ان کا یہ مشہور تیرتھ کہاں تھا۔

مگر مسلمانوں ہی کی تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ جزیرہ نما گجرات میں بہا بری وار کے قریب لب سمندر تھا۔

تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ سومنات کاٹھیاواڑ کے قریب تھا۔ اس شہر کا نام سومنات اس وجہ سے مشہور ہوا کہ اسے سوم نام راجہ نے آباد کیا تھا اور اس نے ایک عظیم الشان بت خانہ بنا کر نات نامی بت اس میں نصب کر دیا تھا۔ سوم اور نات دونوں مل کر سومنات کے نام سے مشہور ہو گیا تھا۔

یہ ممکن ہے کہ سوم راجہ نے اسے آباد کیا ہو لیکن سنسکرت زبان میں سوم چاند کو بھی کہتے ہیں اور ہندو مہادیو کی پوجا سوم کے نام سے بھی کرتے ہیں۔ نات ہندی میں بزرگ اور قابل تعظیم کے ہیں۔ ممکن ہے سومنات مہادیو کا قابل تعظیم نام رکھا گیا ہو۔ کیونکہ رفیع الشان تجانہ میں مہادیو کا بت تھا اور ہندوستان بھر کے ہندو اس کی پرستش کرتے تھے۔ زیادہ قیاس یہی ہے کہ مہادیو کے بت کی وجہ سے اس کا نام سومنات مشہور ہو گیا تھا۔

سومنات شہر بھی تھا۔ قلعہ بھی تھا اور مندر بھی تھا۔

سومنات میں گرہن کے روز زبردست میلہ لگتا تھا۔ لاکھوں ہندو دور دور سے وہاں آتے تھے۔ کروڑوں روپے کے مال کی خرید فروخت ہوتی تھی۔ سینکڑوں راجہ اور مہاراجہ آتے تھے۔

ہندوؤں کا یہ اعتقاد تھا کہ مرنے کے بعد روحیں تن سے جدا ہو کر سومنات کی خدمت میں آتی ہیں اور یہیں سے انہیں جونیں بدلنے کا حکم ہوتا ہے۔ یہ اعتقاد آواگون (تناسخ) کی بنا پر تھا۔

لیکن آج جب کہ نہ سومنات رہا۔ نہ کوئی جانتا ہے کہ سومنات کہاں تھا اب روحیں کہاں جاتیں اور جونیں بدلنے کا حکم کس سے حاصل کرتی ہیں۔ ممکن ہے کوئی محقق ہندو اس مسئلہ پر روشنی ڈال سکے۔

ان خدا کے بندوں کی سمجھ میں یہ سیدھی سی بات نہیں آتی کہ آواگون (تناسخ) خیالی مسئلہ ہے۔ جو روح ایک مرتبہ انسانی پیکر میں آ کر مرنے کے بعد نکل گئی نہ وہ بھٹکتی پھرتی ہے۔ نہ دوسرے بدن میں جاتی ہے۔ بلکہ قیامت کے انتظار میں مقامات علیین اور سجین میں جمع ہوتی رہتی ہیں اور انہیں روز حشر ان کے اعمال کی جزا اور سزا ملے گی۔

سومنات کا اس قدر احترام کیا جاتا تھا کہ جب کوئی راجہ اس کی زیارت کے لیے جاتا تھا تو میلوں اور منزلوں سے پیدل ہو لیتا تھا۔ سومنات کے ہر باشندہ کی ہر ہندو تعظیم کرتا تھا اور وہاں کے راجہ کو ادھیراج (شہنشاہ) مانا جاتا تھا۔ مذہبی طور پر اس کی عظمت مذہبی پیشواؤں سے بڑھ کر کی جاتی تھی۔

غرض یہ ہے کہ ہندوستان بھر کے ہندوؤں کے دلوں میں اس کی عظمت و عزت ادب و احترام اور محبت و وقعت تھی۔

جوگن کھڑی ہو گئی اور ایک طرف ٹکٹکی لگا کر دیکھنے لگی۔ تھوڑی ہی دیر میں چند نوخیز حور وش لڑکیاں درختوں کی قطاروں میں سے نمودار ہوئیں۔ وہ سب سفید ساڑھیوں میں ملبوس تھیں۔ نہایت حسین و جمیل تھیں۔ ان کے چہرے افق میں ستاروں کی طرح چمک رہے تھے۔ لیکن ان ستاروں کے جھرمٹ میں ایک چاند بھی نظر آ رہا تھا۔

تمام لڑکیاں صد درجہ شوخ و شنگ تھیں۔ ان کا عضو عضو متحرک تھا۔ وہ ہنس ہنس کر بجلیاں گراتیں۔ رفتار ناز سے سبزہ کو پامال کرتیں … پھولوں پر دست شوخ دراز کر کے انہیں نوچتیں اپنی رعنائیوں سے فضا کو حسین بناتی چلی آ رہی تھیں۔

گویا حسن کا سیلاب تھا جو امنڈا چلا آ رہا تھا۔ چمن زار کا ذرہ ذرہ چمک اٹھا تھا۔

جب ان لڑکیوں کی نظریں جوگن پر پڑیں۔ تو سب مؤدب اور خاموش ہو کر احترام بھری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگیں اور سب نے اس کے قریب پہنچ کر اس کے پیروں کو چھوا۔ جوگن کے داہنے ہاتھ میں خوبصورت مالا تھی۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر اشیرباد (دعا) دی۔

لڑکیاں سرو قد کھڑی ہو گئیں۔ جوگن نے کہا "اشنان (غسل) کر آئیں تم؟"

چند لڑکیوں نے جواب دیا۔ "جی ہاں ماتا جی۔"

جوگن: — میں راجکماری سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔

ان لڑکیوں میں سومنات کے راجہ کی حور وش بیٹی چندر موہنی بھی تھی۔

چندر موہنی نہایت ہی حسین و جمیل تھی۔ گول چہرہ۔ کشادہ پیشانی۔ لمبی موٹی اور غلافی آنکھیں ستواں ناک۔ موزوں لب۔ اس پر کھلتا ہوا گورا رنگ اس میں شباب کی سرخی کی جھلک غضب کی دل کش صورت تھی۔ نہایت شرمیلی۔ بڑی بھولی۔ ایسی معصوم کہ عصمت سے کوسوں دور۔ ایسی بھولی کہ فرشتے بھی دیکھ کر لٹو ہو جائیں۔

اس نے کہا "فرمائیے ماتا جی!"

جوگن ــــ ایک بات میں مدتوں سے چھپائے ہوئے ہوں۔ اس وقت سے جب راجکاری تم گھٹنوں چلنے لگی تھیں۔

چندر موہنی نے حیرت سے جوگن کی طرف دیکھ کر پوچھا "ایسی کیا بات ہے۔ وہ۔ کیا کچھ مجھ سے تعلق رکھتی ہے؟"

جوگن نے اس کے گلفام رخساروں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "وہاں اس کا تعلق تجھ سے ہی ہے ... مگر مجھے منع کر دیا گیا ہے ...... مجھ سے بڑا بھاری بچن (وعدہ) لیا گیا ہے ..."

چندر موہنی کو اور حیرت ہوئی۔ اس نے دریافت کیا "کس نے تم سے بچن لیا تھا؟"

جوگن ــــ انہوں نے جن سے تمہارے راز کا تعلق ہے۔

"میرا راز" چندر موہنی نے چونک کر حیرت بھرے لہجہ میں پوچھا۔

جوگن ــــ ہاں تیرا راز راجکماری۔

چندر موہنی ــــ تم نے تو میرے دل میں دریافت حال کے اشتیاق کی آگ بھڑکا دی۔

جوگن ــــ اور میرے ہردے (دل) میں پندرہ سال سے آگ بھڑک رہی ہے۔ جس راز کو میں چھپائے ہوئے ہوں۔ اس نے میرے دل میں ایسی آگ بھڑکا رکھی ہے۔ جو رفتہ رفتہ ہو کر شعلوں میں بدل گئی ہے۔ میں اب بھی زبان سے نہ نکال سکتی۔ لیکن اب میں متھرا جی جا رہی ہوں۔ معلوم نہیں کہ زندہ واپس لوٹوں یا وہیں مٹی ٹھکانے لگ جائے۔ اس لیے کہنے پر آمادہ ہو گئی ہوں۔

چندر موہنی ــــ بڑی کرپا (مہربانی) ہو گی۔ کہہ ڈالیے پھر۔

جوگن ــــ لیکن سوچتی ہوں وشواس گھات (بدعہدی) ہو گی۔

چندر موہنی ــــ اب اس کا خیال نہ کیجیے۔ میرا شوق بڑھتا جا رہا ہے۔

جوگن ــــ اور اب راز کو چھپانا میرے لیے ناقابل برداشت ہو گیا ہے۔

چندر موہنی ــــ تو کہیے۔

جوگن ــــ اس طرح نہیں اکانت (تنہائی) میں۔

چندر موہنی ــــ میں ابھی اپنی سہیلیوں کو علیحدہ کیے دیتی ہوں۔

اس نے مہ پارہ لڑکیوں کی طرف دیکھا۔ وہ ایک ایک کر کے وہاں سے کھسک گئیں۔ چندر موہنی نے کہا "اب فرمایئے۔"

جوگن نے نگاہیں اٹھا کر ادھر ادھر دیکھا۔ اب وہاں اتنے قریب کوئی بھی نہ رہا تھا۔ جو ان دونوں کی رازدارانہ گفتگو سن سکتا۔ اس نے سرگوشی کے لہجہ میں کہا "اس راز کے چھپانے کے لیے میں خود بھی مجبور تھی۔ انکشاف راز سے نہ صرف میری جان کا خطرہ تھا۔ بلکہ تیرے لیے بھی برائی کا احتمال تھا۔ مگر اب چاہتی ہوں کہ تجھ پر ظاہر کر دوں لیکن قبل اس کے کہ میں راز ظاہر کروں تو ایک اقرار کر کہ اسے کسی پر ظاہر نہ کرے گی؟"

چندر موہنی: اقرار کرتی ہوں۔

جوگن ــــ بات یہ ہے کہ اگر تو نے ظاہر کر دیا تو میری جان جاتی رہے گی اور تجھے بھی نقصان پہنچ جائے گا۔

چندر موہنی۔ اطمینان رکھیے میں ہرگز ظاہر نہ کروں گی۔

جوگن ــــ کم سے کم اس وقت تک ظاہر نہ کرنا۔ جب تک میں متھرا جی نہ پہنچ جاؤں۔

چندر موہنی ــــ میں وعدہ کرتی ہوں۔

جوگن ــــ سن چندر موہنی تو راجکماری نہیں ہے۔

چندر موہنی چونک کر اچھل پڑی۔ اس نے کہا "میں راجکماری نہیں ہوں ... پھر کون ہوں؟"

جوگن ــــ شانتی (صبر) کر میں دھیرے دھیرے (آہستہ آہستہ) سب بتائے دیتی ہوں۔ تو حیران بھی ہو گئی ہے اور دکھی بھی۔

چندر موہنی ــــ ہاں مجھے بڑا تعجب اور نہایت رنج ہوا ہے۔

جوگن ــــ رنج نہ کر تو راجکماری ہی رہے گی۔ تعجب البتہ ضرور ہو گا۔ میں مفصل سناتی ہوں۔

ابھی جوگن کا فقرہ ختم نہ ہوا تھا کہ شور ہوا مہارانی آ گئیں۔ ان دونوں نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔ دور سے بہت سی عورتیں آ رہی تھیں۔ جوگن نے جلدی سے کہا "اب موقعہ نہیں رہا پھر بتاؤں گی۔ ہنسی خوشی اپنی ماتا جی سے مل کر انہیں کوئی شک نہ ہو۔ ورنہ میری زندگی خطرہ

میں ہے میں جا رہی ہوں۔"

یہ کہتے ہی وہ چلی گئی اور چندر موہنی اسے دیکھتے رہ گئی۔

سومنات کی داسیاں

چندر موہنی نے جب سے جوگن سے یہ سنا تھا کہ وہ راجکماری نہیں ہے۔ اس کے دل میں ایک خلش پیدا ہو گئی تھی۔ وہ رہ رہ کر سوچتی تھی کہ جب وہ راجکماری نہیں ہے۔ تو کون ہے؟ کس کی بیٹی ہے۔ راجہ اور رانی نے اسے کیوں پرورش کیا۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ میں ان کی بیٹی نہیں ہوں یا معلوم ہے اور وہ بھی اس بھید کو چھپائے ہوئے ہیں۔ لیکن اگر ایسا ہے تو کیوں چھپا رہے ہیں۔ اس میں ان کی کیا مصلحت ہے۔

وہ خوب جانتی تھی کہ اس کی پرورش و پرداخت راجکماروں کی طرح ہوئی ہے۔ رانی اس سے بیٹی ہی جیسا سلوک کرتی ہے۔ راجہ بیٹی کی طرح چاہتا ہے۔ راجکماری کی طرح رعایا تعظیم کرتی ہے۔ داسیاں اور سہیلیاں سب اس کا ادب و احترام کرتی ہیں۔

کئی روز اسے اسی فکر و تشویش میں گزر گئے لیکن یہ مسئلہ حل نہ ہوا۔ رانی سے اسے اس کے متعلق کچھ پوچھنے کی جرأت نہ ہوئی۔

وہ جوگن کو عرصہ سے جانتی تھی۔ نہایت نیک اور باخدا تھی۔ اس کا زیادہ وقت پوجا پاٹ میں گزرتا تھا۔ اس نے کبھی کوئی بات غلط نہ کہی تھی۔ اسے یہ اطمینان تھا کہ کسی روز جوگن خود ہی آکر اس راز کا انکشاف کر دے گی جس نے اس کے دل میں عجیب کشمکش پیدا کر دی ہے۔ لیکن کئی روز سے جوگن نہ آئی تھی حالانکہ وہ اس کے آنے کا روزانہ انتظار کرتی تھی۔

جوگن سومنات کے مندر میں رہتی تھی۔ اس کے علاوہ اور بہت سی تارک الدنیا عورتیں رہتی تھیں۔ ایسی عورتوں کی تعداد ڈیڑھ سو یا دو سو تھی۔ لیکن ان سب میں اس جوگن کو امتیاز خصوصی حاصل تھا۔ اس کا نام تو کچھ اور تھا۔ لیکن سب شوبھا دیوی کہتے تھے۔

تمام جوگنیں اور سادھو اس کی عزت کرتے اور کثرت عبادت کی وجہ سے اس کی عظمت کے قائل تھے۔

سومنات کے مندر میں تقریباً پانچ سو داسیاں تھیں۔ یہ داسیاں نوخیز اور حسین و جمیل

پندرہ سال سے لے کر بیس سال کی عمر تک کی لڑکیاں تھیں۔ نہ عام محفلوں میں ناچتی گاتی تھیں۔ بلکہ مندر سومنات سے وابستہ تھیں اور پوجا کے وقت بت کے سامنے روزانہ ناچنا گانا ان کے فرائض میں داخل تھا۔

یہ لڑکیاں زیادہ تر امیروں، رئیسوں اور بڑے خاندان کی ہوتی تھیں۔ اکثر گھرانے پہلوٹی لڑکیوں کو مندر کی نذر کر دیتے تھے اور مندر کا مہا پجاری انہیں ناچ گانے کی مشق کرائی جاتی اور جب وہ اس فن میں ماہر ہو جاتیں تو انہیں داسیوں کے زمرہ میں داخل کر لیا جاتا۔

داسیاں بننا معیوب نہ تھا۔ بلکہ ان کی بڑی عزت و وقعت کی جاتی۔ ادنیٰ و اعلیٰ، راجہ مہاراجہ سادھو، پجاری۔ جوگی جوگنیں سب ان کا احترام کرتے تھے۔

ان کی کیفیت وہی تھی۔ جیسی عیسائیوں میں گرجاؤں کے اندر ننوں کی ہوتی ہے۔

دراصل داسیاں اس بت کی بیٹیاں کہلاتی تھیں۔ جس بت کے نام کے مندر میں وہ رہ کر پرورش پاتی تھیں۔ ہمارا مطلب یہ ہے کہ قریب قریب ہر مندر میں داسیاں سومنات کی بیٹیاں کہلاتی تھیں۔

اس میں شک نہیں کہ اس وقت جب ست جگ کا زمانہ کہلاتا تھا۔ ان داسیوں کو سب اپنی مائیں سمجھا کرتے تھے۔ وہ ساری عمر کنواری رہتی تھیں۔ داسیاں بننے کے بعد ان کی شادیاں مذہبی قانون کی رو سے نہ ہو سکتی تھی۔

ان پر بھی جوانی دیوانی کا دور آتا تھا۔ شباب ان کے دلوں میں بھی تلاطم پیدا کرتا تھا۔ خواہشات ان پر بھی طاری ہوتی تھیں۔ لیکن ایک تو وہ خود یہ سمجھتی تھیں کہ وہ بت کی بیٹیاں اور تمام مردوں اور عورتوں کی مائیں ہیں۔ دوسرے سارے مرد بھی یہی سمجھتے تھے کہ وہ قابل احترام مائیں ہیں۔ اگر انہیں بری نگاہوں سے دیکھا بھی تو بت کا قہر و غضب انہیں جلا کر خاک کر دے گا۔ اس لیے نہ کوئی ان پر بد نظر ڈالتا تھا۔ نہ وہ کسی پر مائل ہوتی تھیں۔

لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا گیا اور بقول ہندوؤں کے کلجگ کا دور شروع ہوا لوگوں کے دلوں سے بتوں کی عظمت دور ہوتی گئی۔ گمراہی پھیلنے لگی۔ عیاشیاں بڑھ گئیں۔ ہندوستان گناہ میں ڈوب گیا اور داسیوں کی حالت عام ویشاؤں (طوائفوں) کی طرح ہو گئی۔ نہ صرف سادھو اور پجاری

؎ از تاریخ ہندوستان جلد اول صفحہ ۲۸۹

ہی انہیں اپنی ہوس رانیوں کا شکار بنانے لگے بلکہ عوام الناس میں سے بھی جو کوئی خرچ کرتا۔ وہ ان داسیوں کے حسن کی بہار لوٹ لیتا۔

ہم نے داسیوں کا مفصل ذکر اس لیے کر دیا ہے۔ تاکہ قارئین کرام ان کی اصل حقیقت سے واقف ہو جائیں اور یہ ذکر اس لیے کرنا پڑا کہ اس ناول میں داسیوں کا اکثر ذکر آئے گا۔

جب کئی دن گزر گئے اور جوگن نہ آئی تو ایک روز چندر موہنی نے اپنی ایک داسی (خادمہ) کو اسے بلانے کے لیے بھیجا۔

سومنات کا مندر تو اس (قصر شاہی) سے فاصلہ پر تھا۔ اس لیے داسی کا جلدی واپس آنا مشکل تھا۔ ادھر چندر موہنی کے دل میں کچھ ایسا خلفشار پیدا ہو گیا تھا کہ اب اس کی بے چینی اور بھی بڑھ گئی تھی۔

ساتھ ہی اس کی پریشانی کی ایک اور وجہ بھی تھی۔ اس کی شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں اور جس کے ساتھ اس کی شادی قرار پائی تھی۔ اس سے اسے قلبی نفرت تھی۔

اس کی شادی انہلواڑہ کے راجکمار سکھدیو کے ساتھ طے ہوئی تھی۔ سکھدیو تھا۔ تو نوجوان لیکن نہ صورت [illegible] دار تھا اور نہ اس کے اطوار اچھے تھے۔ بلکہ سنا یہ تھا کہ وہ نہایت بد مزاج، بڑا سنگدل اور کچھ [illegible] تھا۔

اگرچہ اس کے ساتھ شادی کے لیے بڑے بڑے مشہور راجکماروں نے پیغام دیا تھا۔ لیکن اس وقت راجہ مہاراجہ ملکی حالات کی بنا پر ایسے راجکماروں سے اپنی لڑکیاں بیاہا کرتے تھے۔ جس سے ان کی سلطنت کو کسی قسم کا ضعف و نقصان نہ پہنچے، بلکہ اور مستحکم ہو جائے۔ خواہ راجکمار اور راجکماریاں اس رشتہ کو پسند کریں یا نہ کریں اور ان کی آئندہ زندگی کیسی ہی بری حالت میں گزرے وہ گھٹ گھٹ کر ہی کیوں نہ مر جائیں۔

راجہ انہلواڑہ کی قوت بہت کچھ بڑھی ہوئی تھی اور انہلواڑہ سومنات کے قریب تھا۔ سومنات کے راجہ کو ہر وقت اس کے حملہ آور ہونے کا اندیشہ رہتا تھا۔ اس لیے اس نے اس اندیشہ کو دور کرنے کے لیے یہ تجویز سوچی کہ اپنی لڑکی انہلواڑہ کے راجکمار کو دے دے تاکہ اس کی طرف سے حملہ کا اندیشہ نہ رہے۔

ہندوستان کے راجہ ہمیشہ آپس میں لڑتے چلے آئے ہیں۔ طاقت ور کمزور کو ہضم کر لیتا تھا۔ کمزور راجہ اپنی بہنوں اور بیٹیوں کی شادی ان طاقتور راجاؤں سے کر کے اپنی سلطنت کو دشمنوں سے بچانے کی کوشش کیا کرتے تھے۔

راجاؤں کا یہ دستور ہمیشہ سے چلا آیا ہے۔ چنانچہ جب مسلمان بادشاہ ہندوستان میں آئے۔ تو راجاؤں نے اپنی خوشی سے انہیں بھی اپنی بیٹیاں دینی شروع کر دیں اور اس طرح انہوں نے مسلمان بادشاہوں کو اپنا بنا کر نہ صرف اپنی سلطنتیں بھی ہضم کر لیں۔

غرض چندر موہنی کو یہ پریشانی بھی لاحق ہو گئی تھی اور اس سے وہ اور بھی فکر مند رہنے لگی تھی۔

وہ چاہتی تھی کہ منہ پھاڑ کر یہ صاف کہہ دے کہ اسے یہ رشتہ منظور نہیں ہے۔ لیکن شرم زبان نہ کھلنے دیتی تھی۔ اندر ہی اندر گھٹ رہی تھی۔

جب داسی کی واپسی میں دیر ہوئی۔ تو وہ دل بہلانے کے لیے بالاخانہ پر چڑھ گئی۔ اکثر وہ سیر کرنے کے لیے سب سے اوپر کی چھت پر چلی جایا کرتی تھی۔

شام کا وقت تھا۔ آفتاب افق مغرب کی طرف بڑھا چلا جا رہا تھا۔ روپہلی شعاعیں سنہری ہو گئی تھیں اور ہر چیز پر طلائی غازہ پھیر رہی تھیں۔

چندر موہنی نے جب جنوب کی طرف دیکھا۔ تو سمندر کا نیلگوں پانی حد نگاہ تک پھیلا نظر آیا۔

اس محل کے جنوب میں سمندر تھا اور اس کی فلک شکوہ لہریں قصر شاہی کی دیوار سے پشتہ سے آ کر ٹکراتی تھیں۔

ایک طرف دور دور بہت سی چھوٹی بڑی کشتیاں لب ساحل پڑی تھیں اور قریب ہی کنارہ پر ملاحوں کے مکانات تھے۔ جن میں سے دھواں اٹھ رہا تھا۔

یہ تمام ملاح راجہ کے ملازم تھے اور ساری کشتیاں سرکاری تھیں۔ اکثر راجہ اور اس کے مشیران کشتیوں میں بیٹھ کر مچھلیوں کا شکار کھیلا کرتے یا تفریح کیا کرتے تھے۔

لیکن یہ کشتیاں صرف انہیں کاموں کے لیے نہ تھیں، بلکہ راجہ نے دور اندیشی کے خیال سے اس لیے بھی انہیں رکھا ہوا تھا کہ اگر کسی وقت کوئی طاقت ور دشمن حملہ کر کے قلعہ فتح کرے تو وہ معہ اپنے اہل و عیال کے ان میں سوار ہو کر کہیں دور سمندر کے کسی جزیرہ میں چلا جائے۔

کچھ دیر سمندر کا نظارہ کرنے کے بعد وہ دوسری طرف متوجہ ہوئی۔ اس طرف بہت دور سومنات کا عالی شان مندر تھا۔ جو چھوٹا سا قلعہ معلوم ہوتا تھا۔ مندر کا سفید مخروطی مینار چمک رہا تھا اور اس کا سنہرا کلس آفتاب کی سنہری شعاعیں پڑنے سے جگمگا رہا تھا۔

یہی وہ مندر تھا جس کی عزت و عظمت ہندوستان کے ہندوؤں کے دلوں میں تھی اور ہند کے گوشہ گوشہ سے لوگ اس کی زیارت کرنے کے لیے آتے رہتے تھے۔

ابھی چندر موہنی اس طرف دیکھ ہی رہی تھی کہ داسی آ گئی۔ چندر موہنی نے اس کی طرف دیکھ کر دریافت کیا "کیا جوگن ماتا آئی؟"

داسی نے جواب دیا "نہیں راجکماری جی۔ معلوم ہوا وہ کئی روز ہوئے متھرا جی چلی گئیں"

چندر موہنی کو بڑا افسوس ہوا۔ راز نا تمام رہ گیا۔ اس کے دل میں جو کانٹا کھٹک رہا تھا وہ نہ نکل سکا اور راز کی کنجی جس کے ہاتھ میں تھی وہ چلی گئی۔ کون جانے زندہ واپس لوٹے یا دہیں مر جائے اس نے سوچا اگر وہ مر گئی یا یہاں نہ آئی تو اس کا راز بھی اس کے ساتھ ہی گیا اس سے اسے بڑی الجھن ہوئی۔

کچھ دیر تک وہ بحر غور و فکر میں غرق رہی۔ تھوڑی دیر کے بعد خود ہی بولی "یقین ہے گرو جی مہاراج کو ضرور اس کے متعلق کچھ معلوم ہوگا۔ ماتا جی سے اجازت لے کر کل ان کی خدمت میں جاؤں گی"

یہ سوچ کر وہ نیچے اتر آئی اور اسی وقت رانی کی خدمت میں حاضر ہو کر گرو جی کے پاس جانے کی اجازت طلب کی۔ رانی نے بلا کسی حجت کے اجازت دے دی۔ وہ اپنے کمرہ میں کمرہ میں واپس آ گئی اور پھر اپنے خیالات میں کھو گئی۔

دوسرا باب

ڈاکوؤں کا حملہ

چندر موہنی کے گرو سومنات سے آٹھ دس میل کے فاصلہ پر شمالی جنگلوں میں رہتے تھے۔ [ان] کا نام دھرم پال تھا۔ انہوں نے ہی چندر موہنی کو بھاشا اور سنسکرت پڑھائی تھی۔ وہ راجکماری کو [بہت] سے زیادہ چاہتے تھے۔ چندر موہنی بھی باپ سے زیادہ ان سے محبت اور ان کی عزت [کر]تی تھی۔

جب کبھی اسے کوئی مشکل پیش آتی تھی۔ وہ گرو کے پاس جا کر اسے رفع کیا کرتی تھی۔ دھرم پال کا ادب و احترام سومنات کا بچہ بچہ کرتا تھا۔ ہر فرد بشر ان سے عقیدت تھی [عو]ام الناس انہیں ایشور کا بھگت پہنچا ہوا سادھو اور دیوتا سروپ سمجھتے تھے۔ ان کے درشنوں [اور ز]یارت کے لیے عورتوں اور مردوں کے گروہ ان کے جائے قیام پر جاتے رہتے تھے۔

غرض یہ ہے کہ وہ نہایت بزرگ مانے جاتے تھے۔ سومنات کا مہا پجاری بھی اکثر ان کی [خد]مت میں حاضر ہوتا رہتا تھا اور راجہ بھی انہیں بہت کچھ مانتا تھا۔

راجہ اور پرجا نے یہ کوشش کی تھی کہ وہ جنگلوں میں رہنا چھوڑ دیں اور خاص مندر میں آ رہیں [لیکن] اس بات کو انہوں نے منظور نہیں کیا تھا۔

چندر موہنی دوسرے روز ان کے پاس جانے کے لیے تیار ہوئی۔ شاہی رتھ دروازہ [پر آ] لگا۔ دس کڑیل راجپوت سوار جلو میں چلنے کے لیے آ گئے۔

چندر موہنی نے بہترین ریشمین ساڑھی پہنی۔ جواہرات کے چمکدار زیورات پہنے سر پر [خو]بصورت مکٹ (چھوٹا تاج) رکھا۔ ان چیزوں سے اس کا حسن چہار چند بڑھ گیا۔ اس کے [ر]خسارے شفاف آئینہ کی طرح جگمگانے لگے۔ وہ رتھ میں بیٹھ گئی۔ دوسری رتھ میں اس کی سہیلیاں بیٹھیں اور تیسری رتھ میں چند داسیاں سوار ہو گئیں۔

تینوں رتھ نہایت خوب صورت تھے۔ لیکن جس رتھ میں چندر موہنی سوار ہوئی۔ وہ نہایت
ہی شاندار اور آرام دہ تھا۔ ان رتھوں میں گھوڑے جتے ہوئے تھے۔
کچھ سوار رتھوں کے آگے ہو گئے۔ کچھ پیچھے اور رتھ چلے۔ چونکہ ان رتھوں کو عوام الناس جان
تھے، اس لیے جس طرف سے راجکماری کی سواری گزرتی لوگ نعرے لگانے لگتے: "راجکماری کی ج
"اندا تا کی جے۔"
چندر موہنی سوچتی "کیا میں حقیقت میں راجکماری ہوں یا لوگ بھی دھوکہ میں پڑے
ہوئے ہیں۔"
قصر شاہی قلعہ کے اندر تھا۔ سواری قلعہ سے نکل کر شمالی جنگلوں کی طرف روانہ ہوئی۔
چندر موہنی نے رتھ کے ایک طرف کا پردہ اٹھا دیا تھا اور وہ سبزہ زار کھیتوں کا نظارہ کرتی جا
رہی تھی۔
آج آسمان پر ابر چھایا ہوا تھا۔ آفتاب بادلوں کے پیچھے چھپا ہوا تھا۔ خوش گوار ہوا کے جھو
چل رہے تھے۔ نہایت فرحت بخش سماں تھا۔ چندر موہنی نے سواری کو آہستہ آہستہ چلنے کا حکم
وہ قدم قدم چلنے لگے۔
آہستہ روی کی وجہ سے دوپہر تک انہوں نے پانچ میل کا فاصلہ طے کیا۔ اس وقت گھ
آئی ہوا تیز ہو گئی۔ بادلوں کے دل کے دل آنے لگے۔ سواروں کے افسر نے چندر موہنی سے
کہا "راجکماری جی! بارش آنے والی ہے اور قریب کہیں پناہ کی جگہ نظر نہیں آتی۔"
چندر موہنی نے کہا "اب گھوڑوں کو تیز کر دو۔ قریب ہی ایک شوالہ ہے اگر ہم وہاں
پہنچ گئے تو بارش کے طوفان سے بچ جائیں گے۔
افسر —— میرا مدعا بھی یہی تھا۔
اس نے رتھ بانوں اور سواروں کو اشارہ کیا۔ انہوں نے گھوڑوں کی باگیں اٹھائیں ا
فراٹے بھرتے ہوئے چل نکلے۔
لیکن ابھی سواری زیادہ دور نہ گئی تھی کہ بڑی بڑی بوندیں پڑنے لگیں۔ ہوا اور بھی تی
درختوں کی شاخوں کے ٹکرانے اور پتوں کے بجنے سے ایسا شور بلند ہوا۔ جیسے طوفان آ
ساتھ ہی بارش زور شور سے شروع ہو گئی۔
سواروں نے گھوڑوں کو اور تیز کیا۔ سامنے ایک شوالہ نظر آیا یہ سب دوڑ کر شوالہ

عالی شان پھاٹک میں جا کر کھڑے ہوئے۔
پھاٹک اتنا وسیع تھا کہ اس میں تینوں رتھ اور سارے سوار سما گئے۔
شوالہ کے پجاریوں نے جب سواروں کو دیکھا تو ان میں سے کئی پجاری دوڑ کر ان کے پاس یہ
معلوم کرنے کے لیے آئے کہ وہ کون ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ راجکماری
گرو جی سے ملنے جا رہی ہیں۔ تو انہوں نے راجکماری سے شوالہ کے اندر چلنے اور وہاں آرام سے
بیٹھنے کی التجا کی۔ راجکماری نے مان لیا۔ رتھیں بڑھا کر شوالہ کے قریب لگا دی گئیں اور سب داسیاں
اور سہیلیاں اتریں۔ چندر موہنی بھی اتری اور شوالہ میں چلی گئیں۔
شوالہ کی عمارت نہایت وسیع تھی۔ ایک کمرہ میں خادمائیں اور دوسرے میں چندر موہنی اور
اس کی سہیلیاں آرام سے بیٹھ گئیں۔
کچھ دیر کے بعد شوالہ کا پجاری حاضر ہوا۔ اس نے راجکماری اور اس کی سہیلیوں پر کچھ عجیب
قسم کی نگاہیں ڈالیں اور راجکماری سے کھانے کے لیے دریافت کیا۔
چندر موہنی نے اس کا شکریہ ادا کر کے کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔ وہ چلا گیا۔ ایک سہیلی نے
کہا "مجھے تو اس پجاری کی آنکھوں سے خوف معلوم ہوتا ہے۔
دوسری بولی "اس کی صورت بھی تو ہیبت ناک ہے۔
چندر موہنی:۔ ہوگی۔ دیکھو بارش کس زور سے ہو رہی ہے۔
بارش موسلا دھار ہو رہی تھی۔ ہوا بھی نہایت زور سے چل رہی تھی۔ گویا بارش اور ہوا کا
طوفان آگیا تھا۔
دیر تک بارش ہوتی رہی۔ رفتہ رفتہ اس کا زور کم ہوا اور جب بالکل بارش رکی تو کافی دیر
ہو چکی تھی۔
اب افسر نے آکر اطلاع دی کہ بارش رک گئی۔ اگر حکم ہو تو رتھیں لائی جائیں۔
عین اس وقت شوالہ کا پجاری آگیا۔ اس نے کہا "راجکماری جی! بہت تھوڑا دن باقی رہ گیا
ہے۔ راستہ دشوار گزار جنگلوں میں سے ہو کر گزرتا ہے۔ کئی روز سے ڈاکہ زنی کی خبریں آ رہی
ہیں۔ اس وقت سفر کرنا نامناسب ہے۔"
چندر موہنی نے کہا "نہیں۔ ہمیں جانا ضروری ہے۔ رتھیں لائی جائیں۔"
پجاری نے پھر خاص نظروں سے دیکھا اور خاموشی سے نکل کر چلا گیا۔ افسر نے رتھیں لانے

کا حکم دیا اور جب رتھیں آگئیں۔ تو سب سوار ہو کر شوالہ سے نکلے اور آہستہ آہستہ روانہ ہو گئے۔

گھٹا اب بھی گہری ہو رہی تھی۔ لیکن برسنے سے بادلوں کا زور نکل گیا تھا اور اب مزید بارش ہونے کا اندیشہ نہ تھا۔

سواری نہایت اطمینان سے چلی جا رہی تھی۔ چونکہ بارش کی وجہ سے راستہ خراب ہو گیا تھا۔ اس لیے گھوڑے تیزی سے نہ چل سکتے تھے۔

اب بادل پھٹنے لگے تھے اور کبھی کبھی آفتاب نمودار ہو جاتا تھا۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ دن چھپنے کے قریب ہے۔ راجکماری نے افسر کو بلا کر کہا: "دن چھپنے والا ہے اور ابھی ہمیں تاریک جنگل میں سے گزرنا ہے اس لیے ذرا تیز چلو۔"

افسر نے سواروں اور رتھبانوں کو ہدایت کی اور سواری تیزی سے چلی۔

کچھ دور چل کر راجکماری نے چند سواروں کو دوسری طرف سے آتے ہوئے دیکھا۔ اس نے افسر کو ہدایت کی کہ وہ ان سواروں کو طلب کرے۔ چنانچہ افسر نے انہیں لا کر راجکماری کے سامنے پیش کیا۔

سواروں نے دونوں ہاتھ جوڑ کر اور سجدہ کی شان سے جھک کر راجکماری کو سلام کیا۔ چندر موہنی نے دریافت کیا "تم کون ہو؟"

ایک سوار نے جواب دیا "ہم جاسوس ہیں۔"

چندر موہنی:۔ کہاں سے آ رہے ہو؟

جاسوس:۔ اجمیر سے۔

چندر موہنی:۔ کیا خبر لائے ہو؟

جاسوس:۔ حضور، ملیکش سلطان محمود پھر ہندوستان پر حملہ آور ہوا ہے۔

چندر موہنی:۔ کیا وہ ہندوستان میں داخل ہو گیا؟

جاسوس:۔ جی ہاں۔

چندر موہنی:۔ کچھ معلوم ہوا اب اس کا کس طرف حملہ کرنے کا ارادہ ہے؟

جاسوس:۔ یہ معلوم نہیں ہوا ہے۔ وہ پشاور سے آگے بڑھ آیا ہے۔ کوئی نہیں جانتا اب کس ملک پر لوٹ کر گرے گا لیکن افواہ ہے۔

چندر موہنی:۔ کیا افواہ ہے؟

جاسوس:۔ اس کا ارادہ سومنات پر حملہ کرنے کا ہے۔

چندر موہنی کے دل پر چوٹ سی لگی۔ اس نے کہا: "اس کا دماغ چل گیا ہے۔ سومنات جی غضب ناک ہو کر اسے بھسم کر ڈالیں گے۔ اچھا تم جاؤ۔"

جاسوس چلے گئے۔ راجکماری کی سواری آگے بڑھی اور عین دن چھپے جنگل میں داخل ہوئی۔

جنگل نہایت ہی گھنا اور تیرہ و تار تھا۔ درخت ایک دوسرے سے ملے ہوئے کھڑے تھے۔ ان کی شاخیں آپس میں گتھ گئی تھیں۔ ڈالوں پر ڈالے چڑھ گئے تھے اور پتوں نے سائبان سا تان دیا تھا۔

درختوں کو کاٹ کر راستہ بنایا گیا تھا لیکن اس راستہ پر بھی اس غضب کا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ کہ کسی طرف کوئی چیز نظر ہی نہ آتی تھی۔

رات تو رات دن میں بھی یہاں اندھیرا ہی پھیلا رہتا تھا۔ آفتاب کی شعاعیں زمین تک نہ پہنچنے پاتی تھیں۔ درختوں کی شاخوں اور پتوں ہی میں الجھ کر رہ جاتی تھیں۔

ایک تو رات ہو گئی تھی۔ دوسرے جنگل تاریک تھا۔ اس لیے اس درجہ اندھیرا پھیلا ہوا تھا کہ آنکھ کو ہاتھ نظر نہ آتا تھا۔

غالباً سوار مشعلیں تیار کر کے لائے تھے۔ انہوں نے مشعلیں روشن کر کے ہاتھوں میں لیں اور آگے بڑھنا شروع کیا۔

چونکہ بارش ہو چکی تھی۔ اس لیے درختوں میں سے پانی چھن کر ہلکی ہلکی بوندوں کی طرح اب بھی برس رہا تھا۔

اس وقت سفر کرنے میں ان لوگوں کو بڑی تکلیف ہو رہی تھی اور چونکہ چندر موہنی اور اس کی سہیلیوں کے سامنے شوالہ کے پجاری نے بیان کیا تھا کہ اس جنگل میں ڈاکہ زنی ہونے لگی ہے اس لیے نازک بدن پری جمال لڑکیوں کے دل ہولیں کھا رہے تھے۔ ذرا سا کھٹکا ہونے پر ان کے دل دھک سے ہو جاتے تھے اور کلیجے اچھلنے لگتے تھے۔

انہوں نے تھوڑا ہی سا فاصلہ طے کیا تھا کہ پیچھے کی طرف سے گھوڑوں کے ٹاپوؤں کی آواز آئی۔ لڑکیاں دہل گئیں۔ لیکن افسر کے اس کہنے سے انہیں کچھ تسلی ہوئی کہ "شاید مہاراج نے کچھ سوار اور بھیج دیئے ہیں۔"

تھوڑی دیر میں سوار قریب آ گئے۔ وہ ڈھاٹے باندھے ہوئے تھے۔ انہوں نے دور ہی سے چلا کر کہا "ٹھہر جاؤ۔"

افسر اور سواروں نے ان کی طرف دیکھا اور جب روشنی میں وہ نظر آئے تو افسر نے کہا "اور یہ تو ڈاکو معلوم ہوتے ہیں ان کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

ڈاکوؤں کا نام سنتے ہی ناز آفرین لڑکیوں کی جان سی نکل گئی۔ افسر نے تمام سواروں کو ایک جگہ جمع کر لیا اور ڈاکوؤں کے قریب آنے کا انتظار کرنے لگے۔

غیبی امداد

جو مشعلیں سوار لیے ہوئے تھے ان کی روشنی بڑھتے ہوئے اندھیرے کو دور کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ لیکن وہ اتنی ناکافی تھی کہ دور تو دور پاس کی چیز بھی صاف نظر نہ آتی تھی۔

آنے والے سوار دس بارہ تھے۔ چونکہ وہ ڈھاٹے باندھے ہوئے تھے۔ اس لیے ان کی صورتیں تو نظر نہ آتی تھیں۔ البتہ ان کی شعلہ بار آنکھیں ضرور نظر آ رہی تھیں۔

انہوں نے شاہی سواروں کے سامنے آ کر پڑا جما لیا اور ان میں سے ایک نے کہا "خیریت چاہتے ہو تو ہتھیار ڈال دو۔"

افسر نے کڑک کر کہا "جانتے ہو میرا نام کھڑک سنگھ ہے۔ بڑے بڑے سورما میرا لوہا مانتے ہیں۔ میں کہتا ہوں۔ اگر تم اپنی خیریت چاہتے ہو تو واپس لوٹ جاؤ۔"

جو شخص ڈاکوؤں کی طرف سے گفتگو کر رہا تھا۔ وہ ان کا سردار معلوم ہوتا تھا۔ اس نے گرج کر کہا "تم کھڑک سنگھ ہو تو میں ببیر سنگھ ہوں۔ آج تک کوئی سورما (بہادر) میرے سامنے سے جان بچا کر نہیں لے جا سکا۔ لیکن میں فضول خونریزی کو پسند نہیں کرتا۔ میں راجکماری اور ان کی سہیلیوں کو لینے کے لیے آیا ہوں۔ انہیں میرے حوالہ کر دو اور اپنی جانیں بچا کر لے جاؤ۔"

کھڑک سنگھ: "میری زندگی میں یہ بات ناممکن ہے کہ کوئی راج کماری جی کا بال بھی بیکا کر سکے۔ لیکن میں پوچھتا ہوں تم راجکماری جی کو کہاں اور کس لیے لے جانا چاہتے ہو۔"

ببیر سنگھ: "یہ بات میں نہیں بتا سکتا۔"

کھڑک سنگھ: "نر بتاؤ کائر (بزدل) کبھی سچ نہیں بولا کرتے۔"

ببیر سنگھ نے کڑک کر کہا "میں کائر (بزدل) ہوں، تم نے میرا اپمان (توہین) کیا اب تلوار ہی میرا اور تمہارا فیصلہ کرے گی۔"

یہ کہتے ہی اس نے اور اس کے ساتھ ہی اس کے تمام ساتھیوں نے تلواریں کھینچ لیں۔

راج کماری چندر موہنی ان کی گفتگو کا ایک ایک لفظ سن رہی تھی۔ اس نے سوچا کہ اگر شاہی سوار مشعلیں لیے رہے تو اچھی طرح نہ لڑ سکیں گے اور اگر انہوں نے مشعلیں گرا دیں تو اندھیرا ہو جائے گا۔ اس لیے اس نے کنیزوں کو حکم دیا کہ وہ رتھ سے نیچے اتر کر مشعلیں لے کر کھڑی ہو جائیں۔

خوف و دہشت سے کنیزوں کی روح خشک ہوئی جا رہی تھی۔ وہ رتھ میں سہمی ہوئی بیٹھی تھیں۔ ڈرتی تھیں کہ کہیں رتھ سے نیچے اترتے ہی قتل نہ کر ڈالی جائیں۔ لیکن راجکماری کے حکم کی تعمیل کرنی بھی تھی۔ جبراً قہراً اتریں اور ڈرتے ڈرتے اپنے سواروں کے پاس جا کر ان سے مشعلیں لے لیں اور ایک طرف کھڑی ہو گئیں۔

سواروں نے مشعلیں دیتے ہی ڈھالیں سنبھالیں اور اب تمام شاہی سواروں نے بائیں ہاتھوں میں ڈھالیں اور داہنے ہاتھوں میں تلواریں لے لیں۔

ڈاکوؤں نے بڑے زور سے راج کماری کے محافظوں پر حملہ کر دیا۔ کھڑک سنگھ اور اس کے ساتھی بھی پل پڑے۔ جنگ شروع ہو گئی۔ ڈاکو محافظوں کو پیچھے کرنے کی کوشش میں تھے اور محافظ ڈاکوؤں کو مار ڈالنے کی تگ و دو میں لگے ہوئے تھے۔

دونوں فریق بہادر تھے اور نہایت جانبازی سے لڑ رہے تھے۔ اگرچہ ڈاکو شاہی سواروں سے کچھ زیادہ تھے۔ لیکن انہیں اپنی کمی تعداد کا مطلق بھی خیال نہ تھا۔

مصفا تلواریں مشعلوں کی روشنی میں چمک رہی تھیں۔ ہر شخص بڑی پھرتی سے تلوار چلا رہا تھا۔ اور نہایت جوش و قوت سے بڑھ بڑھ کر حملے کر رہا تھا۔

تلواروں کی کھڑکھڑاہٹ سے خاموش جنگل گونج اٹھا تھا۔ کبھی کبھی کھڑک سنگھ اور ببیر سنگھ کی آوازیں بھی آ جاتی تھیں جو ایک دوسرے پر حملہ کرتے وقت کچھ کہتے تھے یا اپنے سواروں کو للکارتے تھے۔

چندر موہنی نے اس وقت رتھ کا پردہ الٹ دیا تھا اور اپنا چاند سا چہرہ نکالے بھیانک لڑائی کا منظر دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرہ سے کسی قسم کی گھبراہٹ ظاہر نہ ہو رہی تھی۔

اس کی سہیلیاں بھی جھانک رہی تھیں۔ لیکن ان کے چہروں سے فکر و تشویش کی علامتیں ظاہر ہو رہی تھیں۔ ان میں سے ایک نے کہا "راجکماری جی! یہ موقع اچھا ہے۔ اس وقت دشمن لڑائی میں مشغول ہے۔ آپ رتھ بانوں کو حکم دیں کہ وہ رتھوں کو تیزی سے ہانک کر لے جائیں۔"

چندر موہنی نے حقارت آمیز نگاہیں اپنی اس بزدل سہیلی کے چہرہ پر ڈال کر کہا "تم مجھے

بزدلانہ مشورہ دے رہی ہو۔ کیا ایک راجکماری اپنے سورماؤں کو لڑتا ہوا چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے لیے میدان جنگ میں سے بھاگ جائے ایک راجپوت بنس کی لڑکی کبھی ایسا نہیں کر سکتی۔ تم بھی تو راجپوتنیاں ہو۔ ان کی اولاد جو سر دیتے اور سر لینا جانتے ہیں۔ بھاگ چلنے کا خیال کیسے تمہارے دل میں آیا۔"

سہیلی کچھ محجوب ہو گئی۔ اس نے کہا "میں نے اپنی یا دوسری لڑکیوں کی جان بچانے کے لیے یہ مشورہ نہ دیا تھا بلکہ ہم سب میں آپ کی جان قیمتی ہے۔ ڈاکو ہمیں پکڑ کر لے جائیں یا مار ڈالیں ہمیں اس کی مطلق بھی پرواہ نہیں ہے۔ لیکن اگر آپ کا بال بھی بیکا ہو گیا تو تمام سومنات میں کہرام مچ جائے گا۔

چندر موہنی۔ میرا بھی فکر نہ کرو۔ اگر ایشور نہ کرے ہمارے سب آدمی مارے گئے یا شکست کھا کر بھاگ گئے تو پھر ہمیں لڑائی کے لیے تیار ہو جانا چاہیئے۔

سب سہیلیوں نے متحیر ہو کر کہا "ہمیں لڑائی کے لیے تیار ہو جانا چاہیئے۔ ان خونخوار درندوں سے جو رحم و کرم کا نام بھی نہیں جانتے۔"

چندر موہنی۔ ہاں انہیں سے۔ گرفتار ہو کر ڈاکوؤں کی داسیاں (کنیزیں) بننے سے یہ کہیں اچھا ہے کہ لڑ کر ماری جائیں۔

ایک سہیلی نے گھبرا کر کہا "اسے دیکھیے وہ ہمارے دو سوار مارے گئے۔"

اس وقت دو محافظ سوار شدید زخمی ہو کر گر گئے تھے۔ راجکماری نے کہا۔

"افسوس اول تو ہمارے سپاہیوں کی تعداد ہی تھوڑی ہے اور اس میں سے بھی دو بہادر مارے گئے۔ مگر دیکھو وہ ایک ڈاکو بھی گرا . . . . ."

چندر موہنی: ٹھیک ہے۔ ہمارے یہ رتھبان بھی کیوں نہ لڑائی میں شریک ہوں۔

ایک سہیلی: ٹھیک سوچا راجکماری جی۔ انہیں بھی حکم دیجیے۔ یہ بھی لڑیں۔

چندر موہنی نے رتھبانوں کو لڑنے کا حکم دیا۔ وہ بھی رتھوں سے کود کود کر لڑائی کی جگہ پہنچے اور جو محافظ اور ڈاکو مارے گئے تھے۔ ان کے گھوڑے ادھر ادھر پھر رہے تھے۔ انہوں نے گھوڑے پکڑے اور ان پر سوار ہو کر لڑائی میں شریک ہو گئے۔

ابھی تک دونوں فریقوں کے دو دو آدمی مارے گئے تھے۔ ڈاکوؤں کو اپنے ساتھیوں کے مارے جانے سے بڑا جوش آ گیا تھا۔ انہوں نے نہایت سختی سے حملہ کیا۔ اگرچہ محافظوں نے

ان کا حملہ روکنے میں اپنی پوری قوت صرف کر دی لیکن ان کے کئی آدمی مارے جا چکے تھے۔ رتھبانوں نے مردہ ڈاکوؤں کے گھوڑے پکڑ لیے اور انہی کے ہتھیاروں سے جنگ کرنے لگے۔ تلواروں کی جھنکار اور شور سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ راجکماری اور اس کی سہیلیاں بڑی شدومد سے جنگ دیکھ رہی تھیں اور ان کے دل اپنے بہادروں کی فتح کے لیے دعا کر رہے تھے۔

ڈاکوؤں کے دلوں میں جوش و خروش عروج پر تھا۔ وہ اپنے دو ساتھیوں کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔ مگر ان کے ایک اور جوان ساتھی نے ان کے سامنے جان دے دی اچانک ڈاکوؤں کے حملوں میں شدت آ گئی اور انہوں نے راجکماری کے ساتھیوں پر نعرہ مار کر حملہ کر دیا۔ ایک ایک کر کے راجکماری کے سب ساتھی مارے گئے اور اس کے رتھبان بھی جنگ میں ختم ہو گئے۔ جب اس کا آخری محافظ بھی مارا گیا تو ڈاکوؤں نے راجکماری کو گھیر لیا اور ایک ڈاکو جو ان کا سردار تھا راجکماری کے پاس آیا اور اس سے مختلف سوال کرنے لگا ابھی وہ سوال جواب کر ہی رہا تھا اور راجکماری کی بجائے اس کی سہیلیاں ان کا جواب دے رہی تھیں کہ شمال کی جانب سے دھول اڑتی دکھائی دی۔ سب اس طرف متوجہ ہو گئے۔ دو گھڑ سوار بہادر ان کے قریب آئے۔ ان کو دیکھتے ہی اچانک سردار کے منہ سے نکلا۔

"ترک . . . . . ."

پھر چندر موہنی اور دوسری لڑکیوں کی زبان سے بھی یہی لفظ نکلا "ترک . . "

دونوں ترک نوعمر تھے لیکن بہادری و شجاعت دونوں کے چہروں سے ٹپک رہا تھا۔ دونوں حسین و جمیل تھے۔ وہ ڈاکوؤں کے پاس آ کر رکے ان میں سے ایک نے ٹوٹی پھوٹی بھاشا میں کہا "یہ کیا معاملہ ہے کیوں تم ان عورتوں کو پریشان کر رہے ہو؟"

بلبیر سنگھ کی پیشانی سے خون بہہ رہا تھا۔ اس نے کہا "تمہیں ہمارے معاملے میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

دونوں ترکوں نے لاشوں کو دیکھا۔ پہلے ترک نے کہا "ادھر جنگ بھی ہو چکی ہے شاید ان لڑکیوں کے محافظ مارے جا چکے ہیں۔ (بلبیر سنگھ سے مخاطب ہو کر) سنو! ہم کمزوروں کی مدد کیا کرتے ہیں۔ یہ لڑکیاں کمزور ہیں۔ تم انہیں چھوڑ کر اپنی راہ لگو ورنہ تم ہمارے سر ٹھوکریں کھاتے پھرو گے۔"

بلبیر سنگھ کو غصہ آگیا۔ اس نے کہا "یہ ارمان ہے تو کیوں نہ تمہارے سر بھی کاٹ ڈالے جائیں" اس نے اپنے ساتھیوں کو حملہ کے لیے للکارا۔ ڈاکو سمٹ کر ایک طرف آگئے اور حملہ کرنے کے لیے بڑھے۔ دونوں ترکوں نے بھی تلواریں اور ڈھالیں سنبھال لیں اور جوں ہی ڈاکوؤں نے حملہ کیا وہ بھی ان پر برس پڑے۔

ڈاکو سات تھے اور ترک صرف دو لیکن انہوں نے ایسی پھرتی اور ایسے جوش سے حملے کیے کہ ڈاکو حیران رہ گئے۔ انہوں نے ایک ایک ڈاکو کے سر اڑا دیئے۔ اب پانچ ڈاکو باقی رہ گئے۔

بلبیر سنگھ نے نہایت جوش سے اس ترک پر حملہ کیا جو گفتگو کر رہا تھا۔ اس نے اس کا وار روک کر کاری وار کیا۔ بلبیر سنگھ کا جھنڈر کھل گیا۔ اس کا ڈھاٹا دور جا گرا۔ چندر موہنی اور دوسری لڑکیوں نے اسے پہچان لیا۔ وہ شوالہ کا پجاری تھا۔ فرطِ حیرت سے ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

بلبیر سنگھ زمین پر گر پڑا۔ اس کے ساتھی بھاگنے لگے۔ ترکوں نے ان کا تعاقب کر کے ان میں سے دو کو اور مار ڈالا۔ باقی ڈاکو بھاگ گئے۔

اب ترک واپس لوٹ کر آئے۔ چندر موہنی بھی آگے بڑھ آئی تھی۔ ترک نے اس سے پوچھا "تم کون ہو۔ کہاں جا رہی ہو؟"

چندر موہنی نے جواب دیا "ہم سومنات کی راجکماریاں ہیں۔ اپنے گرو دھرمپال کے پاس جا رہی تھیں کہ یہ ڈاکو مل گئے ...... ہم آپ کی شکر گزار ہیں۔ آپ نے عین وقت پر آکر ہماری مدد کی۔"

دھرمپال کا نام سن کر دونوں ترک چونک پڑے۔ لیکن چندر موہنی نے اس بات کو نہیں دیکھا۔ ترک نے کہا "چلیے آپ کو دھرمپال کی کٹیا تک پہنچا دیا جائے۔"

چندر موہنی: لیکن یہ تو بتائیے آپ کون ہیں۔

ترک: میں سلطان محمود غازی کے لشکر کا ایک سپاہی ہوں۔

چندر موہنی کو بڑی حیرت ہوئی۔ اس نے دریافت کیا "آپ یہاں کیسے آئے؟"

ترک: معاف کیجیے یہ بات میں نہیں بتا سکتا۔ بس یہ سمجھ لیجیے کہ قدرت نے مجھے یہاں بھیج دیا۔

چندر موہنی: لیکن آپ دھرمپال کی کٹیا کیسے جانتے ہیں۔

ترک: وہ ایک مشہور سادھو ہیں۔ انہیں کون نہیں جانتا۔ باتوں میں وقت ضائع نہ کیجیے رتھوں میں سوار ہو لیجیے اور چلیے۔

چندر موہنی کو بڑی حیرت اور الجھن ہو رہی تھی۔ وہ پوچھنا تو بہت کچھ چاہتی تھی لیکن ترک کے انفظائی جواب سے سمجھ گئی کہ وہ کچھ زیادہ بتانا نہیں چاہتا۔ وہ رتھ میں جا بیٹھی۔ کنیزیں بھی بیٹھ گئیں۔ دونوں ترکوں نے وہ مشعلیں لے لیں اور رتھوں کو لے کر روانہ ہوئے۔

تیسرا باب

حیرت در حیرت

دھرمپال جنگل کے بیچ میں ایک گفا میں رہتے تھے۔ لیکن جس جگہ یہ گفا یا کٹیا تھی۔ اس کے چاروں طرف دور تک درختوں کی وہ کثرت نہ تھی جو اور جگہ تھی کہیں کہیں دو دو چار چار درخت کھڑے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جنگلات کو کاٹ کر صاف کیا گیا تھا۔

گفا سے کچھ فاصلہ پر شفاف پانی کا چشمہ بہہ رہا تھا۔ جو شمال سے جنوب کو بہتا تھا۔

کافی رات گئے۔ راجکماری کی سواری گفا پہ پہنچی۔ دھرمپال کو راجکماری کے بغیر اطلاع اچانک آجانے پر بڑی حیرت ہوئی۔ انھوں نے نہایت تپاک سے اس کا خیر مقدم کیا۔

گفا میں دھرمپال تنہا نہ رہتے تھے۔ بلکہ پندرہ بیس اور سادھو بھی رہتے تھے۔ جو یا تو ان کے عقیدت کیش تھے۔ یا چیلے تھے۔

گفا تو ایک ہی تھی اور اس میں دھرمپال رہتے تھے۔ لیکن اس کے ادھر ادھر خس پوش مکانوں کا سلسلہ دور تک پھیلتا چلا گیا تھا۔ ان میں سے بعض میں سادھو رہتے تھے اور بعض مہمانوں کے لیے خالی تھے۔ مگر صاف ستھرے پڑے رہتے تھے۔

راجکماری کے ساتھ دو ترکوں کو دیکھ کر تمام سادھو اور خود دھرمپال نہایت حیران ہوئے۔ ان کا ارادہ ہوا کہ وہ ترکوں کو اسی وقت رخصت کر دیں۔ لیکن راجکماری نے ڈاکوؤں کے حملہ کرنے اور دونوں کے عین وقت پر آ کر انہیں بچانے کی مفصل داستان سنائی۔ جس کا یہ اثر ہوا کہ دھرمپال انہیں مہمان رکھنے پر آمادہ ہو گئے۔

چونکہ رات زیادہ آ گئی تھی۔ اس لیے سب کھانا کھا کر سو رہے۔ صبح سویرے اٹھ کر دونوں ترکوں نے وضو کیا۔ ایک نے اذان دینی شروع کی۔

ہندوؤں نے کبھی اذان کی آواز کاہے کو سنی تھی۔ نہایت حیران ہوئے چندر موہنی اور

اس کی سہیلیوں اور کنیزوں کی بھی آنکھ کھل گئی۔ انھوں نے بھی نہایت حیرت اور دلچسپی سے سنا۔ بلکہ چندر موہنی تو اٹھ کر باہر نکل آئی۔ اس نے دیکھا دھرمپال بھی گفا سے باہر کھڑے ہوئے ہیں۔ چندر موہنی نے پوچھا "گرو جی مہاراج یہ کیسی آواز ہے۔

دھرمپال نے جواب دیا "بیٹی! یہ دونوں ترک مسلمان ہیں۔ اپنے طریقہ پر عبادت کر رہے ہیں۔

چندر موہنی۔ کیسی دلکش آواز ہے اور کیسے دل کش الفاظ ہیں۔ جو یہ ادا کر رہے ہیں کس زبان کے الفاظ ہیں یہ؟

دھرمپال:۔ بیٹی! یہ عربی زبان کے الفاظ ہیں عربی نہایت شیریں زبان ہے۔ کیا تو سننا چاہتی ہے یہ کیا کہہ رہا ہے۔

چندر موہنی:۔ ہاں اگر آپ سمجھتے ہیں۔ تو ضرور سنائیے۔

دھرمپال:۔ میں عربی اور ترکی زبانیں خوب جانتا ہوں بیٹی! اس نے کہا ہے"
یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے۔

چندر موہنی:۔ اور وہ خدا کہاں ہے؟

دھرمپال:۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ خدا ہر جگہ ہے۔ آسمانوں پہ بھی زمین پر بھی سیاروں میں بھی۔ مسلمان کہتے ہیں کہ ان کے نبی صلعم پر خدا کا کلام نازل ہوا ہے۔ جسے وہ قرآن شریف کہتے ہیں قرآن شریف کی سب سے پہلی سورۃ میں لکھا ہے۔

یعنی تمام تعریفیں اسے سزاوار ہیں۔ جو عالموں یعنی دنیاؤں کا رب ہے۔ وہ بڑا مہربان ہے اور نہایت رحم والا ہے"۔

چندر موہنی:۔ بڑا اچھا کلام ہے یہ تو

دھرمپال:۔ مسلمانوں کے پاس یہ کلام ہی ایسا جادو ہے۔ جس سے وہ دوسروں کو مسلمان بنا لیتے ہیں۔ اچھا میں بھی پوجا کروں گا۔ بیٹی!

دھرمپال چپ ہو گئے۔ چندر موہنی بھی چلی گئی۔ دونوں ترکوں نے نماز پڑھی اور قرآن شریف کی تلاوت میں مشغول ہو گئے۔

جب سورج نکل آیا تو چندر موہنی دھرمپال کی گفا میں داخل ہوئی۔ اس نے دیکھا کہ دونوں ترک آہستہ آہستہ دھرمپال سے گفتگو میں مشغول ہیں اور کسی ایسی زبان میں گفتگو کر رہے

ہیں۔ جسے اس نے کبھی نہ سنا تھا اور جس کا ایک لفظ بھی اس کی سمجھ میں نہ آیا۔

چندر موہنی کو دیکھتے ہی انہوں نے گفتگو بند کر دی۔ دونوں ترک اٹھ کر چلے گئے۔ دھرمپال نے کہا: "آؤ بیٹی!"

چندر موہنی بڑھ کر ان کے پاس جا بیٹھی۔ گفا نہایت وسیع تھی۔ اس میں کثرت سے روشن دان تھے کہ ہوا اور روشنی خوب آتی تھی اور گفا کا چپہ چپہ روشن رہتا تھا۔

دھرمپال نے کہا: "یہ ترک اگرچہ غازی محمود کے لشکر کے سپاہی ہیں۔ لیکن ہندوستان میں سیاحت کرتے پھر رہے ہیں۔ اس وقت انہوں نے لشکر سے اپنا تعلق علیحدہ کر لیا ہے۔ بتاؤ تم کیسے آئی ہو بیٹی؟"

چندر موہنی: مجھے بہت کچھ کہنا ہے۔ میں بہت پریشان ہوئی۔ اطمینان قلب اور سکون دل حاصل کرنے کے لیے آپ کے پاس آئی ہوں۔

دھرمپال: میں نے رات ہی تمہارا چہرہ دیکھ کر اندازہ کر لیا تھا کہ تم بہت زیادہ غمگین اور بہت زیادہ بے چین ہو۔ مجھے خیال ہوا تھا کہ شاید ڈاکوؤں کے حملہ کا یہ اثر ہے۔ لیکن معلوم ہوا کوئی خاص بات ہے۔ کہو وہ کیا ہے جو تمہیں کہنا ہے۔

چندر موہنی: میں پوچھتی ہوں کیا میں راجکماری نہیں ہوں۔

دھرمپال چونک پڑے۔ انہوں نے کہا: "تمہیں کیسے یہ بات معلوم ہوئی؟"

چندر موہنی: آپ شوبھا دیوی جوگن کو جانتے ہیں؟

دھرمپال: اسی لیے وہ متھرا جی چلی گئی ہے۔ اس نے بڑی نادانی کی۔

چندر موہنی نے مغموم ہو کر پوچھا: "تو کیا یہ سچ ہے گرو جی مہاراج! کیا میں حقیقت میں راجکماری نہیں ہوں۔"

دھرمپال: میں جھوٹ نہ بولوں گا۔ بیٹی! یہ سچ ہے۔ لیکن تم فکر و اندیشہ نہ کرو۔ تم راجکماری ہو اور راجکماری ہی ہو گی۔

چندر موہنی: یہ بات مہاراجہ اور مہارانی کو بھی معلوم ہے۔

دھرمپال: ہاں معلوم ہے۔ لیکن وہ تمہیں اپنی بیٹی سے زیادہ چاہتے ہیں۔

چندر موہنی: مہاراج! پھر میں کس کی بیٹی ہوں۔ میرے والدین کون ہیں۔ کہاں رہتے ہیں؟

دھرمپال کچھ افسردہ ہو گیا۔ اس نے غمگین نگاہوں سے چندر موہنی کو دیکھ کر کہا۔

"وہ ممکن ہے۔ یہ باتیں تمہیں ایک دن از خود معلوم ہو جائیں۔"

چندر موہنی: لیکن آپ میرے والدین کو جانتے ہیں۔

دھرمپال: جانتا ہوں۔ مگر بتا نہیں سکتا۔ میرے ہونٹوں پر مہر لگی ہوئی ہے۔

چندر موہنی نے پیکر عجز و نیاز بن کر کہا: "بتا دیجیے۔ گرو جی مہاراج بتا دیجئے۔ مجھے اپنے والدین کے دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہو گیا ہے۔"

دھرمپال: صبر کرو۔ بیٹی صبر کرو۔ وہ وقت بہت قریب آ گیا ہے جب تم اپنے والدین کو مل جاؤ گی۔ وہ تمہیں اپنی آغوش میں لیں گے اور تم اپنی ماں کی گود کا سکون حاصل کرو گی۔ تمہاری زندگی کے راز سے جو پردہ اٹھے گا۔ وہ دنیا جہان کو حیرت میں ڈال دے گا۔

چندر موہنی نہایت حیران ہو رہی تھی۔ اس نے کچھ کہنا چاہا۔ دھرمپال نے کہا: "میں تمہارا گرو ہوں۔ میرے حکم کی تعمیل تمہارا فرض ہے۔ میں حکم دیتا ہوں تم چند روز خاموش رہو۔ تم یہی سمجھو کہ راجکماری ہو اور یہ ظاہر نہ ہونے دو کہ تمہیں یہ بات معلوم ہو گئی ہے کہ تم راجکماری نہیں ہو۔"

چندر موہنی: میں اس حکم کی تعمیل کروں گی لیکن ایک اور مصیبت مجھ پر نازل ہونے والی ہے۔

دھرمپال: وہ کیا میری بیٹی۔

چندر موہنی: کیا آپ نے نہیں سنا۔ میری شادی کے متعلق۔

دھرمپال: سنا ہے۔ لیکن یہ شادی ہرگز نہ ہو گی۔ کبھی نہیں ہو سکتی۔

دھرمپال کو کچھ جوش آ گیا تھا۔ چندر موہنی دیکھ کر حیران رہ گئی۔ کچھ وقفہ کے بعد اس نے کہا: "مگر تمام تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں۔"

دھرمپال —— ہونے دو۔ دھرمپال کی بات ٹالنے کی مہاراج جرأت نہیں کر سکتے۔ میں دو چار روز ہی میں ان کے پاس جاؤں گا اور یہ شادی رک جائے گی۔ تم اطمینان رکھو۔

چندر موہنی —— اب مجھے اطمینان ہو گیا۔ اچھا اب واپس جانے کی آگیا (اجازت) دیجیے۔

دھرمپال —— آج نہیں۔ کل جانا۔

"بہت اچھا" کہہ کر چندر موہنی گفا سے نکل آئی۔ اس وقت اس کے چہرہ سے اطمینان اور سکون ظاہر ہو رہا تھا۔ اداسی اور غمگینی کے جو بادل اس کے رخ روشن پر امنڈ آئے تھے، وہ چھٹ گئے تھے اور اب اس کا چاند سا چہرہ پھر جگمگانے لگا تھا۔

خوشی اور اطمینان قلب ایسی چیزیں ہیں جن کا اثر چہرہ کو خوب صورت بنا دیا کرتا ہے۔

شام کے وقت چندر موہنی تنہا چشمہ کے کنارہ کنارہ تفریح کرتی چلی جا رہی تھی کہ اس نے ایک ترک کو نرم نرم گھاس پر لب ساحل بیٹھے دیکھا۔

یہ وہی ترک تھا جو اس ملک کی زبان جانتا تھا۔ چندر موہنی کو دیکھتے ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ راجکماری نے اسے غور سے دیکھا اور شرما کر کھڑی ہو گئی۔ ترک نے کہا۔

"راجکماری! کیا میں آپ کا نام معلوم کرنے کی جرأت کر سکتا ہوں؟"

چندر موہنی نے ہو شربا نگاہیں اٹھا کر ترک کو دیکھتے ہوئے شرمیلے لہجہ میں کہا۔

"میرا نام چندر موہنی ہے۔" ترک، کیسا پیارا نام ہے۔

چندر موہنی اور بھی شرما گئی اس نے پوچھا "آپ کا نام کیا ہے؟"

ترک ـــــ مجھے ہارون کہتے ہیں۔

چندر موہنی ـــــ آپ سیاحت کرنے کی غرض سے آئے ہیں۔

ہارون ـــــ ہندوستان واقعی ایسا ملک ہے کہ اس کی سیاحت کی جائے۔

چندر موہنی ـــــ آپ سومنات جی چلیے۔ وہاں کی بھی سیاحت کیجئے۔

ہارون ـــــ ممکن ہے کسی وقت سومنات جی بھی آسکوں۔ اس وقت مجھے واپس جانا ہے غازی سلطان محمود۔ ہندوستان میں پھر آرہے ہیں۔ ان کی خدمت میں حاضر ہونا ہے۔

چندر موہنی ـــــ اب ان کا کس ملک پر حملہ کرنے کا ارادہ ہے؟

ہارون ـــــ اسے وہی خوب جانتے ہیں۔

چندر موہنی ـــــ آپ نے ہم پر احسان کیا ہے ہم آپ کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔

ہارون ـــــ کسی کی مدد کرنے کو احسان کرنا نہیں کہتے۔ آپ ۔ روز اور قیام کر   گی؟

چندر موہنی ـــــ میرا ارادہ تو آج ہی واپس جانے کا تھا۔ لیکن گرو مہاراج نے روک لیا تم یہاں کب تک رہو گے؟

اسی وقت دھرمپال آگئے انھوں نے خوش ہو کر کہا "او ہو دونوں مہمان باتیں کر رہے ہیں۔ بڑی خوشی کی بات ہے۔ راجکماری! ابھی مہاراج کا قاصد آیا ہے۔ انھوں نے مجھے طلب کیا ہے صبح تمہارے ساتھ میں بھی چلوں گا۔"

چندر موہنی نے خوش ہو کر کہا "بڑا اچھا ہوا یہ تو"

اب یہ تینوں باتیں کرنے لگے اور دوسرے روز صبح ہی چندر موہنی اور دھرمپال سومنات کی طرف اور ہارون اپنے ساتھی کے ساتھ اجمیر کی جانب روانہ ہو گئے۔

مشورہ

سومنات میں گھر بل چل مچی ہوئی تھی۔ ہر شخص کی زبان پر غازی سلطان محمود کا نام تھا۔ سب یہی کہتے تھے کہ اس مرتبہ یہ بجلی سومنات پر ہی ٹوٹ کر گرنے والی ہے۔ برہمن خائف تھے اور عام نہری سہمے ہوئے تھے۔

ہم ۴۱۵/۱۰۲۴ھ کے واقعات قلم بند کر رہے ہیں۔ اس زمانہ میں غازی سلطان محمود کا ہندوستان پر سولہواں حملہ تھا۔

غازی سلطان محمود امیر سبکتگین کا بیٹا تھا۔ نہایت بہادر بڑے نڈر اور جنگجو تھے۔ ان کے عہد میں پشاور میں راجہ جے پال کی حکومت تھی اور راجہ کا دارالسلطنت لاہور تھا۔ یہ راجہ غازی سلطان محمود کے باپ امیر سبکتگین سے کئی لڑائیاں لڑ چکا تھا اور ہر لڑائی میں شکست کھائی تھی۔

جب امیر سبکتگین کا انتقال ہوا اور غازی سلطان محمود سریر آرائے تخت سلطنت ہوئے تو جے پال نے انہیں نوعمر اور ناتجربہ کار سمجھ کر ہاتھ پاؤں نکالے تمردی اور سرکشی کی سلطان محمود نے اس کی سرکوبی کے لیے ۳۹۱/۱۰۰۱ھ میں اس پر حملہ کیا۔

ہندوستان کے بہت سے راجاؤں نے جے پال کی مدد کی لیکن ہندوؤں کو شکست ہوئی۔ ہندوستان پر غازی سلطان محمود کے حملہ کرنے کی بنا ئے مخاصمت یہی تھی۔

اس لڑائی کے بعد سلطان نے ان راجاؤں پر انتقامانہ حملے کیے جنھوں نے راجہ جے پال کو مدد دی تھی اور چونکہ ہر لڑائی میں راجہ ایک دوسرے کی مدد کرتے رہے۔ اس لیے سلطان ہر مددگار راجہ پر یکے بعد دیگرے یورشیں کر کے ان کی تادیب کرتے رہے۔

یہ بات کہ سلطان محمود نے ہندوستان پر لوٹ مار کی غرض سے حملے کیے قطعی غلط اور بالکل جھوٹ ہے۔ عیسائی مورخوں نے اس جھوٹ کو فروغ دیا ہے اور ہندو جن کی اپنی کوئی تاریخ

نہیں ہے۔ من گھڑت واقعات بیان کر کے سلمانوں پر غلط الزام لگاتے ہیں۔

دراصل اس زمانہ کے اکثر راجہ نہایت مکار اور جھوٹے تھے۔ جب ان پر زد پڑتی تھی اور وہ زچ ہو جاتے تھے۔ تو طرح طرح کے قول و قرار کر لیتے تھے۔ لیکن جب سلطان واپس چلے جاتے تھے تو تمام عہد و اقرار سے پھر جاتے تھے۔

راجہ جے پال نے کئی مرتبہ مسلمانوں سے شکست کھائی۔ خراج دینے اور مسلمانوں پر ظلم و ستم نہ کرنے کا ہر مرتبہ اقرار کیا۔ لیکن مسلمانوں کے منہ پھیرتے ہی بد عہدی کرنے لگتا تھا۔ مسلمانوں نے کبھی اس کے ملک پر قبضہ کرنے کا خیال بھی نہ کیا۔ ہر مرتبہ اس پر حملہ کیا اور اس کے قول و قسم پر اعتبار کر کے اس کا ملک اس کے قبضہ میں چھوڑ کر چلے گئے۔

یہی حال دوسرے راجاؤں کا تھا۔ ان بد سرشت اور بد عہد راجاؤں کو تنبیہ کرنے کے لیے غازی سلطان محمود کو ہندوستان پر بار بار حملے کرنے پڑے انہوں نے سترہ حملے کیے اور ہر حملے میں فتح یاب ہوئے مشرق میں قنوج تک اور جنوب میں گجرات تک ہندوستان کو کھنگال ڈالا۔ جس راجہ پر حملہ کیا۔ اسے زیر کر کے ہی چھوڑا۔

لیکن سلطان نے ہندوستان پر مستقل سلطنت کرنے کا کبھی ارادہ نہیں کیا۔ شہروں پر شہر اور قلعوں پر قلعے فتح کر کے ان کے مالکان ہی کو واپس کر دیئے۔

غرض ۴۱۶ھ میں سلطان کا سولہواں حملہ تھا اور یہی وہ حملہ تھا۔ جس نے سلطان کو دنیا بھر میں مشہور کر دیا اور ان کا یہی ایک کارنامہ ان کے بقائے نام کا باعث بنا ہوا ہے۔ اور مسلمان کا بچہ بچہ بھی انہیں جانتا ہے۔

سومنات والے خوف و دہشت سے لرز رہے تھے اور ان راجاؤں کو گالیاں دے رہے تھے۔ جنہوں نے اپنی کمینہ حرکتوں سے سلطان محمود کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت دی تھی۔

سومنات کا متولی یعنی مہاراجہ بھی کچھ کم خائف نہ تھا۔ اس نے آنے والے طوفان کا مقابلہ کرنے کے لیے دربار خاص میں مشورہ کرنے کا اعلان کر دیا تھا۔ دھرپال کو اس دربار کی شرکت کے لیے ہی طلب کیا گیا تھا۔

دربار منعقد ہوا۔ وزیر، مشیر، امیر اور سومنات کا مہا پجاری سب آکر درجہ بدرجہ بیٹھ گئے۔ دھرپال بھی آگئے۔ اب مہاراجہ نے وزیر بلادل کی طرف دیکھا۔

مہاراجہ ادھیڑ عمر کا قوی الجثہ بہادر شخص تھا وہ صرف ایک ریشمین دھوتی کسے ہوئے تھا، باقی بدن ننگا تھا۔ اس نے بے شمار ہیرے جواہرات کے بڑے چھوٹے ہار پہن رکھے تھے۔ چاندی کے دستانے کہنیوں تک چڑھا رکھے تھے۔ جن میں سونے اور جواہرات سے پچکاری ہو رہی تھی بازوؤں پر سونے کے بازو بند باندھ رکھے تھے۔ جن میں جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ سر پر سونے کا تاج تھا۔

مہاراجہ نے کہا آپ سب نے سن لیا ہو گا کہ سلطان آندھی اور طوفان کی طرح بڑھا چلا آ رہا ہے اگرچہ یہ کوئی نہیں جانتا کہ اس کا ارادہ کس ملک اور کس شہر پر حملہ کرنے کا ہے۔ مگر جاسوسوں کی اطلاعات سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ شاید اس کا طوفان سومنات پر ہی آ کر ٹوٹے۔ اگر اس نے اس مقدس مقام پر حملہ کیا تو مسلمانوں کے نجس قدموں سے یہ پوتر استھان (مقدس جگہ) ناپاک ہو جائے گا اور نہیں کہا جا سکتا کہ انجام کیا ہو؟ عقل مند وہی ہے۔ جو مصیبت یا بلا نازل ہونے سے پہلے اس کے دفعیہ کی تدبیر سوچ لے۔ اس لیے آپ مشورہ دیں کہ سومنات کو بچانے کے لیے کیا تدابیر اختیار کی جائیں؟

وزیر نے کہا: "چونکہ سومنات کی عزت و عظمت ہندوستان کے ہر راجہ کے دل میں ہے۔ اس لیے وہ خود اس مقدس مقام کو بچانے کے لیے چڑھ دوڑیں گے اور اس قدر لشکر یہاں جمع ہو جائے گا کہ سلطان محمود کو حملہ کرنے کا حوصلہ ہی نہ ہو گا اور اگر اس نے اپنی طاقت کے زعم میں یا پہلی فتوحات کے بل پر ہم پر حملہ کر بھی دیا تو اس کے لشکر کے ٹکڑے اڑا دیئے جائیں گے اور اس سے تمام شکستوں کا انتقام لے لیا جائے گا۔"

مہا پجاری ـــ میں کہتا ہوں ہمیں فکر و اندیشہ ہی نہ کرنا چاہیئے۔ سومنات جی اور دیوتاؤں کی طرح نہیں ہیں۔ اس پاک سر زمین میں مسلمانوں کے قدم رکھتے ہی وہ غضب ناک ہو کر انہیں بھسم کر ڈالیں گے۔ ہمیں ان کی قوت پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔ کیا وہ اپنے پجاریوں کو ذلیل و خوار ہونے دیں گے۔ کیا سومنات کا خوب صورت شہر اور مضبوط قلعہ دشمنوں کے قبضہ میں جانے دیں گے۔ اطمینان رکھیے ہرگز ایسا نہ ہو گا۔ جوں ہی مسلمانوں نے اس طرف رخ کیا اور ان پر دیوتا کا قہر و غضب ٹوٹا۔

اس وقت چند پجاری داخل ہوئے اور انہوں نے کہا: "مہاراج آج ابھی تک گنگا جل نہیں آیا اور سومنات جی کا اشنان نہیں کرایا جا سکا۔ برہمن اس وقت بنا ان جل کیے بیٹھے ہیں۔"

اگرچہ سومنات سے گنگا چھ سو کوس کے فاصلہ پر تھی۔ لیکن انتظام ایسا کیا گیا تھا کہ روزانہ گنگا جل آتا تھا اور اس سے سومنات کے بت کو روزانہ[1] غسل دیا جاتا تھا۔

سومنات میں دو ہزار پنڈے یا پجاری تھے اور یہ پنڈے اس وقت کھانا کھاتے تھے۔ جب سومنات کو غسل دیا جا چکا تھا۔

مہا پجاری نے حیرت بھرے لہجہ میں کہا "اب تک گنگا جل نہیں آیا اور اس وقت تک سومنات جی کو غسل نہیں دیا گیا۔ کیوں ایسا ہوا۔ یہ تو بڑی بدشگونی ہے۔"

مہاراجہ ـــــ افسوس پنڈے ابھی تک بھوکے بیٹھے ہیں۔ گنگا جل آنے میں دیر کیوں ہوئی پہلے تو ایسا کبھی نہیں ہوا۔

مہا پجاری ـــــ ہاں پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔ دن چھپنے سے پہلے ہی جل آجاتا تھا۔ اس کی تحقیقات ہونی چاہیے ضرور اس میں کسی کی شرارت ہے۔ کسی بدسرشت راجہ کی۔

سومنات کو غسل رات کے وقت دیا جاتا تھا۔ یہ دربار بھی رات ہی کو ہوا تھا۔

اس وقت چند پنڈے آئے انہوں نے کہا "ان داتا جل آگیا ہے اور دیوتا سومنات جی کو غسل دیا جانا شروع ہو گیا ہے۔"

مہاراجہ ـــــ لیکن جل آنے میں دیر کیوں ہوئی؟

پنڈے ـــــ ان داتا جل لانے والوں پر ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا تھا۔ لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ یہ لوگ دیوتا سومنات جی کے غسل کے لیے گنگا جل لے جا رہے ہیں۔ تب انہوں نے راستہ دیا اور جل والے جل لے کر آ گئے۔

مہاراجہ نے بگڑ کر کہا "ان بدبخت ڈاکوؤں کو سزا دینا ضروری ہے۔ لیکن ابھی نہیں۔ پہلے سلطان محمود کو دیکھ لیں کہ وہ کس ملک پر حملہ کرتا ہے۔ دھرمپال جی آپ کیوں خاموش ہیں۔ آپ کیوں کچھ نہیں بولتے؟"

دھرمپال نے کہا "مجھے معلوم ہوا ہے کہ سلطان محمود کا قصد سومنات پر ہی حملہ کرنے کا ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ ہمیں دفعیہ کے لیے کیا تدابیر اختیار کرنی چاہئیں۔"

دھرمپال کی گفتگو سن کر تمام لوگ چونک پڑے۔ مہاراجہ بھی حیران ہوئے۔ اس نے پوچھا

---

[1] از تاریخ ہندوستان جلد اول صفحہ ۲۸۔

"آپ کو اس کی تصدیق کیسے ہوئی؟"

دھرمپال نے جواب دیا "میرے پاس دو ترک آئے تھے۔ وہ دونوں سلطان محمود کے لشکر سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ سلطان سومنات پر حملہ آور ہو رہا ہے۔

مہاراجہ ـــــ لیکن آپ نے انہیں گرفتار کیوں نہ کر لیا؟

دھرمپال ـــــ میں انہیں اس لیے گرفتار نہ کر سکا کہ انہوں نے مہاراجہ اور سومنات کی ساری رعایا پر ایک زبردست احسان کیا تھا۔ وہ احسان یہ تھا کہ راجکماری پر ڈاکوؤں نے حملہ کیا۔ راجکماری کے محافظ یا تو مارے گئے یا بھاگ گئے۔ ان دونوں نوجوانوں نے ڈاکوؤں کو شکست دی اور راجکماری کو ان کے چنگل سے چھڑایا۔

مہاراجہ ـــــ لیکن ڈاکوؤں کو یہ جرأت کیسے ہوئی کہ انہوں نے راجکماری پر ہاتھ ڈالا۔

دھرمپال ـــــ وہ پیشہ ور ڈاکو نہ تھے۔ بلکہ جنگل کے قریب جو شوالہ ہے۔ اس کے پجاری اور پنڈے تھے۔

اس بات کو سن کر تمام درباری نہایت حیران ہوئے اور غضب ناک ہوئے۔ مہاراجہ کو بھی بڑا طیش آیا۔ انہوں نے کہا "ان کم بختوں کو سزا ئے قتل کیا جائے گا۔"

دھرمپال ـــــ اب ان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں ہے۔ سب مارے جا چکے ہیں۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ سلطان محمود کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمیں پوری تیاریاں کرنی چاہئیں۔ تمام راجاؤں کو اطلاع کر دینی چاہیئے کہ وہ اس مقدس مقام کو بچانے کے لیے زیادہ سے زیادہ لشکر لے کر آئیں۔

مہاراجہ ـــــ نہایت مناسب بات کہی آپ نے اس وقت دعوت نامے لکھے جائیں۔

چنانچہ دعوت نامے لکھے گئے اور اسی وقت قاصدوں کے حوالے کر کے انہیں روانہ کر دیا گیا۔ مہاراجہ نے حکم دیا کہ فوجیں فصیلوں پر چڑھا دی جائیں اور ہر وقت قلعہ کی حفاظت و نگرانی کرتے رہیں۔

جب یہ احکام صادر ہو چکے تب دھرمپال نے مہاراجہ کے پاس جا کر سرگوشی کے لہجہ میں کہا "ان داتا جب تک اس جنگ کا تصفیہ نہ ہو جائے۔ اس وقت تک راجکماری کی شادی ملتوی رکھیے۔"

مہاراجہ ـــــ ملتوی تو رکھنی ہی پڑے گی کیونکہ اس ہنگامہ میں شادی کا انتظام نہیں ہو سکتا۔
اس کے بعد دربار برخاست ہو گیا اور تمام درباری اور راجہ اٹھ اٹھ کر چلے گئے۔

یہاں پہنچ کر انہیں معلوم ہوا کہ غازی سلطان محمود کا لشکر ایک ہی دو روز میں ملتان آنے والا ہے چونکہ انہوں نے لمبا سفر طے کیا تھا۔ اس لیے تھک گئے تھے۔ دونوں ملتان میں ہی ٹھہر گئے اور تکان دور کرنے لگے۔

۱۵ اکتوبر ۱۰۲۵ء کو سلطانی لشکر ملتان میں آ گیا تقریباً پچیس ہزار سوار و پیادے تھے۔ جس میدان میں یہ لشکر فروکش ہوا۔ وہ نہایت وسیع تھا۔ لیکن اس لشکر سے تمام میدان ڈھک گیا۔ ایک روز صبح کی نماز پڑھتے ہی ہارون خیمہ سلطان پر حاضر ہوا اور باریابی کی اجازت چاہی۔

خدا جانے ان کے نام میں کیا اثر تھا کہ سلطان نے انہیں فوراً طلب کر لیا ہارون داخل ہوئے اور انہوں نے نہایت ادب سے سلطان کو سلام کیا۔

جس خیمہ میں سلطان بیٹھے تھے نہایت کشادہ اور شاندار تھا۔ قالینوں کا فرش بچھا ہوا تھا۔ اس میں ایک طرف ہندوستان کے نقشے لٹک رہے تھے اور دوسری طرف ہتھیار آویزاں تھے۔

اگرچہ سلطان بوڑھے تھے ان کی عمر ستاون سال کے قریب تھی لیکن ان کے قویٰ نہایت مضبوط تھے۔ چہرہ سے جلال و جوانمردی کے آثار ظاہر تھے۔

چونکہ وہ اس عمر میں بھی ورزش کرتے رہتے تھے اس لیے جسم ڈھیلا نہیں ہونے پایا تھا۔ بلکہ گٹھیلا تھا چہرہ پژمردہ بھی نہ تھا۔ بلکہ سلطان کے جسم اور چہرہ کو دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ ان کی عمر پینتالیس سال سے زیادہ ہے۔

ان کی داڑھی لمبی اور سفید تھی۔ پیشانی سے اقبال مندی اور آنکھوں سے ذہانت ٹپک رہی تھی۔ اس وقت سلطان کے پاس التونتاش کا سالار اعظم اور امیر علی خویشاوند سپہ سالار بیٹھے تھے۔ ہارون کو دیکھتے ہی سلطان نے مسکرا کر کہا "آ گئے تم فرزند ہارون۔"

ہارون نے ادب سے جواب دیا۔ عالم پناہ میں حاضر ہو گیا ہوں۔"

سلطان ـــــ بیٹھ جاؤ۔ کیا تم دہرپال سے ملے تھے۔

ہارون ایک طرف بیٹھ گئے۔ انہوں نے جواب دیا۔ اعلیٰ حضرت کے اقبال سے میں ان

سے ملا شاہی مراسلہ انہیں دے دیا گیا۔"

سلطان ـــــ اور انہوں نے کوئی جواب دیا۔

ہارون ـــــ جی ہاں۔

ہارون نے ایک خریطہ پیش کیا۔ التونتاش نے خریطہ کھول کر خط نکالا۔

سلطان نے اسے پڑھا اور مسکرائے۔ انہوں نے کہا۔ ہندوؤں کو سومنات سے بڑی عقیدت ہے۔ شاید ہندوستان کے تمام راجہ مقابلہ پر آ جائیں۔"

التونتاش ـــــ تب تو بڑے اندیشہ اور فکر کی بات ہے۔

سلطان نے جوش میں آ کر کہا۔ "کیا فکر اور کیا اندیشہ۔ کیا پشاور کی مہم میں[۱] جے پال کا ساتھ راجاؤں نے نہ دیا تھا۔ کیا بھٹنیر میں راجہ بجے رائے کی دوسرے راجاؤں نے مدد نہ کی تھی۔ کیا نگر کوٹ میں[۲] انند پال کا ساتھ نہ دیا گیا تھا۔ تھانیسر میں کچھ راجہ جمع ہوئے تھے۔ متھرا[۳] میں راجہ کل چند کی مدد کتنے راجاؤں نے کی تھی۔ قنوج[۴] کے راجہ کا لنجر[۵] کی مدد کو کتنے راجہ آئے تھے۔ کیا خدا نے ہر مہم میں ہماری مدد نہیں کی۔ کیا ہم ہر حملہ میں فتح یاب نہیں ہوئے یاد رکھو فتح طاقت اور لشکر کی کثرت پر منحصر نہیں ہے بلکہ خدا کی امداد اور اعانت پر مبنی ہے۔ میں نے کبھی کسی مہم میں اپنے لشکر پر بھروسہ نہیں کیا۔ ہمیشہ خدا کی مدد پر نظر رکھی اور خدا نے میری مدد کی۔ اب بھی اس کی اعانت کے بھروسہ پر آیا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ خدا مجھے آخری وقت میں ذلیل و رسوا نہ کرے گا۔ میں اسلام کا علم بردار ہوں۔ اسلام کا ادنیٰ اور سچا خادم ہوں۔ خدا کا فرمانبردار اور اطاعت گزار ہوں۔ وہ ضرور میری مدد کرے گا اور دشمنوں پر فتح یاب ہوں گا۔

امیر علی ـــــ انشاء اللہ۔ انشاء اللہ

التونتاش ـــــ بے شک خدا نے ہر مہم میں جہاں پناہ کی مدد کی ہے اور یقین کامل ہے وہ اب بھی مدد کرے گا۔ میرا اندیشہ دور اندیشی کی وجہ سے تھا۔

---

[۱] از تاریخ فرشتہ جلد اول۔

[۲] ۳۹۱ھ میں ہندوستان پر دوسرا حملہ تھا [۳] یہ تیسرا حملہ تھا جو ۳۹۵ھ میں کیا گیا تھا۔

[۴] یہ چھٹا حملہ تھا جو ۳۹۸ھ میں کیا گیا [۵] ۴۰۲ھ میں یہ دسواں حملہ کیا گیا [۶] ۴۰۷ھ میں یہ بارہواں حملہ تھا [۷] یہ حملہ ۴۰۸ھ میں کیا گیا تھا [۸] یہ پندرہواں حملہ تھا جو ۴۱۲ھ میں کیا گیا تھا۔

سلطان ـــــ سپاہی کو دور اندیشی سے کیا مطلب۔ مجاہد کا کام جہاد کرنا ہے۔ خدا کی قسم میں جہاد ہی کے لیے ہندوستان پر حملے کرتا رہا ہوں۔ مال غنیمت کا تو مجھے کبھی خیال ہی نہیں ہوا یہ دوسری بات ہے کہ خدا نے فتح بھی دی اور مال غنیمت بھی عطا کیا۔

ہارون ـــــ اگر خدا نے چاہا تو سومنات بھی فتح ہوگا اور اس کی فتح ہندوستان میں اسلام کا جھنڈا گاڑ دے گی۔ مسلمانوں کا رعب ہندوؤں کے دلوں پر بیٹھ جائے گا اور سلطان کو وہ شہرت حاصل ہوگی جو آج تک کسی سلطان کو نصیب نہیں ہوئی۔

التونتاش ـــــ خدا تیری زبان مبارک کرے۔

سلطان ـــــ ہارون! کیا یہ ٹھیک ہے کہ راستہ دشوار گزار ہے۔

ہارون ـــــ میں خود اس راستے سے گیا اور آیا ہوں نہایت کٹھن [illegible] ہے۔ ملتان سے اجمیر تک تین سو پچاس میل لق ودق میدان ہے۔ اس میدان میں پانی کا نام ونشان بھی نہیں ہے گرمی اس قدر پڑتی ہے کہ انسان تو انسان جانور تک بوکھلا جاتے ہیں۔ پانی کی قلت [illegible] کی گرانی۔ جلسوز [illegible] کمیابی جانوروں اور انسانوں کی ہلاکت کا باعث بن جاتی ہے۔

سلطان ـــــ فرزند! تو نے خوب کیا کہ مجھے باتیں پہلے ہی سے بتا دیں۔ ۳۵۰ میل لق ودق میدان ہے۔ اگر بیس میل روزانہ کے حساب سے سفر کیا جائے تو تقریباً ۱۸ دن میں یہ میدان طے ہو سکتا ہے۔ گویا بیس دن کا کھانا اور پانی لشکر کو لے لینا چاہیے۔

التونتاش ـــــ مگر جہاں پناہ۔ لشکر کے پاس اتنی سواریاں نہیں ہیں کہ وہ اتنے دنوں کا کھانا اور پانی ساتھ لے سکے۔

سلطان ـــــ میں جانتا ہوں۔ اچھا تم یہ بتاؤ کہ بار برداری کے اونٹ کتنے ہیں۔

التونتاش ـــــ بیس ہزار اونٹ ہیں۔

سلطان ـــــ تھوڑے ہیں کم سے کم دس ہزار اونٹ اور فراہم کرو۔

التونتاش ـــــ اتنے اونٹ ملتان میں ملنے مشکل ہیں۔

سلطان ـــــ کوشش کرو کچھ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ دوسرے مقامات سے مہیا کیے جائیں۔

امیر علی ـــــ پانچ ہزار اونٹ فراہم کر دینے کا تو میں وعدہ کرتا ہوں

التونتاش ـــــ تب پانچ ہزار میں فراہم کر دوں گا۔

سلطان ـــــ دیکھو اونٹ ظلم وجبر سے حاصل نہ کیے جائیں قیمت دے کر خریدے جائیں اور قیمت خزانہ عامرہ سے دلائی جائے۔

التونتاش ـــــ ایسا ہی ہوگا۔ ہم نے آج تک کوئی چیز یہ جبر نہیں لی ہے۔ بلکہ قیمتاً خریدی ہے۔

سلطان ـــــ اس کا خیال رکھنا اس لیے ضروری ہے کہ ہم غیر ملک میں اور غیر قوم میں سفر کر رہے ہیں۔ اگر ہم اس ملک والوں کو ناراض کر دیں تو ہماری راہ میں مشکلات پیدا کر دیں گے اس کے علاوہ خدا کا بھی یہی حکم ہے کہ رعیت کو ستایا نہ جائے۔ مسلمان فاتحین کا دستور رہا ہے ہمیں بھی ان کی ہی تقلید کرنی چاہیئے۔

التونتاش ـــــ ہم پہلے ہی سے ان باتوں کا خیال رکھ رہے ہیں۔

سلطان ـــــ اس امر کا بھی خیال رکھو کہ یہ بات ابھی لشکر پر بھی ظاہر نہ ہونے پائے کہ ہمارا ارادہ کس شہر پر حملہ کرنے کا ہے۔ کیونکہ اگر یہ بات ظاہر ہوگئی تو ہندوؤں میں ہیجان پیدا ہو جائے گا اور وہ ہر قدم پر ہماری مزاحمت کریں گے۔

التونتاش ـــــ اس کا بھی خیال رکھا جائے گا۔

سلطان ـــــ جو مہم ہمارے پیش نظر ہے۔ وہ نہایت اہم ہے۔ سومنات ہندوؤں کا بڑا تیرتھ گاہ ہے۔ سارے ہندوستان کے ہندوؤں کو اس سے عقیدت ہے۔ اس کی فتح آسان نہیں ہے۔ مگر میرا خدا پر تکیہ ہے۔ تم لشکر میں یہ اعلان کر دو کہ ہر سپاہی نماز کے بعد خدا سے فتح کی دعا مانگے۔

التونتاش ـــــ آج ہی اعلان کر دیا جائے گا۔

سلطان ـــــ اچھا اب تم اونٹوں کا انتظام کرو۔ اس عرصہ میں لشکر بھی سستا لے گا۔

چونکہ اب سلطان کو کچھ اور کہنا نہ تھا۔ اس لیے سب لوگ اٹھ کر چلے آئے اور سلطان کچھ سوچنے لگے۔

چوتھا باب

ایک حور وش نازنین

سلطانی لشکر تیس ہزار تھا اور یہ سب لوگ مجاہدین تھے۔ ان میں سے کسی کو بھی تنخواہ نہ ملتی تھی۔ البتہ ان کی رسد کا انتظام شاہی خزانہ سے کیا جاتا ہے۔

اس لشکر کے خیمے و خرگاہ قطار در قطار ریلیوں کے گرد ادھ میں پڑے تھے۔ ہارون اور ان کا دوست جوان کے ساتھ سومنات گیا تھا۔ دونوں فوجی سردار تھے ایک ایک ہزار سوار دونوں کی ماتحتی میں تھے ان کے دوست کا نام برہان تھا۔ اگرچہ دونوں اپنے اپنے لشکر کے ساتھ رہتے تھے۔ لیکن ایک دوسرے کے پاس اکثر آتے رہتے تھے۔ ان دونوں میں بڑی محبت تھی۔ ایک دوسرے پر جان چھڑکتے تھے اس لشکر کے ساتھ کچھ لوگ اپنے اہل وعیال کو بھی لائے تھے۔

التونتاش کی بیوی شمسہ اور اس کی نوجوان اور پری جمال بیٹی انیسہ بھی تھی۔ التونتاش برہان کا دور سے کچھ رشتہ دار بھی تھا۔ اس لیے برہان اکثر اس کے پاس آتا جاتا رہتا تھا۔ ایک روز وہ جب التونتاش کے خیمے پر اس سے ملنے گیا۔ تو اتفاق سے انیسہ کا سامنا ہو گیا۔

انیسہ نہایت شوخ اور بڑی منس مکھ لڑکی تھی۔ حسین اس قدر تھی۔ جو ایک دفعہ اسے دیکھ لیتا تھا دوبارہ دیکھنے کی آرزو کرتا تھا۔

اس کا چہرہ گول عارض چکنے اور گلابی تھے۔ آنکھیں سرمگیں بڑی بڑی اور حد درجہ دلکش تھیں۔ ناک ستواں اور نہایت موزوں تھی۔ ہونٹ نہایت پیارے سر کے بال باریک لمبے اور گھونگریالے تھے۔ وہ گیسو دراز کافرہ مشہور تھی۔ اس نے برہان کو دیکھا تھا۔ برہان پہلے بھی اسے دیکھ چکا تھا۔ وہ جب اس حور وش کو دیکھتا تھا۔ اس پر خود فراموشی طاری ہو جاتی تھی۔ اس وقت بھی اس ساحرہ کو دیکھ کر مسحور ہو گیا۔ انیسہ نے شوخی سے مسکرا کر کہا۔ "کیسے بھول پڑے آج ادھر۔"

برہان نے سنبھل کر کہا۔ "میں عمو جان کے پاس آیا تھا۔"

انیسہ ——— یہ تو میں جان گئی تھی۔ لیکن آنے کا سبب۔

برہان ——— کوئی خاص بات نہ تھی۔ محض سلام کرنے آیا تھا۔

انیسہ ——— آپ سومنات گئے تھے؟

برہان ——— ہاں گیا تھا۔

انیسہ ——— سنا ہے وہاں پریاں رہتی ہیں۔

برہان ——— پریاں .... میں نے نہیں دیکھیں۔

انیسہ نے مسکرا کر کہا۔ "تب تم بڑے خوش قسمت ہو۔"

برہان ——— لیکن ......

انیسہ نے متعجب ہو کر کہا۔ "لیکن" اور گھور کر دیکھا۔

برہان ——— ہاں وہ سومنات کے مہاراجہ کی راجکماری تھی۔

انیسہ ——— نہایت خوب صورت ہو گی۔

برہان ——— ہاں نہایت حسین و جمیل۔ بھائی ہارون تو اس کی تعریف کرتے نہیں تھکتے۔

انیسہ ——— اور آپ ....

اس نے برہان کے چہرہ پر اپنی خوب صورت نظریں گاڑ دیں۔ برہان نے اس کے آتش ناک رخساروں کو دیکھ کر کہا۔ میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ وہ خوب صورت تھی۔

لیکن ......

انیسہ ——— لیکن آپ کی نظروں میں کچھ زیادہ نہیں جچی۔

برہان ——— ہاں۔

انیسہ ——— کیوں

برہان ——— گستاخی معاف ہو تو عرض کروں۔

انیسہ ——— کہو۔

برہان ——— میری نگاہوں میں تمہارا حسن سمایا ہوا ہے۔

حور پر آنکھ نہ ڈالے کبھی شیدا تیرا

سب سے بیگانہ ہے اے دوست شناسا تیرا

انیسہ شرما گئی۔ لیکن اس کے چہرہ پر سرخی بکھر گئی۔ جس سے اس کی پیاری صورت اور بھی دلکش

ہو گئی۔ اس نے ایمان شکن شرمیلی نظریں اٹھا کر برہان کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اچھا اب آپ بنانے بھی لگے ہیں مجھے۔

برہان ـــــ قدرت نے جسے بے مثل بنایا ہو میں اسے کیا بنا سکتا ہوں۔ انیسہ تم نہیں جانتی ہو

انیسہ نے شوخی سے کہا۔ "میں سب کچھ جانتی ہوں۔ آپ کے دل کی بات بھی کہو تو بتا دوں۔

برہان ـــــ جب تم دل میں گھر کر لیتی ہو تو دل کی بات بھی ضرور جانتی ہو گی۔ لیکن بتاؤ۔

انیسہ ـــــ آپ بھی راجکاری کے مداح ہیں۔

برہان ـــــ نہیں۔ بخدا نہیں۔ میں تمہارا مداح ہوں انیسہ! میں نے بھائی ہارون سے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ راجکاری انیسہ کی برابر حسین نہیں ہے۔

انیسہ ـــــ گویا آپ نے مجھے بدنام کرنیکا ٹھیکہ لے لیا ہے۔

برہان ـــــ یہ مجھ سے غلطی ضرور ہوئی۔ جس بات کو میں ایک عرصہ سے اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھا وہ ظاہر ہو گئی میں معافی چاہتا ہوں انیسہ۔

انیسہ ـــــ اور آپ سے توقع ہی کیا تھی۔ کیجئے۔ مجھے خوب بدنام کیجئے۔

وہ خفا ہو گئی۔ برہان کی روح نکل گئی۔ اس نے بڑھ کر اس کا ہاتھ نہایت ملائمت سے پکڑا اور عاجزی کے لہجہ میں کہا۔ "معاف کر دو انیسہ! یہ غلطی اس وجہ سے ہوئی کہ بھائی ہارون نے راجکماری کی تعریف میں مبالغہ کیا۔ مجھ سے ضبط نہ ہو سکا۔"

انیسہ ـــــ لیکن انہوں نے کیا خیال کیا ہو گا۔

برہان ـــــ انہوں نے بھی شاید تمہیں دیکھا ہے۔ وہ قائل ہو گئے۔

انیسہ ـــــ جانتے ہیں آپ اس سے میری کس قدر رسوائی ہوئی۔

برہان ـــــ میں اس وقت نہ جان سکا۔ اب سمجھتا ہوں آیندہ ایسی غلطی نہ ہو گی۔

انیسہ ـــــ اگر آپ کی اس گفتگو کی اطلاع امی جان یا ابا جان کو ہو گئی تو۔ . . . .

برہان ـــــ اطمینان رکھو بھائی ہارون کو میں خوب جانتا ہوں وہ کسی سے اس بات کا ذکر نہ کریں گے۔

انیسہ ـــــ آپ نے اچھا نہ کیا۔ آیندہ احتیاط رکھیے۔

برہان ـــــ ضرور احتیاط رکھوں گا۔ خدا کا شکر ہے تم نے معاف کر دیا۔

انیسہ نے حیرت سے برہان کو دیکھ کر کہا۔ "میں نے کب معاف کیا ہے۔

برہان ـــــ آیندہ غلطی نہ کرنے کی ہدایت کر کے۔

انیسہ ـــــ خوب۔

برہان ـــــ تو کیا ابھی خفا ہو۔ مجھے منانا بھی آتا ہے انیسہ

انیسہ ـــــ جی کیوں نہیں۔

برہان ـــــ اچھا تو دیکھیے۔

اس نے انیسہ کا ہاتھ مضبوط پکڑا۔ وہ سمجھ گئی۔ اس نے مسکرا کر کہا۔ ٹھہریئے۔ آپ گدگدی کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بات مناسب نہیں ہے۔

برہان ـــــ تب معاف کر دو۔

انیسہ ـــــ معاف تو کرنا ہی پڑے گا۔

مسکرائی ـــــ برہان نے اس کا دست ناز چھوڑ کر" کہا تمہارا۔ بہت بہت شکریہ۔

شکریہ ـــــ تم یہ نہیں جانتی ہو انیسہ کہ تمہاری خفگی میری روح پر کیا اثر کرتی ہے۔

انیسہ ـــــ اب کب تک یہاں سے کوچ ہو گا۔

برہان ـــــ دو ہی چار روز میں۔ اونٹوں کی فراہمی کا انتظام ہو رہا ہے۔ جہاں تیس ہزار اونٹ جمع ہو گئے۔ فوراً کوچ کر دیا جائے گا!

انیسہ ـــــ مگر یہ اونٹ کیوں اکٹھے کیے جا رہے ہیں۔

برہان ـــــ ملتان سے اجمیر تک ۲۵۰ میل لق و دق میدان ہے۔ اس میدان میں نہ سبزہ و گیاہ ہے نہ پانی ملتا ہے۔ اونٹوں پر رسد اور پانی لے جائے گا۔

انیسہ ـــــ کیا کوئی اور ایسا راستہ نہیں ہے جس میں پانی میسر آ سکے۔

برہان ـــــ لیکن بڑا لمبا اور خطرناک ہے قدم قدم پر ہندوؤں کی آبادی ہے۔ اگر وہ سب جمع ہو کر مقابلہ میں آ گئے تو سلطانی لشکر کو بڑی دقتوں کا سامنا ہو گا۔

انیسہ ـــــ آپ نے سومنات کا قلعہ دیکھا ہے۔

برہان ـــــ دیکھا ہے ایک روز رات کے وقت چھپ کر میں اور بھائی ہارون وہاں گئے تھے۔ نہایت مضبوط۔ بلند و وسیع قلعہ ہے۔ ایسا قلعہ آج تک نظروں سے نہیں گزرا سمندر کے عین کنارہ پر واقع ہے پانی کی موجیں قلعہ کی فصیل کے پشتہ سے آ کر ٹکراتی ہے۔

انیسہ لیکن راجکماری کو آپ نے کیسے دیکھا۔

برہان عجیب اتفاق ہوا۔ میں اور بھائی ہارون سفر کر رہے تھے۔ رات ہو گئی تھی ہم تاریک جنگل میں گھسے جا رہے تھے اندھیرا اس قدر پھیلا ہوا تھا کہ کوئی چیز نظر نہ آتی تھی دفعتہ ہم نے شور کی آواز سنی۔ دونوں نے گھوڑے دوڑائے اور جب کچھ دور پہنچے تو روشنی دیکھی۔ ہم بہت جلد روشنی کے پاس پہنچ گئے۔ دیکھا تو چند ڈاکو کچھ عورتوں کو گھیرے کھڑے ہیں۔ ہم نے ڈاکوؤں پر حملہ کیا اور انہیں قتل کر ڈالا۔ ان عورتوں اور لڑکیوں میں راج کماری تھی۔ وہ ہماری بہت مشکور ہوئی۔

انیسہ شاید اس ملک میں ڈاکوؤں کا زور ہے۔

برہان یہی میرا بھی خیال ہے۔

انیسہ اچھا اب میں جا رہی ہوں۔ ابا جان آنے والے ہوں گے۔

یہ کہتے ہی وہ بجلی کی سی تیزی سے خیمہ سے نکل گئی برہان دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس نے تھوڑی دیر اور التونتاش کے آنے کا انتظار کیا۔ لیکن جب وہ نہ آئے تو واپس لوٹ آیا امیر علی اور التونتاش دونوں اونٹوں کی فراہمی میں مصروف تھے۔ چند روز کی کوشش سے اونٹ مل گئے اور اب ان کی تعداد پوری تیس ہزار ہو گئی۔

چونکہ اونٹ کافی پانی پی لیتا ہے اور ایک ایک ہفتہ تک اسے پانی کی ضرورت نہیں ہوتی اس لیے اونٹوں کو چند روز پیاسا رکھ کر انہیں خوب پانی پلا دیا گیا اور پھر ان پر چھاگلوں اور مشکیزوں میں پانی بھر کر لاد دیا گیا۔ رسد بھی لادی گئی اور لشکر نے ملتان سے اجمیر کی طرف کوچ کر دیا۔

سازش

اگرچہ یہ کسی کو بھی معلوم نہ تھا کہ غازی سلطان محمود کا ارادہ کس ملک اور کس قلعہ پر حملہ کرنے کا ہے اور اسی وجہ سے تمام ہندوستان کے راجہ اور مہاراجہ دشوش اور پریشان تھے۔ لیکن سب سے زیادہ فکر اور پریشانی سومنات کے مہاراجہ کو تھی۔ اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا۔ جیسے مجاہدین اسلام کا سیلاب سومنات ہی کی طرف بہا چلا آ رہا ہے۔

اس نے نہ صرف قریب و جوار ہی کے راجاؤں کو مدد کے لیے لکھا تھا۔ بلکہ ہندوستان

کے طول و عرض میں جتنے بھی راجہ تھے۔ سب ہی سے اعانت طلب کی تھی اور سب کو یہ صاف طور پر لکھ دیا تھا کہ سلطان محمود اور اس کی فوجوں نے اس مقدس مقام اور متبرک مندر کی طرف رخ کیا ہے جو مرجع خلائق ہے۔ جس کا احترام ہندو کے بچہ بچہ کے دل میں ہے۔ جس کی عظمت کی ہندو دنیا قائل ہے۔ جہاں مرنے کے بعد روحیں اس لیے آتی ہیں کہ سومنات کے دیوتا کے حکم کے بموجب دوسرے قالبوں میں داخل ہوں۔

مہاراجہ سومنات کی ان چٹھیوں نے ہندوؤں کے دلوں میں جوش و غضب کا ولولہ اٹھا دیا اور وہ جوق در جوق سومنات کی مدد کے لیے چل پڑے۔

ہندوستان میں شروع ہی سے ہندوؤں کے چار طبقے ہیں۔ ایک برہمن جنہیں مذہبی اقتدار حاصل ہے۔ دوسرا چھتری جو حکمران طبقہ کہلاتا ہے اور جس کے ذمہ ملک و قوم کی حفاظت ہے۔ تیسرا ویش جس کا پیشہ کاشت کاری۔ سوداگری اور ساہوکاری ہے۔ چوتھا طبقہ سودر (اچھوت) ہے یہ بدبخت کہلاتے ہیں ان کے ذمہ مذکورہ تینوں طبقوں کی خدمت ہے۔ تمام ہندو اچھوتوں کو نہایت درجہ حقیر و ذلیل سمجھتے ہیں اور ان سے ہر قسم کی ادنیٰ سے ادنیٰ خدمت لیتے ہیں۔ لیکن انہیں یہ حق نہیں ہے کہ وہ اس راستہ پر بھی چل سکیں جس سے برہمن آ رہا ہو۔ یا چھتری کے سامنے کھڑے ہو کر بات بھی کر سکیں یا ویش کے سامنے بیٹھ سکیں۔ وہ ان تینوں کی خدمت کرتے ہی مر جاتے ہیں۔

صرف یہی بات نہیں ہے کہ ہندو اچھوتوں ہی کو برا سمجھتے ہیں بلکہ ان کا ہر طبقہ دوسرے کو نفرت و حقارت کی نگاہوں سے دیکھتا ہے۔

چھتری ویش کو اس لیے حقیر سمجھا جاتا ہے کہ ویش سود خور مہاجن اور زراعت و تجارت کرنے والا پست اخلاق۔ پست مذاق اور پست ہمت طبقہ ہے۔ وہ ملک و قوم کی خدمت کے لیے تلوار اٹھاتے ڈرتا ہے۔

برہمن مذہبی پیشوا ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو سب سے اعلیٰ اور ارفع سمجھتا ہے وہ ویش اور چھتری دونوں طبقوں کو حقارت کی نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ حقیقت بھی یہ ہے کہ برہمن کو ہر طبقہ عزت و تکریم کی نظروں سے دیکھتا اور اس کی خدمت کرنا باعث فخر سمجھتا ہے اور ویش چھتریوں کو اس لیے بری نگاہوں سے دیکھتے ہیں کہ وہ انہیں جھگڑالو سمجھتے ہیں۔

ہندوؤں کی اس تقسیم نے ان میں نفاق کے جراثیم پیدا کر رکھے ہیں۔

تاریخوں کے پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ چھتریوں نے برہمنوں کو کچلا اور برہمنوں نے چھتریوں کو پامال کیا۔ چھتریوں نے ویشوں کو لوٹا اور ویشوں نے چھتریوں کو ذبح کر ڈالا رہ گئے بیچارے اچھوت انہیں سب ہی کچلتے اور پامال کرتے چلے آئے۔

ہندو قومیت کی بنیاد ہی نفاق و شقاق کی خلیج پر کھڑی کی گئی ہے۔ ان میں یہاں تک اپنے طبقہ کی پاسداری ہے کہ برہمن چھتری کو اپنی بیٹی نہیں دے سکتا اور چھتری برہمن کو ویش کی بیٹی نہیں دے سکتے اور تو اور ہر طبقہ کا مندر الگ ہے۔

جب سے ہندوستان میں مسلمان آئے اور ہندوؤں نے دیکھا کہ مسلمانوں میں کوئی تفریق نہیں ہے۔ وہ سب متفق و متحد ہیں ادنیٰ ہوں یا اعلیٰ سب ایک ہیں۔ شادی بیاہ میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ غریب کی بیٹی امیر کے گھر چلی جاتی ہے امیر کی بیٹی غریب کے گھر چلی جاتی ہے۔ تب سے ہندوؤں کی آنکھیں کھلیں اور انہیں یہ احساس ہوا کہ ان کی قوم کی تقسیم ان کے بزرگوں نے غلط طریق پر کی اور اس کی قومی تقسیم نے ان میں پھوٹ ڈال دی۔ مذہب وہی اچھا ہے۔ جس میں کسی قسم کی تفریق نہ ہو۔ چنانچہ ہندو مسلمان ہوتے چلے گئے۔

غرض ہندوؤں میں چار طبقے تھے اور چاروں کے دلوں میں سومنات کے تقدس و عظمت کی عزت تھی اور ہر طبقہ کو اپنے میں شامل نہ کیا وہ خود ہی تیار ہوئے اور زعفرانی لباس پہن کر سومنات پر سرفروشی کرنے کے لیے چل پڑے۔

اس زمانے میں ہندوؤں میں یہ قاعدہ تھا کہ جو لوگ زعفرانی رنگ کا لباس پہن لیتے تھے وہ میدان جنگ میں کٹ مرتے تھے۔ لیکن پیچھے نہ ہٹتے تھے۔

روزانہ سومنات میں کثرت سے لوگ آ رہے تھے یہ آنے والے کسی نہ کسی راجہ یا رانا[1] کے علم ہوتے تھے۔

سومنات کا قلعہ نہایت وسیع تھا۔ کئی لاکھ آدمی اس میں سما سکتے تھے۔ چنانچہ جو راجہ بالا آتے رہے انہیں قلعہ میں ٹھہرایا جاتا رہا اور ان کے فوجی سپاہی اکڑ اکڑ کر فصیلوں پر پہرہ دینے لگے۔

سومنات کے مہاراجہ کی ان راجاؤں کے آنے کی وجہ سے ایک حد تک تسلی ہو گئی تھی

---

[1] رانا ان حکمرانوں کو کہتے تھے۔ جن کی سلطنتیں چھوٹی اور سلطنت کا رقبہ محدود ہوتا تھا۔ صادق

اسے یہ اطمینان ہو چلا تھا کہ اب اگر چھتری اس کی فوجوں کو پارہ پارہ کر ڈالیں گے اور وہ اپنی جان بچا کر نہ لے جا سکے گا۔

لیکن جبکہ ایک طرف لڑائی کے انتظامات ہو رہے تھے۔ دوسری طرف پرم دیو انہلواڑہ کا راجہ سومنات کے راجہ سے اپنے بیٹے سکھ دیو کی شادی کا زور دے رہا تھا۔

مہاراجہ سومنات نے اسے لکھ دیا تھا کہ وہ راجکماری چندر موہنی کی شادی اس وقت کریں گے۔ جب سلطان محمود کے حملہ کا اندیشہ جاتا رہے گا۔

اگرچہ پرم دیو اور سکھ دیو کو یہ بات ناگوار گذری لیکن وہ مہاراجہ پر اس لیے زیادہ زور نہ ڈال سکے کہ اس وقت اس کی قوت اس کے مددگاروں کی وجہ سے بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔

پرم دیو اپنے بیٹے سکھ دیو کی شادی کی جلدی صرف اس لیے ہی نہ کر رہا تھا کہ چندر موہنی نہایت حسین و جمیل راجکماری تھی بلکہ اس تہ میں یہ بات بھی تھی کہ سومنات کے مہاراجہ کے اور کوئی اولاد نہ تھی اور اس کے مرنے کے بعد یہ جلیل القدر و عظیم الشان سلطنت بھی اسے ہی ملنے والی تھی اور اس سلطنت کے ملنے سے اس کا اعزاز بھی بڑھنے والا تھا۔ تمام ہندوستان کے راجہ اس کی عزت و عظمت کرنے پر مجبور ہو جاتے۔

سکھ دیو اگرچہ آوارہ مزاج تھا۔ شراب اور عورتوں سے اسے خاص طور پر رغبت تھی۔ نہ معلوم وہ کتنی دوشیزاؤں کی عصمت خراب کر چکا تھا۔ لیکن اس نے چندر موہنی کو دیکھا تھا اور اس پر ہزار جان سے فریفتہ ہو چکا تھا۔ وہ اس کے فراق میں جل رہا تھا اور چاہتا تھا کہ یا تو جلد سے جلد شادی ہو جائے یا وہ چندر موہنی کو کسی طرح اڑا لاسکے۔

اس کی ایک بہن تھی۔ اس کا نام کامنی تھا۔ وہ چندر موہنی کی سہیلیوں میں شامل تھی۔ اس نے کامنی سے کہا۔ کہ وہ یہ معلوم کرلے کہ چندر موہنی کے اس کی بابت کیسے خیالات ہیں اور وہ اس سے یعنی سکھ دیو سے محبت کرتی ہے یا نہیں۔

کامنی نہایت خوب صورت لڑکی تھی۔ لیکن جس قدر خوب صورت تھی۔ اسی قدر چالاک بھی تھی۔ اس نے چندر موہنی کی طبیعت میں خاصا رسوخ حاصل کر کے یہ بات معلوم کرلی کہ اسے اس کے بھائی سکھ دیو سے بالکل ہی محبت نہیں ہے بلکہ اس سے نفرت کرتی ہے اسے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ ڈاکوؤں سے بچانے والے ترک کی کہ جس کا نام ہارون ہے۔ اکثر تعریف کرتی رہتی ہے۔

ایک روز جب سکھ دیو سومنات آکر کامنی سے ملا تو کامنی نے اس سے کہا۔ میں نے معلوم کیا ہے بھیا چندر موہنی کو تم سے بالکل بھی محبت نہیں ہے۔

سکھ دیو میں ایک اور خرابی یہ بھی تھی کہ وہ اپنے آپ کو ایسا بانکا اور رسیلا نوجوان سمجھتا تھا۔ جس پر ہر دوشیزہ کی نظر انتخاب پڑے اسے یہ بات بہت ہی عجیب اور ناگوار معلوم ہوئی کہ چندر موہنی اس سے محبت نہیں کرتی۔ اس نے کہا۔

چندر موہنی کو مجھ سے محبت نہیں ہے، یہ تو بڑی عجیب بات کامنی! ضرور اس میں کوئی وجہ ہے۔

کامنی —— وجہ مجھے معلوم ہے۔

سکھ دیو —— تجھے معلوم ہے تو بتا!

کامنی —— تم نے سنا ہوگا۔ بھیا کہ جب راجکماری ساگر دوہر میالی جی سے ملنے گئی تھی تو راستہ میں ڈاکو مل گئے تھے۔ دو نوجوان ترکوں نے آکر ڈاکوؤں سے بچایا تھا۔

سکھ دیو —— ہاں میں نے سنا تھا۔ اس وقت تو بھی تو راجکماری کے ساتھ تھی۔

کامنی —— ہاں میں بھی تھی۔ راجکماری ان دونوں ترکوں میں سے ایک کی بہت زیادہ تعریف کرتی تھی۔ اس کا نام شاید ہارون تھا۔ وہ اس سے مہا گرو کے استھان پر ملی بھی تھی۔

یہ بات سن کر سکھ دیو کو جوش و غصہ آگیا۔ اس نے کہا۔ یہ تو کہو کہ راجکماری ایک ملیچھ سے محبت کرنے لگی ہے۔

کامنی —— ہاں میرا خیال ایسا ہی ہے۔

سکھ دیو —— تو نے بھی تو اس ترک کو دیکھا تھا۔ کیا وہ اتنا خوب صورت تھا کہ راج کماری اسے چاہنے لگی۔

کامنی —— بھیا ایک ترک ہوتے ہی خوب صورت ہیں اور ہارون تو بڑا گورا چٹا اور سجیلا نوجوان ہے۔

سکھ دیو —— میں سمجھ گیا۔ لیکن وہ ترک مہا گرو کے پاس کیوں آئے تھے۔

کامنی —— اسے تو ایشور ہی جانے۔ مگر سنا تھا وہ سیاحت کرتے پھر رہے تھے۔

سکھ دیو —— مجھے اس تہ میں کوئی راز معلوم ہوتا ہے۔ میں نے یہ بھی سنا ہے کہ مہا گرو نے بھر دربار مہاراجہ سے راجکماری کی شادی کے التوا کی درخواست کی تھی۔ میں آج ہی ان سے

مل کر سب کچھ معلوم کروں گا۔ لیکن مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بیاہ (شادی) ہمیشہ کے لیے ٹل گیا ہے یہ بات انہلواڑہ کے خاندان کے لیے بڑی سبکی کی ہے۔ کل پورن ماشی (چاند کی تیرہ تاریخ جس روز چاند پورا ہوتا جاتا ہے کہ رات کے وقت دیوتا سومنات جی کو بڑا اشنان دیا جائے گا۔ دیکھنا کہ راجکماری بھی سومنات جی کے درشن کو جائے گی یا نہیں۔

کامنی —— اس سے کیا ہوگا بھیا!

سکھ دیو —— میں چندر موہنی کو راستہ سے اڑا لے جانے کی کوشش کروں گا۔

کامنی —— لیکن اگر مہاراج کو یہ بات معلوم ہوگئی تو خون کے دریا بہہ جائیں گے بھیا۔

سکھ دیو —— تو چنتا (فکر) نہ کر چونکہ سلطان محمود کے سومنات پر حملہ آور ہونے کی خبر ہے۔ اس لیے مہاراجہ کچھ بھی نہ کر سکیں گے۔ چپ ہو کر رہ جائیں گے۔ آخر راجکماری میری منگیتر ہی تو ہے اگر میں اسے اٹھا لے جاؤں تو کسی کو کچھ کہنے کا حق بھی نہیں ہے۔

کامنی —— میں یہ بات معلوم کر کے تمہیں کل خبر دوں گی۔ کامنی چلی گئی۔ سکھ دیو بھی کچھ سوچتا ہوا روانہ ہوگیا۔

---

[1] پورن ماشی دیوتا سومنات یعنی سومنات کے بت کو رات کے وقت روزانہ گنگا کے تازہ پانی سے غسل دیا جاتا تھا۔ لیکن پورن ماشی یعنی ہر چاند کی تیرہ تاریخ کو بڑا غسل ہوتا تھا۔ اس تاریخ کو ہزاروں آدمی اس بات کی زیارت کو آتے تھے۔

از تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۴۰ صادق

پانچواں باب

ملامت و تہدید

دہر پال کا اہلِ سومنات نہ صرف اس وجہ سے عزت و احترام کرتے تھے کہ وہ راجکماری کے گرو تھے۔ بلکہ انہیں خدا رسیدہ سادھو سمجھتے تھے۔ عوام کا یہ عقیدہ تھا کہ ان کی دعا خالی نہیں جاتی۔ ان کی دانش مندی کا بھی شہرہ تھا۔ اس قدر فاضل و فرزانہ سمجھے جاتے تھے کہ مہاراجہ سومنات اہم معاملات میں ان سے مشورے لیتے اور ان مشوروں پر عمل کیا کرتے تھے۔

جب سے راجکماری فارغ التحصیل ہو گئی تھی۔ اس وقت سے دہر پال نے جنگلوں اور جنگلوں میں رہنا شروع کر دیا تھا۔

وہ سومنات میں یا تو مہاراجہ کے طلب کرنے پر آتے تھے یا چاند گرہن کے روز کہ سومنات کے سب سے بڑے غسل میں شریک ہو جاتے تھے۔

ہم بیان کر آئے ہیں کہ سومنات کو روزانہ گنگا کے پانی سے رات کے وقت غسل دیا جاتا تھا اور یہ گنگا کا پانی چھ چھ میل کے فاصلہ سے چوکیاں بنی ہوئی تھیں۔ جن میں برہمن رہتے تھے اور ہر چوکی کے برہمن ایک چوکی سے دوسری چوکی تک پانی پہنچایا کرتے تھے۔ ان برہمنوں کو مہاراجہ بڑی بڑی تنخواہیں دیتے تھے۔

گنگا سے سومنات تک جس قدر بستیاں اور آبادیاں تھیں۔ ان کے باشندے بھی ان پانی لانے والے برہمنوں کو بڑی بڑی رقمیں دان دیا کرتے تھے۔ وہ انہیں سومنات کے بھگت یا پجاری خاص سمجھ کر ان کی عزت اور خدمت کرتے تھے۔

روزانہ معمولی غسل ہوتا تھا اور مہینہ میں ایک مرتبہ چاند کی تیرہ تاریخ کو بڑا غسل دیا جاتا تھا اور سال بھر میں چاند گرہن کی رات کو سب سے بڑا غسل دیا جاتا تھا۔

چاند گرہن کے موقع پر سومنات میں عظیم الشان میلہ لگتا تھا اور یہ میلہ ایک ماہ تک رہتا

تھا۔ ہندوستان کے طول و عرض سے لوگ میلہ کی شرکت اور سومنات بت کی زیارت کے لیے جوق در جوق آتے تھے۔

سومنات سے لوگوں کی عقیدت کا یہ حال تھا کہ عام لوگوں کے علاوہ بڑے بڑے رئیس، زمیندار، ساہوکار، رانا اور راجہ تک پیدل چل کر آتے تھے اور اپنی حیثیت کے مطابق مندر پر چڑھاوا چڑھاتے تھے۔ ہر مہینہ کی تیرہ تاریخ کو ہزاروں روپے نقد اور ہزاروں روپے کا سونا چاندی۔ ہیرے اور جواہرات چڑھتے تھے اور چاند گرہن کے موقعہ پر لاکھوں روپے نقد اور لاکھوں روپے کا سیم و زر اور جواہرات چڑھائے جاتے تھے۔

سومنات کے پنڈت یا پجاری دو ہزار تھے۔ اس چڑھاوا میں سے مہاراجہ انہیں تنخواہ دیتا تھا اور جس قدر چڑھاوا آتا تھا۔ اس کا چوتھائی یا پانچواں حصہ تمام پنڈتوں پر تقسیم کر دیتا تھا۔ اس آمدنی کی وجہ سے تمام پجاری نہایت مال دار ہو گئے تھے۔

سومنات کا مہاراجہ مندر کا متولی کہلاتا تھا۔ اس کی اس قدر عزت کی جاتی تھی کہ کوئی شخص بھی جو اس کے سامنے پہنچ جائے۔ اسے سجدہ کیے بغیر نہ رہتا تھا۔ راجہ اور رانا تک اس کے سامنے سر جھکا دیتے تھے۔

ہندو بتوں کی پوجا کرتے تھے اور کرتے ہیں، بدقسمتی سے ان کی دیکھا دیکھی قبروں اور مزاروں کی پرستش کرنے لگے ہیں پاک پٹن شریف، کلیر شریف اور اجمیر شریف میں قبر پرستی کی بدعت دیکھ کر ایک عقیدت مند اور پکا مسلمان کانپ اٹھتا ہے۔ جب وہ بد عقیدہ مسلمان جن کے ایمان میں کمزوری پیدا ہو گئی ہے۔ قبروں کو سجدہ کرتے یا ان کے سامنے سر جھکاتے ہیں اور قبروں کی خاک اپنے منہ یا پیشانی پر ملتے ہیں۔ تو خدا ان کے اس شرک سے بیزار ہو جاتا ہے۔ خدا کے مقرب فرشتے کانپ اٹھتے ہیں اور توحید کا علم بردار مسلمان مشرک بن کر جنت سے دور اور دوزخ کے قریب پہنچ جاتا ہے اور کس قدر افسوسناک بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف اور صریح الفاظ میں فرمایا ہے: "لا تتخذوا القبور مساجد" (مسلم) یعنی قبروں کو سجدہ گاہ نہ بناؤ، پھر بھی لوگ قبروں کو سجدہ کرتے ہیں۔ یاد رکھو جو مسلمان قبروں کو سجدہ کرتے ہیں یا ان کے سامنے سر جھکاتے ہیں۔ یا ان پر چادریں چڑھاتے ہیں یا اہلِ قبر سے مرادیں مانگتے ہیں ان مسلمانوں کے ایمان کمزور ہیں اور وہ شرک کے مرتکب ہو کر گنہگار رہتے ہیں۔

حاجت روا تو صرف خدائے عزوجل ہے۔ وہ خدا جس نے انبیاء اور اولیاء کو پیدا کیا ہے۔

جس سے نبی اور ولی حاجت روائی کی التجائیں کیا کرتے تھے۔

اس خدا سے مانگیں یا ان نبیوں اور ولیوں سے جو مر چکے ہیں اور بغیر خدا کے حکم کے نہ وہ زندگی میں کچھ کر سکے نہ مرنے کے بعد کچھ کر سکتے ہیں۔

اکثر مزارات کے متولی بھی خواہ ان کے اعمال و افعال کیسے ہی بُرے کیوں نہ ہوں۔ اپنے آپ کو ولیوں سے بہتر سمجھتے ہیں اور جاہل و کم عقیدہ مسلمان انہیں سجدہ کرتے یا ان کا ولیوں جیسا ادب و احترام کرتے ہیں۔

راقم الحروف نے خود ایک سجادہ نشین کو دیکھا کہ لوگ اس کی تعظیم کے لیے اس قدر جھکے کہ سجدہ کی نشان پیدا ہو گئی۔ جب میں نے سجادہ نشین صاحب سے عرض کیا کہ آپ خدا کے ہم عصر بن کر لوگوں سے سجدہ کیوں کراتے ہیں۔ تو انھوں نے جواب دیا کہ یہ لوگوں کا حسن عقیدت ہے۔ میں انہیں منع کر کے ان کے جذبات کا خون کیوں کروں۔ میں نے کہا اس لیے کہ خدا نے اس چیز سے منع کیا ہے۔ وہ بولے اگر لوگوں کی سمجھ میں یہ بات آ جائے۔ تو تمام خانقاہیں ویران اور تمام سجادہ نشین مفلس نہ ہو جائیں۔

کس قدر افسوسناک بات ہے کہ مسلمان خدائے کریم کو چھوڑ کر مردوں پیروں اور ولیوں سے مرادیں مانگتے اور گنہگار رہتے ہیں۔ مزارات پر اس لیے چڑھاوے چڑھاتے ہیں تاکہ سجادہ نشینوں کو اس قدر دولت مل جائے کہ وہ امیرانہ زندگی بسر کر کے خدا کو بھول جائیں اور معصیت میں پڑتے چلے جائیں۔

مسلمانو! سوچو کہ اس طرح مزار پرستی کرنے سے ہم ہندو اور بت پرستوں میں فرق کیا رہا۔ خدا کے لیے سنبھلو۔ جو کچھ کر چکے ہو۔ اس پر پچھتاؤ۔ توبہ کرو اور جو کچھ مانگنا ہے۔ خدا سے مانگو وہی حاجت روا ہے۔

سومنات میں یاتریوں (زائروں) کی آمد کا اس بات سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ تین سو حجام محض یاتریوں کی حجامت بنانے پر مامور تھے۔[1] ان میں سے ایک نائی بھی سومنات والوں کا سر نہ مونڈتا تھا اور ان حجاموں کو کبھی فرصت نہ ملتی تھی۔ صبح سے شام تک مصروف رہتے تھے اور چونکہ ان کی آمدنی کافی تھی۔ اس لیے بڑے مالدار تھے۔

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ نمبر ۴۴

چونکہ سومنات کے ماہانہ غسل میں صرف ایک دن باقی رہ گیا تھا اس لیے یاتری (زائرین) بھاری تعداد میں جمع ہو گئے تھے اور تمام پنڈے اور پجاری برہمن غسل کے اہتمام میں مصروف ہو گئے تھے۔

دہر میپال جب آتے تھے تو شاہی محل کے ایک گوشہ میں مقیم ہوتے تھے۔ لیکن ان کی نشست زیادہ تر اس مندر کے ایک قطعہ میں رہتی تھی۔ جس میں ایک بت معلق تھا اور جسے دیکھنے کے لیے دور دور سے لوگ آتے تھے۔

اس مندر کے باہر سفید استرکاری ہو رہی تھی لیکن اندر کی تمام دیواریں سیاہ تھیں۔ فرش بھی سیاہ تھا اور چھت بھی سیاہ تھی اور ایک کالے رنگ کا بت اس میں معلق رکھا تھا نہ وہ کسی چیز پر رکھا تھا نہ کسی سہارے پر قائم تھا۔

چونکہ یہ ایک حیرت ناک بات تھی کہ بت زمین سے چھ فٹ اونچا چھت سے کافی نیچا مندر کی چار دیواری کے عین وسط میں بلا کسی سہارے کے قائم تھا۔ اس لیے لوگ جوق در جوق اس کی زیارت کرنے آتے تھے اور اسے دیکھ کر حیران ہوتے تھے۔ سادہ لوح ہندو سمجھتے تھے کہ بت اپنی شکتی (طاقت) سے قائم ہے۔ اس لیے اس کی خلوص دل سے پرستش کرتے تھے۔

سکھ دیو دہر میپال سے ملنے کے لیے اول اس بت خانہ میں آیا۔ لیکن اسے معلوم ہو گیا کہ دہر میپال وہاں نہیں ہے۔ وہ قصر شاہی میں گیا۔ چونکہ وہ راجکماری کا منگیتر تھا۔ اس لیے راج محل میں جانے میں اس کی روک ٹوک نہ ہوتی تھی۔

جب وہ محل کے اندر داخل ہوا تو اتفاق سے اس نے چندر موہنی کو جاتے ہوئے دیکھا راجکماری کے ساتھ اس کی چند سہیلیاں اور چند کنیزیں تھیں۔

سکھ دیو تیزی سے بڑھ کر چندر موہنی کے پاس جا پہنچا۔ اسے دیکھتے ہی سہیلیوں اور کنیزوں نے اس کی تعظیم کے لیے سر جھکا دیا اور سکھ دیو کا سر بلا عزم و ارادہ کے خود بخود چندر موہنی کی تعظیم کے لیے جھک گیا۔

اس وقت چندر موہنی پیازی رنگ کی ریشمی ساڑھی میں ملبوس تھی۔ کانوں میں موتی اہرا کے گوشوارے پہنے تھی۔ نہایت حسین معلوم ہو رہی تھی۔ وہ کھڑی ہو گئی اور اس کی شان سے شہزادی حسن ٹپکنے لگا۔ سکھ دیو پر اس کا رعب حسن اس قدر پڑا کہ چند لمحے تو وہ ساکت رہ گیا۔ کھڑا اسی حور لقا کو دیکھتا ہی رہا۔ آخر اس نے مسکراتے ہوئے کہا "معاف کرنا آپ کی خدمت

بے دھڑک چلا آیا۔

چندر موہنی نے ہوشربا نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور ترنم زیر لہجہ میں کہا "شاید کوئی ضروری کام ہوگا؟"

سکھ دیو نے جلدی سے کہا جی ہاں بڑا ضروری۔ میں مہا گورو جی سے ملنے آیا ہوں۔

چندر موہنی ۔۔۔ وہ سومنات کی گئے تھے اور ابھی اپنی قیام گاہ پر آئے تھے۔

سکھ دیو ۔۔۔ کیا آپ تنہائی میں میری دو باتیں سنیں گی۔

چندر موہنی ۔۔۔ اس وقت مجھے فرصت نہیں ہے۔

سکھ دیو ۔۔۔ پھر میں کس وقت حاضر ہوں۔

چندر موہنی ۔۔۔ مہا گورو جی سے دریافت کر لیجئے۔

سکھ دیو ۔۔۔ بہتر ہے۔

وہ دل برداشتہ ہو کر واپس لوٹا اور چندر موہنی اپنے حسن سے فضا کو منور اور معطر کرتی آگے بڑھ گئی۔

سکھ دیو جانتا تھا کہ دہر پال محل کے کس گوشہ میں مقیم ہوتے ہیں۔

وہ تیزی سے چل کر وہاں پہنچا۔ اس وقت دہر پال کے پاس اس کے خاص چیلوں میں سے تین چیلے بیٹھے تھے۔ سکھ دیو نے جا کر انہیں سلام کیا اور جھک کر ان کے قدم چھو کر اپنی پیشانی پر ہاتھ رکھے۔ دہر پال نے اسے دعا دی اور بیٹھنے کا اشارہ کیا وہ ادب سے ایک طرف بیٹھ گیا۔

دہر پال نے اس سے پوچھا "کس لیے آئے ہو راجکمار۔" سکھ دیو نے بلا کسی تمہید کے جواب دیا۔ میں اس لیے آیا ہوں کہ آپ سے یہ بات دریافت کروں۔ آپ نے راج کماری کی شادی کا التوا کیوں کرا دیا؟

دہر پال ۔۔۔ اس لیے کہ ملک پر جنگ کے بادل چھا گئے ہیں۔ کوئی نہیں جانتا کہ یہ طوفان کیا رنگ لائے۔ شادی اور بیاہ امن اور امان و سکون کی حالت میں کیے جاتے ہیں۔

سکھ دیو ۔۔۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس میں کوئی اور بھی مصلحت ہے۔

دہر پال ۔۔۔ تمہارا خیال غلط نہیں ہے۔

سکھ دیو ۔۔۔ کیا مصلحت ہے۔

دہر پال ۔۔۔ صاف ہی سننا چاہتے ہو تو سنو۔ راجکماری سے تمہاری شادی نہیں ہو سکتی۔

سکھ دیو کو یہ سن کر بڑا غصہ آیا۔ اس نے کہا کیوں؟

دہر پال ۔۔۔ اس کی وجہ تمہیں چند روز میں خود ہی معلوم ہو جائے گی۔

سکھ دیو ۔۔۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ مہاراجہ ہمارے خاندان کی توہین کرنے کی جرأت نہ کریں گے۔

دہر پال ۔۔۔ یہ میں بھی جانتا ہوں۔ خاندان انہلواڑہ کی توہین کی جرأت نہیں کی جا سکتی لیکن بعض مجبوریاں ایسی ہوتی ہیں کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

سکھ دیو نے قطع کلام کر کے گستاخانہ لہجہ میں کہا "میں ایسی مجبوری کو جانتا ہوں۔ راج کماری کو ایک ترک ہارون نامی سے محبت ہو گئی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

دہر پال اس بات کو سن کر زور سے چونکے۔ سکھ دیو نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا "آپ راجکماری کے گرو ہیں۔ شاید سومنات کو لیکش محمود کے ہاتھ سے بچانے کے لیے آپ چندر موہنی کو مسلمانوں کے حوالے کرنا چاہتے ہیں۔"

دہر پال کو غصہ آ گیا۔ ان کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ انہوں نے غضبناک لہجہ میں کہا تم جانتے ہو۔ راج کمار تم میری اور مہاراجہ کی دونوں کی توہین کر رہے ہو۔ تمہیں معلوم نہیں ہے کہ اس توہین کا نتیجہ کیا ہوگا۔

سکھ دیو نے جرأت کر کے کہا۔ میں آپ کے اثر و رسوخ کو جانتا ہوں جو آپ کا مہاراجہ پر ہے اور یہ کہنے پر تیار ہوں کہ آپ کا ادنیٰ اشارہ خانہ جنگی کرا دے گا۔

دہر پال ۔۔۔ تم جانتے ہو تو اپنی زبان بند رکھو۔ تم راجکماری کو بھول جاؤ اور میں اس بات کو بھول جاؤں گا کہ تم نے میری اور مہاراجہ کی توہین کی تھی۔

سکھ دیو نرم پڑ گیا۔ ساتھ ہی اس کی نگاہوں سے چالاکی اور مکاری کی علامتیں ظاہر ہو گئیں۔ اس نے عاجزی کے لہجہ میں کہا۔ مگر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مہا گرو جی!

مجھے راجکماری سے محبت ہے اور اس محبت ہی کی بدولت مجھ سے گستاخی ہوئی ہے۔ معاف فرما دیجئے۔

دہر پال ۔۔۔ میں اس ناخوشگوار گفتگو کا تذکرہ کسی سے نہ کروں گا اور اس بات کو میری طرف سے معاف سمجھو۔

سکھ دیو ۔۔۔ میں آپ کا مشکور ہوں۔

دھرپال: "تم چندر موہنا سے واقف نہیں ہو راجکمار! مجھے شبہ ہے! اس کی زندگی کے ساتھ ایک راز وابستہ ہے۔ جس کا انکشاف عنقریب ہونے والا ہے۔ میرا خیال ہے اس راز کے کھلنے پر دنیا حیران رہ جائے گی۔"

سکھ دیو نے اس گفتگو پر کوئی توجہ نہیں کی اور اٹھ کر وہاں سے چلا گیا۔

سومنات

چونکہ رات کے وقت مہانہ غسل دیا جانے والا تھا اس لیے سومنات کی زیارت کرنے والے نزدیک و دور سے آئے تھے۔ کچھ تو ان زائرین کا مجمع ہو گیا تھا۔ کچھ امدادی لشکر اور آ گیا تھا۔ اس لیے تعلقہ شہر اور مندر میں لوگوں کی گہما گہمی ہو گئی تھی۔ بازار سجائے گئے تھے دوکانیں آراستہ کی گئی تھیں۔ ہر بازار لوگوں سے بھر گیا تھا۔ عورتیں اور مرد لڑکے اور نوجوان لڑکیاں دوش بدوش آ جا رہے تھے۔ گرہ کٹوں اور اوباش لوگوں کی بن آئی تھی اور انہوں نے نہایت ہوشیاری سے متمول آدمیوں کی جیبوں پر ڈاکے اور عورتوں کے زیور اپنی حکمت عملی سے اتارنے شروع کر دیتے تھے۔ بعض بدمعاش بھیڑ میں گھس کر عورتوں کو چھیڑتے اور پریشان کرنے لگے تھے۔ یہ غنڈہ قسم کے شہری نوجوانوں اور جرائم پیشہ تجربہ کار مجرموں کا حال تھا۔

کوئی راجپوت بھی اس غنڈہ پن میں شریک نہ تھا۔ وہ بلند سپاہی اور ملک و قوم کے فدائی تھے۔ صاف دل اور سادہ مزاج تھے یا تو بے مدعا بازار کی سیر کر رہے تھے یا خرید و فروخت میں مشغول تھے۔

برہمن ان زائرین کو پھانسنے اور لوٹنے کی کوشش کر رہے تھے۔ جو پہلی مرتبہ سومنات میں آئے تھے اور بھولے اور مالدار تھے۔

وہ لوگ جو بڑی عقیدت سے سومنات بت کی زیارت کرنے اور مہانا غسل میں شریک ہونے کے لیے آئے تھے۔ مندر کے وسیع احاطہ میں ٹھہر گئے تھے۔

مندر کا احاطہ نہایت وسیع تھا۔ اس قدر وسیع کہ اس میں بہ یک وقت ایک لاکھ آدمی با فراغت آ سکتے تھے اور مندر کے احاطہ کی چار دیواری نہایت بلند اور مضبوط تھی۔

یہ مندر قلعہ کے پیچھے جہاں سمندر کنارہ پر واقع تھا۔ اس کا جنوبی پشتہ سمندر کے پانی میں

کھڑا تھا اور اس طرف، جو عمارتیں بنی ہوئی تھیں ان کی کھڑکیاں اور جھروکے سمندر کی طرف کھلتے تھے۔

اس طرف عوام الناس کو آنے کی اجازت نہ تھی۔ مہاراجہ سومنات کے خاندان کے مرد، عورتیں، کنیزیں اور راجکماری کی سہیلیاں آتی تھیں کبھی کبھی مہاراجہ کی اجازت سے دوسرے راجاؤں کے خاندانی لوگ بھی آ جاتے تھے۔

جب اس طرف کی کھڑکیاں جھروکے کھول دیئے جاتے تھے۔ تو سمندر کا نیلگوں پانی حد نگاہ تک پھیلا نظر آتا تھا۔ وہاں تک جہاں سمندر افق سے بغل گیر ہوتا تھا۔ چونکہ نظارہ بے حد دلچسپ ہوتا تھا۔ اس لیے اس طرف آنے والے اس دلکش نظارہ کی دید میں محو ہو جاتے تھے۔

مندر کے مشرق میں گنجان جنگلات کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ اکثر لوگ تیز دھوپ اور گرم ہوا سے بچنے کے لیے اس جنگلات میں ہی ڈیرے جما لیتے تھے اور چند روز کے لیے اس جنگل میں بھی منگل ہو جاتا تھا۔

شام کے وقت سکھ دیو اپنے لشکر کے پانچ سو آدمیوں کے ساتھ آ کر جنگل میں گھس گیا اور انہیں درختوں کے پیچھے چھپا کر تنہا درختوں کی گلی نما قطاروں سے گزرنے لگا۔ اس نے اچھا بہن کامنی سے ملنے کا وعدہ نہیں کیا تھا۔

اس گنجان جنگل میں لوگوں کی آمد و رفت کی وجہ سے بہت سی گلیاں سی بن گئیں تھیں۔ سکھ دیو ان گلیوں میں چکر کاٹتا رہا۔ چونکہ وہ لوگوں کی نگاہوں سے بچنا بھی چاہتا تھا۔ اس لیے جب کسی گروہ کو آتے دیکھتا تو چھوٹے درختوں کے جھنڈ میں گھس جاتا اور اس وقت تک باہر نہ نکلتا جب تک گلی صاف نہ ہو جاتی اور آنے والے چلے نہ جاتے۔

اس وقت اس نے بالکل سادہ کپڑے پہن رکھے تھے راجکمار ہونے کی علامت اس کے جسم پر نہ تھی۔ اسے زیادہ دیر تک انتظار نہ کرنا پڑا۔ اس کی بہن کامنی چند لڑکیوں کے ساتھ وہاں آ گئی اور لڑکیاں پیچھے رہ گئیں اور کامنی بڑھ کر سکھ دیو کے پاس آ گئی۔

سکھ دیو نے بے صبری کے انداز میں کہا: "بہت دیر لگا دی کامنی! کیا چندر موہنی مندر میں آ گئی؟"

کامنی نے جواب دیا۔ "ہاں آ گئی۔ اس کے ساتھ آنے ہی میں تو مجھے دیر ہو گئی۔"

سکھ دیو کے چہرہ سے مسرت کے آثار ظاہر ہوئے۔ اس نے دریافت کیا۔ "کس قدر سپاہی اس کے ساتھ آئے ہیں۔"

کامنی نے جواب دیا۔ بہت کم۔ صرف پچاس ہیں۔

سکھ دیو ــــــ میرے ساتھ پانچ سو آدمی ہیں۔ لیکن کامنی کی تو اسے رات کے وقت اس طرف نہیں لا سکتی۔

اس وقت ان کے قریب ہی دوسری گلی میں کسی کے قدموں کی ہلکی چاپ ہوئی۔ لیکن یہ دونوں گفتگو میں محو تھے۔ انہوں نے نہیں سنا۔ کسی نے انہیں جھانک کر دیکھا۔ دو تیز آنکھیں گھورتی ہوئی نظر آئیں۔

کامنی ــــــ میں یہ چاہتی ہوں کہ اس معاملہ میں میری شرکت ظاہر نہ ہو۔

سکھ دیو ــــــ نہیں کامنی تو چندر موہنی کو اس طرف لانے کی کوشش کر۔

کامنی ــــــ اچھا میں کوشش کروں گی لیکن مجھے امید نہیں کہ وہ رات کے وقت گنجان جنگل کی طرف آنے کی جرأت کرے۔

سکھ دیو ــــــ اگر نہ جائے گی تو میں دوسری تجویز پر عمل کروں گا۔

کامنی ــــــ اچھا اب مجھے جانا چاہیئے۔

سکھ دیو ــــــ ہاں جا اور نہایت ہوشیاری سے اس کام کو انجام دے۔

کامنی چلی گئی۔ سکھ دیو بھی گلیوں میں سے نکل کر مندر کی طرف روانہ ہوا۔ اس وقت مندر کی چوٹی اور اس کے سنہرے کلس پر آفتاب اپنی آخری طلائی کرنیں ڈال رہا تھا۔ جس سے مندر کے سفید مخروطی مینار پر سنہرا غازہ پھر گیا تھا۔ اور کلس میں آنکھوں کو چکا چوند کر دینے والی چمک پیدا ہو گئی تھی۔

جب وہ مندر کے دروازہ میں داخل ہوا۔ تو آفتاب غروب ہو رہا تھا اور پنڈے مندر کے وسیع احاطہ میں روشنی کرتے پھر رہے تھے۔

دو ہزار پنڈے تھے۔ سارے صحن میں بکھرے ہوئے تھے۔

چونکہ پوجا کا وقت قریب آ گیا تھا۔ اس لیے ہر پنڈا عجلت میں تھا۔ مندر کا صحن لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔

مندر کی وہ عمارت بھی جس میں سومنات کا بت تھا نہایت وسیع تھی۔ اس کے کئی درجے تھے اور ہر درجہ نہایت بلند اور کشادہ تھا۔ چھپن ستونوں پہ یہ عمارت استادہ تھی اور ہر ستون میں مرصع جواہرات جڑے ہوئے تھے۔

سومنات کا بت سب سے آخری درجہ میں تھا۔ وہاں تک باہر کی روشنی نہ جاتی تھی۔ نہ اندر روشنی کی جاتی تھی۔ بلکہ جواہرات اور الماس جو در و دیوار اور چھتوں میں جڑے ہوئے تھے اور لعل و شب چراغ جو قندیلوں میں نصب تھے۔ ان کی جوت اور جگمگاہٹ سے دن رات وہاں کافی روشنی رہتی تھی۔ اس قدر کہ روز روشن کی روشنی اس کے سامنے پھیکی تھی۔

سومنات کا بت پانچ گز لمبا تھا اور ایک اونچے چبوترہ پر نصب تھا۔ دو گز چبوترہ کے اندر تھا اور تین گز چبوترہ کے باہر تھا۔ ایسا ۔ ۔ ۔ معلوم ہوتا تھا۔ جیسے ایک ہی پتھر کو تراش کر اس بت کو بنایا گیا ہو۔ کیونکہ اس میں کہیں جوڑ نظر نہ آتا تھا۔[1] بت کی آنکھیں بڑی بڑی تھیں اور اس کی دونوں آنکھوں میں دو بڑے لعل اس صنعت سے جڑے گئے تھے کہ پتلیاں معلوم ہوتے تھے اور ان سے ایسی تیز چمک نکلتی تھی جو دیکھنے والے کی آنکھوں کو خیرہ کر دیتی تھی۔

اس عمارت کے سب سے پہلے درجہ میں سونے کی بھاری زنجیر لٹک رہی تھی۔ جس کا وزن دو سو من تھا۔ اس زنجیر میں سونے اور چاندی کے سینکڑوں گھنٹے اور گھڑیالیں لٹک رہی تھیں اور باریک سونے کی زنجیروں کا جال ہر درجہ میں تنا ہوا تھا۔ ان زنجیروں میں چھوٹی چھوٹی سینکڑوں سونے کی گھنٹیاں لٹک رہی تھیں۔ یہ تمام زنجیریں موٹی زنجیر میں پیوست تھیں۔ جب پوجا کا وقت ہوتا تھا یا بت کو غسل دیا جاتا تھا۔ تو سو پنڈے مل کر سونے کی بھاری زنجیر کو کھینچتے تھے۔ جس سے تمام گھنٹیاں گھنٹے اور گھڑیالیں بجنے لگتے تھے اور میلوں تک ان کی پرشور آواز گونج جاتی تھی۔ لوگوں کو اس آواز سے معلوم ہو جاتا تھا کہ پوجا کا وقت آ گیا یا اب بت کو غسل دیا جانے والا ہے۔

چنانچہ جب کسی قدر اندھیرا پھیل گیا اور چاند افق مشرق سے نکل کر جھانکنے لگا۔ تو سو پنڈوں نے مل کر موٹی زنجیر کو کھینچنا شروع کیا۔ تمام گھنٹیاں۔ سارے گھنٹے اور کل گھڑیال بڑے شور کے ساتھ بجنے لگے۔ ان کی پرشور آواز سے تمام مندر اور مندر کا وسیع احاطہ گونج اٹھا۔[2] قلعہ جنگل اور سمندر میں دور تک یہ آواز پھیل گئی۔

---

[1] از تاریخ ہندوستان جلد اول صفحہ ۲۸۷

[2] ہم نے مندر اور بت کی جو کیفیت اس بات میں قلم بند کی ہے وہ شرح تاریخ ہندوستان اور تاریخ فرشتہ میں لکھی ہوئی ہے۔ صادق۔

جو لوگ مندر میں جمع تھے۔ وہ مودب کھڑے ہو گئے اور جو باہر تھے۔ وہ دوڑ دوڑ کر احاطہ کے اندر آنے لگے۔ عورتیں، مرد اور بچے بے شمار جمع ہو گئے۔

گھنٹوں اور گھڑیالوں کی آواز گونج رہی تھی۔ لوگ نہایت خاموشی سے کھڑے ہوئے سن رہے تھے۔ اس وقت سب کے منہ اس عمارت کی طرف تھے۔ جس کے اندر سومنات کا بت تھا۔ چونکہ سب اس کے عقیدت کیش تھے۔ اس لیے سب کے دلوں میں شرد بار عقیدت کی لہریں اٹھ رہی تھیں۔

چاند بتدریج بلند ہو رہا تھا اور جوں جوں اس کی ترچھی شعاعیں سیدھی ہوتی جاتی تھیں مندر کے صحن میں چاندنی کی سفید نورانی چادر بچھتی جاتی تھی۔

جو لوگ مندر کی خاص عمارت سے دور تھے انہیں افسوس ہو رہا تھا کہ صبح ہی سے کیوں نہ آ گئے جس سے سومنات کے درشن بھی ہو جاتے اور اس کے غسل کا پانی بھی مل جاتا۔

ہندو اس پانی کو بڑا متبرک سمجھتے تھے۔ جو سومنات کا غسل ہونے پر نالیوں میں بہہ کر آتا تھا۔ اس پانی کا ایک قطرہ بھی ضائع نہ ہونے دیا جاتا تھا۔ اس کی ایک ایک بوند عقیدت مند ہندو چاندی اور دوسری۔ دھاتوں کی لٹیوں میں بھر لیتے تھے۔ لیکن انہیں اس پانی کے حاصل کرنے میں بڑی جدوجہد کرنی پڑتی تھی اور پنڈتوں کو دان خیرات کی صورت میں کثیر رقمیں بھی دینی ہوتی تھی۔

سنا ہے مسلمانوں نے بھی اکثر مزارات میں قبروں کو غسل دینے کا سلسلہ شروع کیا ہے اور جاہل یا کمزور ایمان کے مسلمان اس غسل کے پانی کو مقدس تبرک سمجھ کر لے جاتے ہیں اور پیتے ہیں۔ بیماروں کو پلاتے اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس سے بیمار اچھا ہو جائے گا یا تندرست آدمی پی لے گا تو اسے کوئی بیماری نہ ہو گی۔

یہ جاہلانہ اور مشرکانہ رسوم مسلمانوں نے ہندوؤں سے حاصل کی ہیں اور اکثر سجادہ نشین جو مذہب و ملت سے ناواقف ہوتے ہیں یا اپنی دوکانداری کو فروغ دینا چاہتے ہیں۔ بھولے بھالے اور سیدھے سادھے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے ایسی نامشروع باتیں کرتے ہیں۔

تعجب اور افسوس ہے کہ مسلمان جو توحید کا علمبردار اور مشرکانہ رسوم کو بیخ و بنیاد سے اکھاڑ پھینکنے کا ٹھیکیدار ہے۔ اس بدعت اور شرک میں مبتلا ہے۔

اسلام کی بنیاد توحید پر قائم ہے اور توحید کی تعلیم قرآن شریف دیتا ہے مسلمان خدائے

بزرگ کے اس کلام مقدس کا امین ہے۔ قرآن شریف میں وہ تمام باتیں بیان کر دی گئی ہیں۔ جو مسلمانوں کو کرنی اور جو نہ کرنی چاہئیں۔ کہیں قرآن مجید میں یہ ذکر نہیں ہے کہ مزارات کو غسل دو اور قبروں کو نہلاؤ اور اس کا پانی پیو یا استعمال کرو۔

مسلمانو! یہ شرک ہے۔ اس سے بچو۔ توبہ کرو۔ جواب سمجھ لو کہ قیامت کے روز اس شرک کا جواب دینا ہو گا اور مشرک ہرگز نہ بخشا جائے گا۔

پنڈت زور زور سے زنجیروں کو کھینچ رہے تھے۔ گھنٹوں اور گھنٹیوں کی آواز گونج رہی تھی۔ عوام الناس کو معلوم ہو گیا تھا کہ سومنات کو غسل دیا جانے والا ہے۔

جس روز سومنات کو غسل نہ دیا جاتا تھا۔ اس روز دن چھپتے ہی اس کی پوجا شروع ہو جاتی تھی۔ لیکن جس روز غسل دیا جاتا تھا۔ اس روز پوجا کے وقت یعنی دن چھپتے ہی غسل کا اہتمام ہوتا تھا اور غسل سے فراغت کے بعد پوجا ہوتی تھی۔

گھنٹوں کی پرشور آواز گونج رہی تھی کہ دفعتہً سومنات کی جے کا نعرہ بلند ہوا۔ لوگ اٹھ اٹھ کر نعرہ لگانے والوں کو دیکھنے لگے۔

چھٹا باب

نظارۂ غسل

اس وقت چاند کافی بلند ہو چکا تھا۔ مندر کے تمام صحن میں چاندنی نے سفید چادر بچھا دی تھی۔ آسمان سے زمین تک نور کی بارش ہو رہی تھی۔ مندر کی سفید مخروطی لاٹ چاندنی میں ایسی معلوم ہو رہی تھی۔ جیسے دودھ میں نہا رہی ہو۔

تمام زائرین پر چاندنی بکھر رہی تھی۔ چونکہ سب نے سفید یا رنگ دار اچھے کپڑے پہن رکھے تھے۔ اس لیے ان کے لباس بھی چاندنی میں نہا رہے تھے۔

خصوصاً عورتوں اور نو خیز لڑکیوں کے لباس اور قیمتی زیورات جگمگا رہے تھے۔ ان کی صورتیں بھی دلفریب معلوم ہو رہی تھیں۔

اس وقت چندر موہنی اپنی قیام گاہ سے مندر میں داخل ہونے کے لیے چل پڑی تھی۔

اس کے ساتھ اس کی پری جمال سہیلیوں اور چنچل کنیزوں کا لشکر تھا۔ کئی سپاہی بھیڑ کو چیر کر راستہ بناتے ہوئے آگے جا رہے تھے۔

جس شخص کو معلوم ہو جاتا کہ راج کماری آ رہی ہے۔ وہ خود ہی دب جاتا اور جب راج کماری قریب آتی تو وہ اس کی تعظیم کے لیے جھک جاتا۔ عورتیں اور لڑکیاں ہاتھ جوڑ کر اسے پرنام (سلام) کرتیں۔

اس وقت چندر موہنی سیاہ ریشمین ساڑھی میں ملبوس تھی۔ جس کے حاشیوں پر سنہری بیل لگی ہوئی تھی۔ جواہرات کے ہار پہنے تھی۔ کانوں میں آبدار موتیوں کے گوشوارے تھے۔ جواہرات کی ضو نے چاندنی میں مل کر اس قدر چمک پیدا کر دی تھی۔ جس سے اس کے آتشیں رخسارے دمکنے لگے تھے اور آسمانی چاند کے سامنے زمین پر بھی ایک چاند چلتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

اس کی سہیلیاں بھی زرق برق پوشاکیں اور آبدار موتیوں کے زیورات پہنے تھیں۔

وہ بھی چاند کے ٹکڑے معلوم ہو رہی تھیں۔ خصوصاً کامنی نہایت ہی حسین و جمیل نظر آ رہی تھی۔

کنیزیں بھی حسب حیثیت اچھا لباس پہنے تھیں اور وہ بھی کافی خوب صورت معلوم ہوتی تھیں۔ جیسے پریاں چلی جا رہی ہوں۔ لوگ اس وقت تک مصروف نظارہ رہتے تھے۔ جب تک وہ یا ان کے لباس نظر آتے رہتے تھے۔

لوگ چندر موہنی کو دیکھنے کے لیے ہمہ تن شوق بن جاتے تھے۔ لیکن جب وہ سامنے آتی تھی تو ان کی نگاہیں کچھ رعب حسن اور کچھ رعب امارت سے خود بخود جھک جاتی تھیں اور وہ پیکر زیبائی ان کے پاس نہایت آہستگی اور سبک خرامی سے گزر جاتی تھی۔

جس وقت چندر موہنی بت کو دیکھنے کے لیے اندر داخل ہوئی۔ اسی وقت سومنات کی جے کا نعرہ بلند ہوا۔ یہ نعرہ ان برہمنوں نے لگایا تھا۔ جو اپنے کندھوں پر گنگا جل لیے چلے آ رہے تھے۔ یہ تقریباً ڈیڑھ سو برہمن تھے۔ ہر برہمن کے کندھے پر چھوٹی سی بہنگی رکھی تھی۔ جس میں دو دو چاندی کی صراحیاں تھیں اور ان صراحیوں میں گنگا کا پانی تھا۔

ان برہمنوں کو آتے ہوئے دیکھتے ہی لوگوں نے ان کے لیے راستہ چھوڑ دیا اور وہ تیزی سے چل کر صحن کو عبور کر کے مندر کے اندر داخل ہوئے۔

پانی پہنچنے کے لیے جا بجا چاندی کی کہاریں سے بن کر پنڈتوں کی فوج کے ساتھ آگے بڑھ آیا۔ پنڈتوں نے ہاتھوں ہاتھ پانی لیا اور سومنات کی طرف بڑھے۔

اب زنجیر گھنٹی بند کر دی گئی اور گھنٹوں کی پر شور آواز بند ہو گئی۔ لوگوں نے سمجھ لیا کہ اب غسل کا اہتمام شروع ہو گیا۔

پنڈتوں نے چاندی کے بڑے کلسوں (گھڑوں) میں پانی چھان چھان کر بھرنا شروع کیا۔

اس وقت پچھلے بڑے ہال میں سے تقریباً تین سو سازندے اپنے ساز لے کر آ گئے اور سب سے پہلے درجہ میں نہایت ادب سے بیٹھ کر ساز بجانے لگے۔

ان تمام سازوں کی ہم آہنگی سے عجیب سرور انگیز آواز بلند ہوئی جس نے سننے والوں کو مسحور کر دیا۔

کچھ دیر تک باجے بجتے رہے اور لوگ ان کی لے کے سرور کیفیت میں غرق رہے جب دفعتاً انہوں نے سازوں کو بجانا بند کر دیا تو ایک مرتبہ پھر خاموشی چھا گئی۔

اس خاموشی کے عالم میں پانچ سو نو عمر دوشیزہ پری جمال لڑکیاں اس ہال سے برآمد

ہوئیں، جس سے سازندے آئے تھے۔

یہ تمام لڑکیاں نہایت خوشنما لباس اور آبدار جواہرات کے زیورات پہنے تھیں۔ چونکہ ر... خوبرو تھیں۔ اس لباس اور ان زیورات میں اور بھی خوب صورت معلوم ہو رہی تھیں۔

یہ پری جمال لڑکیاں سومنات مندر کی داسیاں تھیں ان میں زیادہ خوش جمال دوشیزہ... امیر گھرانوں کی لڑکیاں تھیں۔ بعض مہ پارہ راجکماریاں تھیں۔

جو لڑکی کسی مندر کی داسی بنالی جاتی تھی۔ وہ شادی نہیں کر سکتی تھی۔ مذہبی قانون انہیں ازدو... زندگی بسر کرنے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ ان میں جو نیک اور صاحب عصمت ہوتی تھیں وہ ا... اپنے جذبات پر قابو پاکر جوانی دیوانی کے پرآشوب عالم کو نیک نامی کے ساتھ گزار دیتی تھ... اور جب وہ عمر کی پختگی کو پہنچتی تھیں اور حسن و شباب کی روان پر سے گزر جاتی تھیں۔ تو وہ جوگن... بن جاتی تھیں۔ لیکن جو جوانی کے جذبات کی رو میں بہہ جاتی تھیں۔ وہ کسی پنڈے یا سازندے... تعلق پیدا کر کے گناہ و عصیان کے بحر عمیق میں گر جاتی تھیں اور جب گناہ کا اثر ظاہر ہوتا تھا۔ ت... یا تو خودکشی کر لیتی تھیں۔ یا کسی کے ساتھ بھاگ جاتی تھیں۔ کبھی کبھی مندر کے پشت کی طرف سمند... میں نوجوان لڑکیوں کی لاش تیرتی نظر آتی تھی۔ جسے نہایت خاموشی سے نکال کر جلا دیا جاتا تھا۔

ہم بیان کر آئے ہیں کہ تمام داسیوں کے ہر قسم کے اخراجات، مندر سے ادا کیے جاتے تھے۔ عمدہ لباس اور قیمتی زیورات ان کے لیے مہیا کیے جاتے تھے۔

سومنات مندر کے متعلق دو ہزار گاؤں وقف تھے۔ ان مواضعات کی آمدنی زیادہ تر پنڈوں... سازندوں اور داسیوں پر ہی صرف کی جاتی تھیں یا ان برہمنوں کو بھی اس میں سے بھاری تنخوا... دی جاتی تھیں۔

جو روزانہ چھ سو میل سے گنگا کا پانی سومنات کے غسل کے لیے لاتے تھے۔

داسیوں نے آتے ہی گروہ گروہ ہو کر ناچنا شروع کر دیا۔ سازندوں نے پھر ساز بجانے شروع کیے۔ پھر ان کی پر کیف آواز فضا میں ترنم پیدا کرنے لگی۔

داسیوں کو بہترین قسم کے ناچ سکھائے جاتے تھے۔ انہوں نے اپنے ناچ سے دیکھنے والوں کو حیران کر دیا۔

ناچنے کے بعد انہوں نے گانا شروع کیا۔ سب خوش آواز اور فن موسیقی سے ماہر تھیں... ایسے لہجہ میں گانا شروع کیا جسے سن کر لوگ مسحور ہو گئے۔ فضا میں ترنم ہی ترنم پھیل گیا...

کیف و سرور کی بارش ہونے لگی۔ در و دیوار سے نغمے پھوٹ نکلے اور سامعین کی روحیں موسیقی کے سمندر میں بہہ گئیں۔

ان کے گیت کا مفہوم یہ تھا ”اے وہ جس کی عبادت کے لیے سمندر[1] رات کو ابھرتا ہے۔ جس کے پوتر استھان میں مردوں کی روحیں جون بدلنے کی اجازت لینے آتی ہیں۔ جس کی طرف آسمان سے چاند سورج اور تارے جھانکتے ہیں تو نہایت ہی مبارک ہے اور وہ جو اس مہادیوتا کی زیارت کرنے کے لیے آتے ہیں۔ وہ جو درشن کر کے تمام کام واپس جاتے ہیں۔

وہ جو حسن عقیدت سے تیرے چرنوں (قدموں) میں سر جھکاتے ہیں وہ بھی مبارک ہیں۔

آج کیسی خوش گوار رات ہے۔ پورنماشی کا چاند پوری آب و تاب سے نکلا ہوا نور کی بارش کر رہا ہے۔

آسمان سے زمین تک نور بکھرا ہوا ہے۔ تیرے سیوکوں (خادماؤں) عقیدت مندوں اور پجاریوں پر نور برس رہا ہے۔ وہ بھی نہایت ہی مبارک ہیں۔

ہم تجھے غسل دینے کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ گنگا جل میں تجھے اشنان کرائیں گے تو ہماری تمنائیں پوری کر۔ ہمارے دکھوں کو مٹا۔ غموں کو ہٹا۔ خوشی سے نہال کر۔ ہم پر مسرت و شادمانی کی بارش کر۔“

یہ گیت گا کر تمام داسیاں سر جھکا جھکا کر کھڑی ہو گئیں۔

اب پنڈوں کی فوج آگے بڑھی اور انہوں نے غیر مفہوم زبان میں کچھ پڑھنا شروع کیا۔ مہا پجاری بھی ان کے درمیان میں آنکھیں بند کیے پڑھ رہا تھا۔ تمام پنڈوں کی داڑھیاں لمبی اور گنجان تھیں۔ چونکہ وہ مختلف عمروں کے تھے۔ اس لیے داڑھیوں کے رنگ بھی مختلف تھے۔ کسی کی سیاہ داڑھی تھی۔ کسی کی کھچڑی اور کسی کی سفید۔

چندر موہنی سہیلیوں اور کنیزوں کے جھرمٹ میں ایک طرف کھڑی دیکھ رہی تھی۔

اگرچہ اس کمرہ میں جس میں سومنات کا بت تھا بالکل ہی روشنی کا انتظام نہ تھا۔ لیکن جواہرات

---

[1] ہندوؤں کا یہ عقیدہ تھا کہ سمندر میں جوار بھاٹا (مد و جزر) نہیں۔ بلکہ سمندر رات کے وقت جوش عقیدت سے ابھر کر سومنات کی پرستش کرتا ہے۔ از تاریخ ہندوستان جلد اول صفحہ ۲ صادق صدیقی۔

اور لعلوں کی ضو سے اس قدر روشنی ہو رہی تھی کہ دن سا نکلا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

پنڈتوں نے تھوڑی دیر گنگنا کر چاندی کے کلسے اٹھائے کئی پنڈت اس چبوترہ پر چڑھ گئے جس پر سومنات کھڑا تھا اور انہوں نے باقاعدہ اسے غسل دینا شروع کیا۔

پانی لینے کے لیے کش مکش شروع ہوئی۔ آدمی پر آدمی گرنے لگا ادھر پنڈتوں نے پانی پر قبضہ کرنا شروع کیا۔ لوگوں نے ان کی خوشامدیں کرنی اور انہیں خیرات کے بہانہ سے رشوتیں دینی شروع کیں۔

تھوڑی دیر بعد میں غسل ہو گیا اور مہا پجاری نے ناقوس پھونکا۔ ناقوس کی آواز سنتے ہی تمام لوگ سیدھے کھڑے ہو گئے اور جب ناقوس بند ہوا تو جو شخص جس جگہ عمارت کے اندر صحن میں کھڑا تھا وہیں سجدہ میں گر گیا۔ اس طرح سومنات کی عبادت بھی ختم ہوئی اور اب لوگ مندر ہی سے نکل نکل کر اپنی قیام گاہوں کی طرف جانے لگے۔

تائیدِ غیبی

چونکہ مندر کے اندر تقریباً ساٹھ ستر ہزار آدمی تھے۔ اس لیے انہیں واپس جانے میں کافی عرصہ لگ گیا۔

جب کچھ بھیڑ کم ہوئی تب چندر موہنی کے مہا پجاری نے اس کی چاندی سی پیشانی پر تلک لگایا۔ راجکماری نے اپنے گلے سے ایک موتیوں کا ہار اتار کر مہا پجاری کی نظر کیا۔ اس ہار کی قیمت چار پانچ ہزار روپے سے کم نہ تھی۔

مہا پجاری نے ہار لے کر اسے دعا دی اور اس کی ضو فشاں چہرہ کی طرف ٹکٹکی لگا دی۔

چندر موہنی نے اسے تیز نظروں سے اپنے رخِ تاباں کی طرف گھورتے ہوئے دیکھا اور شرما گئی۔ اس کے بعد کامنی بڑھی۔

مہا پجاری نے اس کی پیشانی پر بھی ٹیکا لگایا۔ اس نے بھی موتیوں کی ایک مالا بھینٹ میں دی۔

کامنی کے بعد چندر موہنی کی تمام سہیلیوں نے مہا پجاری سے ٹیکہ لگوایا اور ان میں سے ہر ایک نے اپنی حیثیت کے مطابق کچھ نہ کچھ دیا۔

اس ایک ہی دن میں مجموعی طور پر مہا پجاری کو دس بارہ ہزار روپے کی مالیت کا سامان مل گیا۔
کنیزوں کے پنڈتوں نے ٹیکے لگائے اور انہیں بھی دان کے طور پر کچھ نہ کچھ مل گیا۔

اب چندر موہنی چلی۔ جب وہ صحن میں آئی تب کامنی نے سرگوشی کے لہجہ میں چندر موہنی سے کہا
"کیا آپ اس جنگل تک تنہا چلنے کی جرأت کر سکتی ہیں"

چندر موہنی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا اس وقت"

کامنی ——— ہاں اس وقت۔

چندر موہنی ——— کس لیے۔

کامنی ——— ایک جوگن آپ سے ملنا چاہتی ہے۔

جوگن مجھ سے ملنا چاہتی ہے۔ چندر موہنی نے حیرت بھرے لہجہ میں کہا اور فوراً ہی اسے خیال ہوا کہ کہیں شوبھا دیوی تو نہیں آ گئی ہے۔

وہ شوبھا دیوی سے ملنا چاہتی تھی۔ اس سے یہ بات معلوم کرنے کے لیے کہ اگر وہ راجکماری نہیں ہے تو پھر کون ہے۔

جب سے شوبھا دیوی نے اسے بتایا تھا کہ وہ راجکماری نہیں ہے۔ اس وقت سے اس کے دل میں یہ بات معلوم کرنے کی خلش پیدا ہو گئی تھی کہ وہ پھر کون ہے اور کیوں سومنات کے مہاراجہ نے اسے اپنی بیٹی بنا کر پرورش کیا ہے۔

کامنی کو اس بات کا علم نہ تھا۔ کہ وہ شوبھا دیوی جوگن سے ملنے کے لیے بے چین ہے۔ اس نے جوگن کے ملنے کا بہانہ اس لیے کیا تھا کہ اسے معلوم تھا کہ چندر موہنی جوگنوں سے عقیدت رکھتی ہے۔ وہ اس سے ملنے کے لیے جنگل میں جانے پر رضامند ہو جائے گی۔

لیکن جب چندر موہنی نے حیرت ناک لہجہ میں اس سے دریافت کیا۔ جوگن مجھ سے ملنا چاہتی ہے؟ تو اسے شک ہوا کہ ضرور کسی جوگن سے چندر موہنی کے رازدارانہ تعلقات ہیں۔ اس نے کہا۔ "میں شام کے وقت بے مدعا جنگل کی طرف جا نکلی تھی۔ اس خیال سے کہ اس جنگل میں ایسے سادھو اور ایسی جوگن مل جاتی ہیں۔ جو ہر وقت پرماتما (خدا) کی یاد میں محو و مصروف رہتی ہیں شاید ان میں سے کوئی مجھے بھی مل جائے۔۔۔۔۔۔"

"چندر موہنی نے مسکرا کر کہا۔" اور اسی سے اپنی شادی کے متعلق کچھ دریافت کر سکے۔"

کامنی شرما گئی۔ وہ حسین بھی تھی اور معصوم بھی معلوم ہوتی تھی۔ اس کی بھولی صورت دیکھ کر کوئی

بھی یہ بات نہ سمجھ سکتا تھا کہ وہ چالاک بھی ہے۔

کامنی نے اپنی شرمیلی نظریں اُٹھا کر کہا۔ "راجکماری اپنی نہیں البتہ تمہاری شادی کے متعلق ضرور دریافت کرنا چاہتی تھی۔

چندر موہنی نے لمبا ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ کامنی! کوئی نہیں جانتا کہ کیا ہونے والا ہے۔ جب سے سلطان محمود کے حملہ کی خبر سنی ہے۔ دل کچھ بے چین رہتا ہے۔

کامنی ـــــ بے چینی اور پریشانی کی تو کوئی بات نہیں ہے۔ کیا آپ نے دیکھا نہیں راج کماری جی کہ سومنات جی کے فدائیوں کا کس قدر لشکر جمع ہو گیا ہے۔ میرے خیال میں تو جب اس ملیکش راجہ (سلطان) کو اس لشکر کی فراہمی کا حال معلوم ہو گا۔ تو وہ یہاں آنے کی جرات ہی نہ کرے گا۔

چندر موہنی ـــــ میں بھی اس خیال سے اپنے دل کو تسلی دینا چاہتی ہوں۔ لیکن نہیں ہوتی۔ مہارا بہ اور مہارانی بھی سخت متفکر اور بہت زیادہ پریشان ہیں۔

کامنی ـــــ میں جانتی ہوں۔ پریشان ساری ہی قوم ہے۔ لیکن کیا سومنات جی اپنے سیوکوں (خادموں) اور پجاریوں کی مدد نہ کریں گے۔ کیا سلطان محمود اس قلعہ اور اس شہر کو بھی فتح کرلے گا۔

چندر موہنی ـــــ اگر کچھ ڈھارس ہوتی ہے تو ایک اسی بات سے لیکن...... خیر جو ہونا ہے ہو کر رہے گا ہاں تو تو اس جنگل میں گئی اور ......

کامنی نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ "میں غلطی سے ایک گلی کے اندر گھس گئی۔ اس کے دونوں طرف بے شمار درختوں کی قطاریں تھیں۔ اگرچہ اس وقت آفتاب نکلا ہوا تھا۔ لیکن وہاں اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ مجھے خوف معلوم ہوا اور میں واپس لوٹی۔ مگر حسن اتفاق سے دوسری گلی میں ہو لی اور جب مجھے معلوم ہوا کہ میں راستہ بھول گئی ہوں۔ تو سخت پریشان ہوئی۔"

چندر موہنی ـــــ اس جنگل میں کوئی تھاہ ہی نہیں ہے۔ کامنی پھر ایسا گنجان اور تاریک جنگل ہے کہ خدا کی پناہ۔

کامنی ـــــ لیکن کچھ ایسا دلکش بھی ہے کہ اسے دیکھتے اور گھستے ہی چلے جانے کو جی چاہتا ہے۔

چندر موہنی ـــــ اچھا جب تو پریشان ہوئی تب کیا ہوا۔

کامنی ـــــ فوراً ہی مجھے ایک جوگن مل گئی شاید اس نے میرے چہرہ سے میری پریشانی کا حال معلوم کر لیا۔ اس نے مجھے تسلی دی اور کہا۔ "تمہیں گھبرانا اور پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ اس جنگل کے چپہ چپہ پر خدا رسیدہ سادھو اور جوگنیں بکھری پڑی ہیں۔ وہ مجھے قریبی راستہ سے جنگل سے باہر نکال لائی اور رخصت ہوتے وقت کہنے لگی۔ راج کماری سے کہنا کہ وہ آج ہی اپنے فائدہ کے واسطے مجھ سے یہاں آکر ملیں۔ میں انہیں ایک بات بتاؤں گی جسے سن کر انہیں سخت حیرت ہو گی۔

چندر موہنی ـــــ میں چلوں گی۔

کامنی ـــــ تو چلیے لیکن تنہا۔

چندر موہنی نے سہیلیوں اور کنیزوں سے کہا۔ "تم قیام گاہ پر چل کر میرا انتظار کرو اور میں ابھی آتی ہوں۔"

تمام لڑکیاں چلی گئیں اور یہ دونوں مندر کے اس دروازہ کی طرف روانہ ہوئیں جو جنگل کی جانب تھا۔ دروازہ کے قریب پہنچ کر کامنی نے کہا۔ صدر دروازہ سے تو جانا ٹھیک نہیں ہے۔ آئیے چھوٹے دروازہ سے نکل چلیں۔"

اس مندر کے ایک طرف سمندر تھا اور تین طرف تین عالی شان دروازے تھے۔ لیکن تینوں طرف کے دروازے چھوٹے چھوٹے بھی تھے۔ چنانچہ یہ دونوں ماہوش لڑکیاں ایک چھوٹے فروش دروازہ سے نکل کر جنگل کی طرف روانہ ہو گئیں۔

ہر طرف چاندنی تجلی ریز تھی۔ ہر چیز نور میں نہا رہی تھی۔ ہوا ساکن تھی اور اس لیے درخت خاموش کھڑے تھے۔

جنگل مندر سے کچھ زیادہ دور نہ تھا۔ وہ بہت جلد جنگل میں داخل ہو گئیں۔ یہاں اندھیرا تھا۔ نورپاش چاندنی کو گنجان درختوں میں شاخوں اور پتوں نے اوپر ہی روک لیا تھا۔ لیکن جہاں درخت کثرت سے نہ تھے۔ وہاں چاندنی پھیلی ہوئی تھی اور قدرے روشنی تھی۔

اس وقت جنگل سائیں سائیں کر رہا تھا۔ چندر موہنی کو خوف معلوم ہوا۔ اس نے کہا۔ "واپس چلو کامنی۔"

یہ دونوں چند ہی قدم چلی تھیں کہ درختوں میں کچھ کھٹکا ہوا اور یہ دونوں کھڑی ہو کر خوف زدہ

نظروں سے دیکھنے لگیں۔

یہاں درخت کم تھے اور چاندنی پتوں اور شاخوں سے چھن چھن کر گر رہی تھی۔ دفعتاً ایک دراز قد سیاہ پوش قریب کی جھاڑی سے نکل کر ان دونوں کے پاس آیا اور یہ دونوں اسے دیکھ کر کانپ گئیں۔

آنے والے نے پاس آ کر کہا: "راج کماری! شکر ہے تم آ گئیں۔"

دونوں نے فوراً ہی شناخت کر لیا۔ وہ سکھ دیو تھا۔ چندر موہنی نے کامنی کی طرف دیکھا۔ وہ شرمسار معلوم ہو رہی تھی۔

چندر موہنی نے جرأت کر کے کہا: "ہاں میں آئی ہوں مگر تم سے ملنے کے لیے نہیں۔"

سکھ دیو — میں جانتا ہوں۔ مجھ غریب سے ملنے کے لیے تم کیوں آتیں۔ یہ تو میرا جذبہ دل تمہیں یہاں کھینچ لایا ہے۔

چندر موہنی — میں ایک جوگن سے ملنے آئی ہوں۔ . . .

سکھدیو — لیکن خوش قسمتی سے مجھ سے ملاقات ہو گئی۔ اب تمہیں انہلواڑہ چلنا ہو گا۔

چندر موہنی — ہرگز نہیں۔ میں ہرگز وہاں نہ جاؤں گی۔ اس نے جوش اور غصہ کے لہجہ میں کہا۔

سکھدیو — میں جانتا ہوں تم خوشی سے ہرگز میرے ساتھ چلنے پر رضامند نہ ہو گی۔ اسی لیے میں نے یہ جال پھیلایا اور تم اس جال میں پھنس گئیں۔

چندر موہنی اب تک یہ بات نہ سمجھی تھی کہ کامنی اسے دھوکہ دے کر یہاں لائی ہے لیکن اب اس کی سمجھ میں آ گیا۔ اس نے کامنی سے مخاطب ہو کر کہا: کیوں کامنی! تم مجھے اس جال میں پھنسانے کے لیے لائی تھیں۔

کامنی نے کوئی جواب نہ دیا۔ سکھدیو نے کہا: نہیں کامنی اس سازش میں شریک نہیں ہے۔

چندر موہنی — لیکن اس کی خاموشی اس کے اعترافِ قصور کی . . . . . . شہادت دے رہی ہے۔

سکھدیو — میں فضول باتوں میں وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا۔ تم میرے ساتھ خوشی سے چلتی ہو یا نہیں . . . .

چندر موہنی — سنو سکھدیو! میں تمہارے ساتھ نہیں جا سکتی اور اگر تم نے حماقت کی تو اس کا خمیازہ بھگتو گے۔ انہلواڑہ تباہ ہو جائے گا۔ یہ وقت خانہ جنگی کا نہیں ہے۔

سکھ دیو — میں پہلے ہی جانتا تھا کہ تم آسانی سے نہ مانو گی۔ یہ کہتے ہی وہ چندر موہنی کی طرف بڑھا۔ معصوم راج کماری کانپ گئی لیکن فوراً ہی اس کا خوف دور ہو گیا۔ جسم میں نئی قوت محسوس ہوئی اور وہ مقابلے کے لیے تیار ہو گئی۔

سکھدیو نے اس کے پاس آ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے اٹھانا چاہا کہ دفعتاً قریب کی جھاڑیوں میں کچھ کھٹکا ہوا اور ایک آواز آئی۔ خبردار . . . .

سکھدیو نے جلدی سے مڑ کر دیکھا۔ کامنی اور چندر موہنی کی نگاہیں بھی اٹھ گئیں۔ شوبھا دیوی جگ ترشول ہاتھ میں لیے اسی طرف آ رہی تھی۔ اس کے چہرہ سے جوش و جلال ظاہر تھا۔

چندر موہنی نے اسے دیکھتے ہی چلا کر کہا: "ماتا شوبھا دیوی! مجھے اس راکشش (ظالم) سے بچاؤ۔"

شوبھا دیوی سکھدیو اور چندر موہنی کے درمیان آ کھڑی ہوئی۔ اس نے کہا: "بیٹی! نہ گھبراؤ۔ میری موجودگی میں یہ تمہیں آزار پہنچانے کی جرأت نہیں کر سکتا!"

سکھدیو نے جوش میں آ کر کہا: "ماتا! تم میرے معاملہ میں دخل نہ دو۔"

شوبھا دیوی نے سنجیدگی سے کہا۔ میں ہرگز بھی نہ بولتی اگر تم یہ نازیبا حرکت نہ کرتے۔ تم نے شام کے وقت اس سازش کا جال پھیلایا۔ اتفاق سے مجھے معلوم ہو گیا۔ میں نے انتظام کر لیا۔ سکھدیو بہتر یہی ہے کہ تم چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ۔ میں چندر موہنی سے وعدہ لے لوں گی کہ وہ اس واقعہ کا تذکرہ کسی سے نہ کرے گی۔

سکھدیو — لیکن اگر میں آپ کا کہا نہ مانوں تو۔

شوبھا دیوی — تم اور تمہاری بہن کامنی دونوں گرفتار کر کے مہاراجہ کے حضور میں پیش کر دیے جاؤ گے۔

سکھدیو — گویا تمہارے ساتھ اور آدمی بھی ہیں۔

شوبھا دیوی — ہاں اور وہ میرے اشارہ کے منتظر ہیں۔

میں نہیں چاہتی کہ تم بدنام ہو۔ جب تم اپنی بہن کامنی سے شام کے وقت باتیں کر رہے تھے۔ اتفاق سے میں قریب تھی اور میں نے تمہاری سازش معلوم کر لی تھی۔

سکھدیو کچھ سوچنے لگا۔ شوبھا دیوی نے کہا۔ سوچنے کا وقت نہیں ہے یا تو تم چپ چاپ رخصت ہو جاؤ۔ یا گرفتاری کے لیے تیار ہو جاؤ۔

سکھدیو — لیکن چندر موہنی۔

شوبھا دیوی — وہ بالکل خاموش رہے گی۔ بیٹی چندر موہنی! اقرار کرو کہ تم اس واقعہ کا ذکر کسی سے نہ کرو گی۔

چندر موہنی — میں اقرار کرتی ہوں۔

سکھدیو — اور کامنی ۔۔۔۔

چندر موہنی — وہ بدستور میری سہیلی رہے گی۔

سکھدیو چلا گیا۔ شوبھا دیوی۔ چندر موہنی اور کامنی کو ساتھ لے کر چلی اور مندر کے دروازہ پر پہنچ کر بولی تو میں کل ہی یہاں آئی ہوں۔

راج کماری! ایک دو دن میں تم سے ملوں گی۔"

یہ کہہ کر واپس لوٹ گئی۔ چندر موہنی اور کامنی مندر کے اندر چلی گئیں۔

ساتواں باب

صعوبات سفر

غازی سلطان محمود کے لشکر کی نقل و حرکت پر ہندوستان کے تمام راجاؤں کی نظر تھی۔

جب سے یہ شیر دل مجاہد حدود ہندوستان میں داخل ہوئے تھے۔ اسی وقت سے ان کی اور ان کے سرفروش لشکر کی ہندوستان میں آمد کی دھوم مچ گئی تھی۔

چونکہ اس سے قبل وہ پندرہ حملے کر چکے تھے اور جس طرف ان کے لشکر کا رخ ہو گیا تھا ہندوستانی مہاراجہ ان کے سامنے سے شکست کھا کر بھاگ گئے تھے۔ اس لیے عام ہندوؤں کے دلوں پر ان کی ہیبت چھا گئی تھی۔

جب سلطانی لشکر ملتان سے اجمیر کی طرف روانہ ہوا۔ تو ان راجاؤں نے اطمینان کا سانس لیا جو دوسری نواح میں تھے۔

لیکن سومنات کے مہاراجہ نے ہندوستان کے طول و عرض میں یہ خبر پہنچا دی تھی کہ غازی سلطان محمود کا طوفانی حملہ سومنات پر ہی ہونے والا ہے اس لیے عام راجہ اور سارے ہندو نہایت متردد اور پریشان ہو گئے تھے۔

سومنات ان کا کعبہ تھا۔ ہر ہندو کے دل میں اس مقام کی عزت و عظمت تھی۔ اسے بچانے کے لیے ہندوؤں میں عام شورش پھیل گئی اور بڑے بڑے بہادر اور جیالے راجپوت سروں پر کفن باندھ کر اور زعفرانی لباس پہن کر سومنات کی طرف روانہ ہو گئے۔

ہندوؤں میں یہ قاعدہ تھا کہ جب وہ کسی جنگ کے موقعہ پر زعفرانی لباس پہن لیتے تھے۔ تو اس کا یہ مطلب ہوتا تھا کہ انہوں نے عہد کر لیا ہے کہ وہ یا تو فتح کر کے رہیں گے۔ یا میدان جنگ میں مر جائیں گے۔

جو لوگ زعفرانی لباس پہن لیتے تھے۔ عوام ان کی بڑی عزت کرنے لگے۔

غرض ہندوستان کے ہر گوشہ سے جنگ جو راجپوت سومنات پر سرفروشی کرنے کے لیے روانہ ہو رہے تھے۔

غازی سلطان محمود کو ان کی ان تیاریوں کی مطلق بھی خبر نہ تھی۔ ان کے ساتھ صرف تیس ہزار مجاہدین تھے۔ لیکن یہ وہ لوگ تھے جو جانیں دینا اور جانیں لینا ہی جانتے تھے میدان جنگ کو بازیچہ طفلاں سمجھتے تھے۔ جن کی زندگی سرفروشی کرتے گزر گئی تھی۔ جن کی تلواروں کی دھاک دشمنان اسلام کے دلوں میں بیٹھی ہوئی تھی۔

ان سرفروش مجاہدوں نے خدا کا نام لے کر اس ریگستان میں قدم رکھ دیا تھا۔ جو ملتان اور اجمیر کے درمیان واقع تھا۔

جوں جوں وہ بڑھتے رہے خشک ہواؤں اور خشک میدانوں نے انہیں پریشان کر دیا جس طرف اور جہاں تک نظر جاتی تھی۔ ریت کے تودے یا ریت کا سمندر بہتا ہوا نظر آتا تھا۔

آفتاب اس قدر تیزی سے چمکتا تھا اور دھوپ اس قدر سخت ہو جاتی تھی کہ تھوڑا ہی سا دن چڑھنے کے بعد سفر ناقابل برداشت ہو جاتا تھا اوپر سے سورج کی تپش اور نیچے سے تپتا ہوا ریت دس بیس قدم چلنا ہی دوبھر کر دیتے تھے۔ اس پر ستم بالائے ستم گرم ہوا کے تیز و تند جھونکے تھے۔

ان سرفروشان اسلام نے ایسا گلگن زار کاہے کو دیکھا تھا۔ انہیں اس سفر میں سخت تکلیف ہو رہی تھی۔ صبح آٹھ بجے سے لے کر رات کو آٹھ بجے تک آگ برستی رہتی تھی کچھ رات گئے ٹھنڈ ہونے لگتی تھی اور کسی قدر چین نصیب ہوتا تھا۔

مرد تو خیر ان مصیبتوں کو جوں توں برداشت کر رہے تھے۔ لیکن عورتیں اور سیم تن لڑکیاں پھولوں کی طرح مرجھائی جاتی تھیں۔ اگرچہ ان کے آرام و راحت کا بہت کچھ خیال رکھا جاتا تھا ان کی سواریوں پر دبیز پردے ڈال دیئے جاتے تھے۔ تاکہ گرم ہوا اور دھوپ کی تیزی سے محفوظ رہیں۔ لیکن گرمی انہیں پریشان کرتی تھی۔ ہر وقت پنکھے جھلتے رہتے پھر بھی پسینہ میں ڈوبی رہتی تھی لیکن باوجود ان تکلیفوں کے ان میں سے کسی کے لب سے شکایت کا کلمہ یا ناشکر گزاری کا کوئی لفظ نہ نکلتا تھا۔ نہایت صبر و استقلال سے منزلیں طے کر رہے تھے۔

ایک وہ مسلمان تھے جو جہاد کے اس قدر دلدادہ تھے کہ کسی تکلیف کو خاطر میں نہ لاتے تھے سخت سے سخت مصیبتیں برداشت کر لیتے تھے۔ ایک ہم مسلمان ہیں کہ جہاد کا تذکرہ ہی کیا۔ اگر یہ بات بھی معلوم ہو جائے کہ اسلام اور مسلمانوں کی وجہ سے شاید قید و بند کی نوبت آ جائے تو اپنے بھائی مسلمانوں کو کچلوا دیں۔ پسوا دیں اور خود دور کھڑے تماشہ دیکھتے رہیں۔

کہاں گئے وہ لوگ جو حقیقت میں مسلمان تھے۔ آج بھی ہم ان کے کارنامے پڑھنا اور سن کر غرق ہو جاتے ہیں۔

سچ یہ ہے کہ انہیں لوگوں سے شان اسلام تھی اور وہی پکے مسلمان تھے۔ ہم نام کے مسلمان رہ گئے ہیں۔ بھلا جو لوگ نماز نہ پڑھیں۔ روزے نہ رکھیں۔ مسلمانوں کو اپنا بھائی نہ سمجھیں۔ خدا کی فرمانبرداری نہ کریں کیا وہ مسلمان کہلانے کے مستحق ہیں۔

مسلمانو! مسلمان بن جاؤ۔ خدا اور اس کے رسول صلعم کی اطاعت کرو آج تم دنیا کے قدموں میں پڑے ہو کل کو دنیا تمہارے قدموں پر آ پڑے گی۔

غازی سلطان محمود نے یہ دانشمندی کی تھی کہ تیس ہزار اونٹوں پر پانی۔ چارہ اور رسد لاد لی تھی۔ سارے خشک ریگستان میں کہیں گھاس کا تنکا بھی نہ تھا۔ پانی اور دوسری چیزوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

چونکہ سفر طویل تھا۔ اس لیے پانی نہایت احتیاط سے خرچ کیا جا رہا تھا اور کیفیت یہ تھی کہ ادھر پانی پیا اور ادھر ذرا ہی دیر میں پیاس معلوم ہونے لگی۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ تین سو پچاس میل کا سفر تھا۔ لو۔ گرمی اور ریت منزلیں طے نہ کرنے دیتے تھے مشکل سے پندرہ میل روزانہ چلتے تھے اس رفتار سے کم سے کم تیئیس دن میں طے ہو سکتا تھا۔

تیس ہزار سپاہی تھے اور ان کے لیے تیس ہزار ہی اونٹوں پر پانی بار تھا۔ گویا ایک سپاہی کے حصے میں ایک اونٹ کا پانی آیا تھا۔ پھر ... گھوڑوں۔ اونٹوں اور دوسرے جانوروں کے لیے بھی وہی پانی تھا۔

اسی میں وضو وغیرہ کرنا۔ کھانا پکانا اور پینا غرض تمام کام کرتے تھے۔

اتنا تھوڑا سا پانی سولہ دنوں کے لیے کیسے کفایت کرتا۔ لیکن وہ زندگی قائم رکھنے کے لیے پانی پیتے تھے۔ جانتے تھے کہ جتنا بھی پانی پیئیں گے پسینہ آ کر خارج ہو جائے اور پھر پیاس لگنے لگے گی۔ اس لیے صرف اتنا پانی پیتے تھے۔ جس سے ہونٹوں کی خشکی دور ہو جائے اور حلق تر کر لیا جائے۔

اسی سفر میں جانور اور انسان سب ہی دبلے اور کمزور ہو گئے۔ لیکن مسلمانوں کی روحانی

قوت بڑھ گئی اور ضبط و برداشت کی طاقت اس قدر آگئی کہ سارا سارا دن بغیر پانی پیے گزر جاتا۔ روزہ میں یہی حکمت ہے کہ اس سے روحانی قوتیں بڑھ جاتی ہیں۔

غازی سلطان محمود ہر نماز کے بعد دعا مانگتے کہ "پروردگار میں نے مسلمانوں کو تیرا نام [illegible] اس ریگ زار میں لا ڈالا ہے۔ انہیں ہلاک کر کے دنیا و آخرت میں مجھے روسیاہ کرنا۔ غلطی [illegible] ہے میں انہیں نادانستگی میں اس بے آب و گیاہ ملک میں لایا۔ اگر قصور کیا ہے تو میں نے تو سزا [illegible] مجھے ہی دے۔ ان مسلمانوں کو بچا لے اور میرے ساتھ جو تو بہتر سمجھتا ہے وہ [illegible]۔ اے اللہ العالمین تو خوب جانتا ہے کہ میری نیت خالص ہے۔ محض جہاد کے ثواب کے لیے اپنے عیش و [illegible] کو چھوڑ کر وطن سے دور دشمنوں کے ملک میں آیا ہوں۔ اے ارحم الراحمین! تیرے لطف و کرم [illegible] بھروسہ ہے۔ ہم پر مہربانی فرما!"

برہان اور ہارون دونوں کافی کمزور ہو گئے تھے۔ لیکن نوجوان تھے جسموں میں اسلامی خون [illegible] بہ رہا تھا دلوں میں امنگ تھی۔ طبیعتوں میں جوش تھا۔ اس لیے نحیف و زار ہونے پر بھی وہی دم خم [illegible] تھے جو پہلے تھے۔

اتفاق سے ایک روز برہان اس طرف نکل گیا۔ جس طرف عورتیں تھیں۔ اس نے انیسہ کو دیکھا [illegible] اس کے احمریں ہونٹوں پر خشکی سے سفید پپڑیاں جمی ہوئی تھیں۔ گل تر جیسے شاداب رخسار پھولوں کی [illegible] مرجھا گئے تھے۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ گئے تھے۔ برہان کو اس کی یہ کیفیت دیکھ کر سخت رنج [illegible] قلق ہوا۔ اس نے کہا "انیسہ تم کس قدر بدل گئی ہو"

انیسہ نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "اور تم جیسے بدلے ہی نہیں۔"

برہان ـــــ میری بات رہنے دو۔ میں صنف قوی میں ہوں اور تم صنف نازک [illegible] ہو۔ کاش تم ساتھ نہ آتیں۔

انیسہ ـــــ اگر نہ آتی تو پیاس کی شدت کی تکلیف کا احساس کیسے ہوتا۔ پانی کی قدر کیسے [illegible] جانتی۔

برہان ـــــ کیا تمہارے پاس پانی نہیں رہا۔

انیسہ ـــــ ہاں آج صبح ختم ہو گیا ہے۔

برہان ـــــ اوہ اور ابھی تو سفر بہت کچھ باقی ہے۔

انیسہ ـــــ خدا مددگار ہے۔

برہان ـــــ ٹھہرو میرے پاس کچھ پانی ہے میں لاتا ہوں۔

انیسہ ـــــ اور تم کیا کرو گے۔

برہان ـــــ میری زندگی سے تمہاری زندگی زیادہ قیمتی ہے۔ تم میرا فکر نہ کرو۔

یہ کہتے ہی وہ لوٹا اور جس قدر بھی اس کے پاس پانی تھا۔ سب انیسہ کو جا دیا۔ انیسہ نے [illegible] ایسی شکر گزار نظروں سے دیکھا جس کی اسے کسی حالت میں بھی توقع نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ واپس [illegible] آیا اور سالم دن پیاسا رہا۔

دوسرے روز دور پر سبزہ نظر آیا۔ کچھ ہرے بھرے درخت بھی دیکھے۔ سمندر کے سفر کرنے [illegible] کو خشکی دیکھ کر وہ خوشی نہیں ہو سکتی۔ جو ان نیم مردہ لوگوں کو دور پر سبزہ دیکھ کر ہوئی۔

انہوں نے اپنی رفتار بڑھا دی اور بہت جلد ریگستان سے نکل کر سبزہ زار میں آگئے۔ یہاں [illegible] ان علاقہ دھوپ کی تپش کم ہو گئی۔ پانی بھی مل گیا۔ انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا۔

اگلے روز وہ اجمیر کے نواح میں پہنچ گئے۔ چونکہ وہ سب حد درجہ نحیف ہو گئے تھے۔ اس [illegible] سستانے کے لیے اسی جگہ مقیم ہو گئے۔ جس ریگستان کو وہ طے کر کے آئے تھے۔ اس کے [illegible] مقابلہ میں یہ سرزمین جنت زار تھی۔

شاندار کوچ

اسلامی لشکر ستا کر تازہ دم ہو گیا۔ سپاہیوں کے چہروں پر رونق آگئی اور ان کی سابقہ چستی پھر [illegible] عود کر آئی۔ عورتیں اور لڑکیاں بھی شاداب پھولوں کی طرح تر و تازہ ہو گئیں۔

اس لق و دق اور کف دست میدان کو طے کرنے میں نہ کوئی انسان فوت ہوا اور نہ کوئی جانور [illegible] سب صحیح و سالم اس وادی موت سے نکل آئے۔ یہ خدا ہی کی مہربانی ہوئی تھی۔

غازی سلطان محمود نے ماہ ستمبر ۱۰۲۴ء کو غزنی سے کوچ کیا تھا اور ماہ اکتوبر ۱۰۲۴ء میں [illegible] ملتان میں اتر گئے تھے اور نومبر کے آخر میں نواح اجمیر میں جا پہنچے تھے۔

سلطان نے اپنے تمام چھوٹے بڑے افسروں سے دریافت کر لیا کہ کوئی سپاہی بیمار یا کمزور [illegible] باقی نہیں رہ گیا ہے۔ جب انہیں یہ اطمینان ہو گیا کہ سب تندرست اور چاق و چوبند ہو [illegible] گئے ہیں تب انہوں نے لشکر کو کوچ کی تیاری کا حکم دیا۔

مجاہدین نے تیاری شروع کر دی۔ ایک روز عصر کے وقت سلطان نے خاص خاص افسر
خیمہ پر طلب کیا۔ ان سے کہا: "اور اب وہ سرزمین شروع ہو گئی ہے۔ جس کے چپہ چپہ پر دشمن
گروہ بکھرے ہوئے ہیں۔ ہر دستہ اور ہر سپاہی کو پوری احتیاط رکھنی چاہیئے۔ مجھے خیال
لشکر کے ساتھ ساتھ دشمن کی جمعیت رہے گی اور ہماری ذرا سی غفلت سے بھی فائدہ اٹھانے
کرے گی۔ اس لیے سپاہیوں کو منتشر ہونے دینا اور دشمنوں کی حرکت پر نگاہ رکھنا چونکہ
ہندوؤں کا کعبہ اور مرجع خلائق ہے اس لیے اسے بچانے کے لیے ممکن ہے۔ تمام ہندو
پڑے یہ مہم اور مہموں کی طرح معمولی نہیں ہے۔ بلکہ یہ وہ معرکہ ہے جو قیامت تک یادگار رہ
ہر سپاہی اور ہر افسر کو بڑے استقلال، بڑے جوش اور بڑی دلیری سے کام لینا چاہیے
لشکر کی تقسیم و ترتیب اس طرح سے کر دی ہے کہ ہراول پر ہارون اور برہان رہیں گے۔ میمنہ پر
میسرہ امیر علی خویشاوند، ساقہ میں حاجب رہیں گے اور قلب میں خود میں رہوں گا۔ اگر اس ترتیب
ترمیم کی ضرورت ہو تو بتاؤ۔"

تمام افسروں نے کہا: "نہایت مناسب ترتیب ہے اس میں ترمیم کی گنجائش نہیں ہے۔"

سلطان ـــــ ہارون! میں نے تمہیں ہراول میں اس لیے مقرر کیا ہے کہ تم اس نواح
ہندوؤں کی زبان سمجھتے اور بول لیتے ہو۔ تمہیں چاہیے کہ جو قلعہ یا شہر آئے اس کے قلعہ
کہ وہ ہماری مزاحمت نہ کرے۔ لشکر کو بہ عافیت گزر جانے دے۔
اگر کوئی اس بات کو نہ مانے اور مزاحم ہو تو اس پر فوراً حملہ کر دو اور راستہ کے کانٹے کی طرح

ہارون نے ادب سے کہا: "عالی جاہ! ایسا ہی ہو گا۔"

سلطان ـــــ لشکر کے ساتھ جس قدر عورتیں ہیں سب کو ایک ساتھ جمع کرو اور وہ
رہیں۔ پانچسو سواران عورتوں کی حفاظت و نگرانی کے لیے علیحدہ کر دیئے گئے ہیں۔

سلطان کی ہر تدبیر معقول تھی۔ عورتوں کو قلب میں رکھنا اور ان کی حفاظت کے لیے
لشکر متعین کر دینا عین دانش مندی تھی۔

اس مشورہ کے بعد یہ مجلس برخاست ہو گئی اور مغرب کی نماز پڑھ کر سپاہی کھانا تیار کرنے
میں مصروف ہو گئے۔

برہان اس وقت تنہا خیموں کی قطاروں کے درمیان سے گزر رہا تھا۔ اسلامی لشکر دور تک
پھیلا ہوا تھا۔ میلوں کے گرد و نواح میں خیموں کا شہر بسا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

اگرچہ لشکرگاہ میں روشنی کا کوئی انتظام نہ تھا لیکن چونکہ تمام سپاہی کھانا تیار کر رہے تھے۔ اس لیے
ہر خیمہ کے سامنے آگ روشن ہو رہی تھی اور اس روشنی میں لشکرگاہ حد انتہا تک نظر آ رہا تھا۔
خیموں کی قطاروں کے درمیان کافی فاصلہ تھا اور اسی وجہ سے لشکر دور تک پھیل گیا تھا۔
سلطان چاہتے تھے کہ لشکر کو پھیلے ہوئے دیکھ کر دشمن ان کی صحیح تعداد کا پتہ نہ لگا سکے۔ بلکہ
دھوکہ میں رہے اسی لیے انہوں نے دور تک لشکر کو پھیلا دیا تھا اور تمام افسروں کو یہ ہدایت کر دی تھی
کہ جس جگہ بھی جا کر قیام کریں نہایت کشادہ طور پر خیمے نصب کریں اور اپنے دستہ کے کچھ سپاہیوں کو لشکر
کی حفاظت پر مامور کر دیں۔ دشمنوں کی طرف سے کسی وقت اور کسی حالت میں بھی غافل نہ رہیں۔
برہان چلا آ رہا تھا۔ کہ اسے ہلکے قدموں کی چاپ معلوم ہوئی اس نے پلٹ کر اپنی پشت کی
طرف دیکھا۔
اس وقت چاند نکل آیا تھا اور چاندنی نے لشکرگاہ پر سفید نورانی چادر پھیلا دی تھی۔ برہان نے ایک
لڑکی کو اپنے پیچھے آتے دیکھا۔ اس نے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا۔ وہ انیسہ تھی۔
برہان کھڑا ہو گیا۔ انیسہ نے قریب آ کر شوخی کے لہجہ میں کہا: "او ہو آپ ہیں۔"
برہان کو خیال ہوا کہ شاید وہ کسی اور کی تلاش میں تھی۔ اس لیے اس خیال سے اس کا قلب مجروح
ہو گیا۔ اس نے کہا تم شاید کسی کی تلاش میں تھیں۔
انیسہ ـــــ نہیں میں کسی کی تلاش میں نہ تھی۔ مگر تم کس کی تلاش میں جا رہے ہو۔
برہان ـــــ میں تمہاری تلاش میں آیا تھا۔
انیسہ ہنس پڑی۔ اس وقت اس کی صورت چاندنی میں جگمگا رہی تھی۔
آنکھوں سے بجلیاں خارج ہو رہی تھیں۔ اس نے کہا میں خوب جانتی ہوں آپ کو۔
برہان ـــــ شوخ انیسہ - - - - - - - -
انیسہ ـــــ شریر برہان - - - - - - -
برہان ـــــ مجھے تم جو بھی خطاب دو وہ قابل فخر ہے۔
انیسہ ـــــ آخر کہاں جا رہے تھے آپ۔
برہان ـــــ خدا گواہ ہے۔ میں تم سے ملنے کیلئے اس طرف آیا تھا۔
انیسہ نے بھولی صورت بنا کر دریافت کیا۔ کیوں؟
برہان ـــــ جب تک تمہیں دیکھ نہیں لیتا دل کو بے چینی رہتی ہے۔

انیسہ ـــــ جی درست ہے۔

برہان ـــــ تمہیں یقین نہیں آیا۔ کیوں یقین آنے لگا۔ تم صنم (بت) ہو۔ وہ صنم جس کی ہندو پوجا کرتے ہیں۔

انیسہ نے مسکرا کر کہا۔ برہان کس قدر تعجب کی بات ہے کہ ہندو پتھروں کے بتوں کو پوجتے ہیں

ہارون ـــــ وہ احمق ہیں۔ انہیں تو تمہاری پرستش کرنی چاہیے۔ انیسہ نے شرما کر کہا۔ "اب چل نکلے نا آپ"۔

ہارون ـــــ انیسہ! تم پتھر کے بت سے بھی زیادہ سنگدل ہو۔

انیسہ ـــــ یہ اپنی اپنی سمجھ ہے۔

ہارون ـــــ تم جانتی ہی نہیں محبت کیا ہے۔

انیسہ ـــــ خدا کسی کو اس پھیر میں نہ ڈالے۔

ہارون ـــــ جفا کیش۔

انیسہ نے ہنس کر کہا۔ "اچھا سلام۔ ۔ ۔ ۔ "

وہ چلی۔ برہان نے آواز دے کر کہا۔ "اک ذرا ٹھہرو انیسہ!"

انیسہ نے رک کر کہا۔ "فرمائیے!"

برہان نے اس کے پاس پہنچکر کہا۔ "آخر یہ سرد مہری کب تک رہے گی؟"

انیسہ، دیکھو شاید کوئی آ رہا ہے۔

یہ کہتے ہی اس نے ایک زقند بھری اور بجلی کی طرح غائب ہو گئی۔ برہان چند لمحے کھڑا دیکھتا رہا۔ پھر آگے روانہ ہو گیا۔

اسے انیسہ سے محبت تھی۔ بہت زیادہ محبت۔ وہ چاہتا تھا کہ انیسہ اس سے گھنٹوں نہیں دنوں باتیں کیے جائے۔

اس سے اگلے ہی روز ہراول نے کوچ کر دیا۔ برہان اور ہارون پانچ ہزار لشکر کے ساتھ روانہ ہو گئے۔

اس لشکر کے بھی انہوں نے دو ٹکڑے کر لیے تین ہزار ہارون نے اپنے تحت میں رکھا اور دو ہزار برہان کی سرکردگی میں دے دیا اور دونوں پانچ میل کے فاصلے سے آگے پیچھے روانہ ہوئے ہراول کے بعد دوسرے دن التونتاش اور امیر علی خویشاوند پانچ پانچ ہزار لشکر لے کر

میمنہ اور میسرہ میں چل پڑے ان دونوں نے بھی اپنے لشکر کو پانچ پانچ ٹکڑے کر دیئے گویا ایک ایک ہزار کے دستے بنا دیئے اور ہر دستہ دوسرے دستہ سے ایک میل کے فاصلے سے روانہ ہوا اس طرح یہ دونوں لشکر شاہی لشکر کے دونوں بازوؤں پہ پانچ میل دوری میں پھیل گئے۔

سلطان نے اپنے ساتھ قلب میں دس ہزار فوج رکھی۔ اس میں سے پانچ سو سوار عورتوں کی حفاظت پہ مقرر کر دیئے۔ پانچ سو سوار لشکر کی نگرانی پہ متعین کیے اور بقیہ نو ہزار کو نو حصوں میں تقسیم کر دیا اور ان نو دستوں کے تین گروہ بنا کر ایک ایک میل کے آگے پیچھے روانہ کر دیئے اس طرح شاہی لشکر تین میل کے فاصلہ میں پھیل گیا۔ جس کے دونوں بازوؤں پر چند میل کی دوری پر التونتاش اور امیر علی جا رہے تھے جو پانچ پانچ میل آگے پیچھے پھیلے ہوئے تھے۔

صاحب علی بھی پانچ ہزار سواروں کے ساتھ اتنی دوری پہ پھیل پھیل کر روانہ ہوا۔ جس سے میمنہ، میسرہ اور قلب تینوں لشکروں کی حفاظت ہو سکے اور پیچھے سے دشمن اگر کسی دستہ پہ اچانک حملہ نہ کر سکے۔

غازی سلطان محمود اور ان کے ہوشمند افسروں کی دانش مندی سے تھوڑا سا لشکر آٹھ دس میل کی دوری میں پھیل گیا۔ جس سے دیکھنے والوں کو لشکر کی تعداد اصل سے چوگنی معلوم ہونے لگی۔

سب سے پہلے ہراول اجمیر میں پہنچا۔ اجمیر کے راجہ کو یہ بات پہلے ہی معلوم ہو گئی تھی کہ سلطان محمود کا لشکر طوفان کی صورت میں بڑھا چلا آ رہا ہے اور چونکہ مخبروں نے بیان کیا تھا کہ لشکر بے حد و بے شمار ہے۔ اس لیے وہ مقابلہ کی جرأت نہ کر سکا بلکہ اس پہ کچھ ایسی ہیبت چھائی کہ دار السلطنت کو چھوڑ کر پہاڑوں میں گھس کر پناہ گزین ہوا۔

ہارون جب اجمیر کے قلعہ میں داخل ہوا۔ تو وہاں چڑیا بھی نہ تھی تمام باشندے بھی بھاگ گئے تھے۔ تمام قلعہ ویران پڑا ہوا تھا۔ مسلمانوں کو ان کے بھاگ جانے سے بڑا افسوس ہوا۔ لیکن ساتھ ہی یہ خوشی بھی ہوئی کہ دشمنوں پہ ان کا رعب اس قدر طاری ہو گیا ہے کہ وہ مزاحمت کرنے اور سد راہ ہونے کی جرأت نہیں کرتے ہارون نے اجمیر میں داخلہ اور راجہ کے بھاگ جانے کی اطلاع تمام سرداروں اور خود ظل اللہ سلطان محمود تک پہنچا دی۔

سب کو اس خبر کے سننے سے خوشی ہوئی۔ ہارون نے ایک روز اجمیر میں قیام کیا اور دوسرے روز آگے روانہ ہو گیا۔ کئی روز سفر کرنے کے بعد تارا گڑھ پہنچا۔

تارا گڑھ کا قلعہ بھی نہایت بلند، وسیع اور مضبوط تھا۔ لیکن وہاں بھی مزاحمت کے آثار نظر نہ آئے اور ہارون اسے بھی چھوڑ کر حدود گجرات میں داخل ہو گیا۔ اسے راستہ میں کئی قلعے اور شہر ملے

لیکن کہیں بھی کوئی ان کا سدراہ نہ ہوا۔ آخر وہ اہلواڑہ کے قریب جا پہنچے۔

چونکہ اہلواڑہ کا راجہ بڑا راجہ تھا۔ اس لیے یہ خیال کر لیا گیا کہ وہ ضرور مزاحمت کرے گا اور مقابلہ پر آئے گا۔ ہارون اہلواڑہ کے قریب مقیم ہو گیا اور اس نے راجہ کے پاس جانے کا ارادہ کیا۔ ایک روز قیام کرکے دوسرے دن وہ پچاس جانبازوں کو لے کر مہاراجہ اہلواڑہ سے گفتگو کرنے کے لیے روانہ ہو گیا۔

آٹھواں باب

گرفتاری

چونکہ ہارون کے ساتھ تھوڑا لشکر تھا۔ اس لیے پرم دیو مہاراجہ اہلواڑہ نے اس کی آمد کی پرواہ بھی پرواہ نہ کی۔ یہاں تک کہ قلعے کے پھاٹک بھی بند نہ کرائے۔

اہلواڑہ کا قلعہ نہایت مضبوط۔ بڑا کشادہ اور بہت ہی اونچا تھا۔ اس کی فصیل پر راجپوت چڑھ گئے تھے اور وہ مسلمانوں کو دعوت جنگ دے رہے تھے۔ دروازوں پر پہرہ تھا۔ جب ہارون ایک دروازہ پر پہنچا تو اسے روک دیا گیا اور اس کے آنے کی اطلاع پرم دیو کو کی گئی۔

پرم دیو نے فوراً ہی دربار منعقد کرکے درباریوں کو بلا لیا اور ہارون کو آنے کی اجازت دی۔

ہارون قلعہ کے اندر داخل ہوا اس نے پہلی ہی نظر میں دیکھ لیا کہ قلعہ آسانی سے فتح ہونے والا نہیں۔ مضبوط بھی ہے اور لوگوں سے بھرا ہوا بھی ہے۔

راجپوت سپاہی مسلمانوں کو دیکھ کر اکڑ گئے تھے۔ نہایت شان سے ہتھیار لگائے ادھر ادھر آ جا رہے تھے۔

ہارون اور اس کے ساتھی شیرانِ اسلام راجپوت سپاہیوں کو دیکھتے ہوئے بڑھے چلے گئے۔

چونکہ ان نواح کے ہندوؤں نے مسلمانوں کو نہ دیکھا تھا اس لیے عوام الناس بھی انہیں دیکھنے کے لیے امنڈ آئے تھے۔ تمام راستے ہندو مردوں اور عورتوں سے بھر گئے تھے۔ وہ ترکوں کو حیرت اور خوف بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

مسلمان نہایت بیباکی سے راہبروں کے ساتھ چل رہے تھے۔ دربار کو قصر شاہی کے نیچے سے راستہ جاتا تھا۔ شاہی عورتیں محل کے برآمدوں میں کھڑی ہوئی تھیں۔ ان میں کامنی بھی تھی اور اس کی والدہ مہارانی بھی تھی۔

کامنی نے پہلے بھی ہارون کو دیکھا تھا وہ اسے دیکھتے ہی پہچان گئی۔ اس نے اپنی والدہ سے کہا

"ماتا جی! اس ترک نے چندر موہنی کو ڈاکوؤں کے ہاتھوں سے بچایا تھا۔"

اس کی والدہ نے کہا، یہ تو بالکل نوجوان ہے۔ لیکن کیسا نڈر اور بے باک ہے۔ ہماری قوم کے سورماؤں (بہادروں) کا اس کے دل پر بالکل بھی اثر نہیں پڑا ہے۔

ایک اور عورت نے کہا اور کیسا وجیہہ اور شاندار ہے۔ ان کے کپڑے تو دیکھو کیسے عجیب ہیں مہارانی اور ہتھیار بھی دیکھے۔ پھر سارے مسلمان ایک ہی لباس پہنے ہوتے ہیں۔

کاسی تو سچ کہتی تھی یہ نوجوان بڑا پیارا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یہ مہاگرو سے ملنے کیوں گیا تھا۔

کامنی ـــــ مہاگرو کہتے تھے کہ سیر کے لیے آیا تھا۔ مگر یہ ضرور جاسوس بن کر آیا تھا۔

اس عرصہ میں ہارون قصر شاہی سے گزر کر دربار کے دروازہ پر پہنچ گیا تھا۔ یہاں ہزاروں راجپوت قطار در قطار اپنے چوڑے کھانڈے کندھوں پر رکھے اور لوہے کی بڑی بڑی سیاہ ڈھالیں پشت پر ڈالے کھڑے تھے۔

چونکہ ہارون اور اس کے ساتھیوں کو دربار میں داخلہ کی اجازت مل چکی تھی اس لیے وہ درآنہ دربار میں داخل ہوا۔

دربار کا کمرہ نہایت وسیع اور کشادہ تھا۔ اس کی چھت بہت سے اونچے اونچے ستونوں پر استادہ تھی۔ درباری نیم برہنہ تھے اور انہوں نے زیورات سے عریاں جسم کو ڈھکنے کی بیہودہ سی کوشش کی تھی۔ وہ سب پورے ہتھیاروں سے مسلح تھے۔

پرم دیو کا سنگھاسن (تخت گاہ) کمرہ کی سطح سے تقریباً بارہ فٹ بلند تھا۔ گویا وہ اپنے درباریوں سے بارہ فٹ کی اونچائی پر ایک کشتی نما تخت پر بیٹھا تھا۔ وہ بھی نیم برہنہ تھا۔ نہایت عمدہ قسم کے ریشم کی دھوتی پہنے ہوئے تھا۔ باقی جسم ننگا تھا۔ لیکن اس نے اس کثرت سے چھوٹے بڑے موتیوں اور جواہرات کے ہار پہن رکھے تھے کہ اس کا چوڑا سینہ ان سے ڈھک گیا تھا۔ لیکن کمر بالکل کھلی ہوئی تھی۔ ہاتھوں کہنیوں تک چاندی کے منقش بیر جواہر دستانے چڑھا رکھے تھے اور بازوؤں پر چوڑے چوڑے سونے کے بازو بند تھے۔ جو مرصع تھے سر پر پٹے تھے اور تاج اس قسم کا تھا کہ اس میں سے بال نظر آ رہے تھے۔

پرم دیو ادھیڑ عمر کا تھا۔ لیکن نہایت قوی الجثہ تھا۔ اس کے چہرہ سے ذہانت اور شجاعت ٹپکتی تھی۔ اس کے قریب ہی ایک چاندی کی کرسی پر اس کا بیٹا سکھدیو بھی بیٹھا تھا۔

ہارون بڑھ کر راجہ کے قریب پہنچا۔ اس کے ساتھی اس کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ پرم دیو نے

ایک مترجم پہلے سے بلا لیا تھا۔ جو سنگھاسن کے نیچے کھڑا ہوا تھا۔

ہارون یا کسی مسلمان نے بھی راجہ کو سلام نہیں کیا۔ پرم دیو نے مترجم سے کہا "ان وحشی مسلمانوں سے پوچھ کہ یہ کیوں میرے پاس آئے ہیں؟"

ہندوستان کے عوام تو کیا فرمانروا تک اس وقت بالکل جنگلی اور وحشی تھے اور تو اور وہ یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ انسانوں کو برہنہ نہیں رہنا چاہیے۔ ان کی طرزِ معاشرت وحشی جنگلیوں کی سی تھی۔ تمدن کا ان پر سایہ تک نہ پڑا تھا لیکن خود کو بڑا متمدن سمجھتے تھے اور اپنی تہذیب پر انہیں بڑا ناز تھا۔ مسلمانوں کو وحشی اور غیر مہذب سمجھتے تھے۔ حالانکہ رفتہ رفتہ انہوں نے تہذیب جدید مسلمانوں ہی سے حاصل کی۔

قارئین کرام یہ سمجھ لیں کہ راجہ مترجم کے ذریعہ سے گفتگو کر رہا تھا۔ ہارون نے جواب دیا "ہم اس لیے آئے ہیں کہ آپ کو متنبہ کر دیں کہ ہمارے شہنشاہ کا ارادہ سومنات پر حملہ کرنے کا ہے۔ ہم جس ملک اور جس شہر میں گزرے کسی نے ہماری مزاحمت نہیں کی۔ آپ بھی نہ کریں اور ہمیں بعافیت اپنی قلمرو میں سے گزر جانے دیں۔"

راجہ نے طنزاً کہا "اب تک تم جن قلعوں کے سامنے سے ہو کر آئے ہو ان کے فرمانبروا بزدل اور پست ہمت تھے۔ لیکن میں ان جیسا نہیں ہوں۔ میرے دل میں سومنات جی کی عزت و عظمت ہے۔ میں تمہیں ہرگز اپنی قلمرو میں سے گزرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

ہارون نے بیباکی سے بغیر کسی جھجک کے کہا "تب آپ لڑنے کے لیے تیار ہو جائیے۔ لیکن اس بات کو سوچ لیجیے کہ آپ لاہور کے راجہ جے پال سے زیادہ قوت نہیں رکھتے ہیں۔ بھٹنیر کے راجہ بیجے رائے سے زیادہ لشکر نہیں رکھتے ہیں۔ پیشعر کے راجہ سکھپال کی برابر عظمت نہیں رکھتے ہو۔ نارائن کے راجہ سے زیادہ غیور نہیں ہو۔ نندونہ کے پہاڑی راجہ اندر بھیم سے زیادہ بہادر آپ کے لشکر میں نہیں ہیں۔ تھانیسر کے راجہ سے زیادہ آپ کا جاہ جلال نہیں ہے۔ کشمیر کے راجہ بن مئی سے زیادہ آپ کا ملک دشوار گزار نہیں ہے۔ برن (بلند شہر) کے راجہ ہردت اور مہابن (متھرا) کے راجہ کل چند سے زیادہ آپ کے پاس مضبوط قلعے نہیں ہیں۔ قنوج کے راجہ جے پال سے زیادہ آپ لشکر نہیں ہیں۔ ان تمام راجاؤں پر ہم نے فتح حاصل کر لی ہے۔ ان کا فخر غرور خاک میں ملا دیا ہے ان کے ملکوں اور قلعوں پر قبضہ کر کے انہیں اپنا باجگذار بنا لیا ہے۔ آپ کیوں اپنے ملک کی تباہی کے درپے ہیں جنگ سے صلح بہتر ہے۔ پھر ہم آپ سے آپ کا ملک نہیں مانگتے۔ خراج طلب نہیں کرتے صرف راستہ چاہتے ہیں۔ اس ذرا سی بات پر جھگڑا مول نہ لیجیے۔"

ہارون نے جتنے ممالک اور جتنے راجاؤں کا ذکر کیا سرغازی سلطان محمود نے ان سب ملکوں اور راجاؤں پر یورشیں کر کے انہیں ہزیمت دی تھی اور وہ سب سلطان کے حلقہ بگوش ہو کر خراج ادا کرنے لگے تھے۔

دراصل جلالت پناہ ظل اللہ سلطان محمود نے ہندوستان میں رہنے اور اپنی عظیم الشان سلطنت قائم کرنے کی نہ کبھی کوشش کی نہ ارادہ کیا۔ ورنہ مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک تمام ہندوستان فتح کر کے ایسی مستحکم حکومت قائم کر لیتے۔ جس کی نظیر دنیا میں نہیں ہوتی۔

اس وقت جتنے بھی بڑے بڑے راجہ اور مہاراجہ تھے سلطان نے ان سب کو فتح کر کے اپنی عظمت وقوت کا جھنڈا ہندوستان میں گاڑ دیا۔

پرم دیو ہارون کی گفتگو سن کر نہایت برہم ہوا۔ اس نے کہا۔ تم نے جن راجاؤں کا ذکر کیا۔ وہ سب بکھیڑے، بے ہمت اور بے غیرت تھے۔ انہوں نے شکست کھائی اور تمہارے سلطان کی اطاعت اختیار کر لی۔ لیکن انہلواڑہ کا راجہ ایسا نہیں ہے۔ میرا نام پرم دیو ہے۔ میں انسان کو کوئی ہستی نہیں سمجھتا۔ تمہارا کیا نام ہے۔

ہارون ——— میرا نام ہارون ہے۔

پرم دیو ——— میں تمہاری گستاخانہ جرأت کی معافی دیتا ہوں جاؤ اپنے سلطان سے کہہ دو کہ راستہ نہیں دیا جا سکتا۔ اگر اس میں ہمت و جرأت ہے تو راستہ ...... حاصل کر لے۔

ہارون ——— انشاء اللہ راستہ حاصل کیا جائے گا۔ جب آپ شیران اسلام کو دیکھیں گے تو ممکن ہے خود ہی راستے سے ہٹ جائیں۔

یہ کہہ کر ہارون دربار سے باہر نکل آیا۔ وہ تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ سکھدیو اس کے پاس آیا۔ اس کے ساتھ بھی ایک مترجم تھا۔ اس نے مترجم کے ذریعہ سے کہا "کیا آپ تھوڑی دیر ٹھہر کر میری چند باتیں سنیں گے؟"

ہارون اسے نہ جانتا تھا۔ اس نے اسے راجہ پرم دیو کے پاس بیٹھے دیکھا۔ وہ سمجھا شاید راجہ نے اسے بھیجا ہے اس نے کہا "کہیئے"

سکھدیو ——— میں علیحدگی میں کچھ باتیں کرنی چاہتا ہوں۔

ہارون ——— چلیئے۔ مگر آپ کون ہیں۔

سکھدیو ——— میں راجکمار ہوں۔ آپ اپنے آدمیوں کو رخصت کر دیں اور مجھ سے گفتگو

کرنے کے بعد تشریف لے جائیں۔

ہارون ——— معاف کیجئے میں اپنے آدمیوں کو رخصت نہیں کر سکتا۔

سکھدیو ——— آپ مجھ پر اعتماد نہیں کرتے۔ میں چندر موہنی کا قاصد ہوں اور اس کا پیغام پہنچانا چاہتا ہوں۔

ہارون کو معلوم نہ تھا کہ سکھدیو کی چندر موہنی سے شادی ہونے والی ہے اور وہ اس کا رقیب ہے چندر موہنی کا نام اور اس کے پیغام کا ذکر سن کر وہ اس کے چکمہ میں آ گیا۔ اس نے اپنے ہمراہیوں کو رخصت کر دیا اور سکھدیو کے پاس آ گیا

سکھدیو اس سے نرمی کے ساتھ گفتگو کرتا ہوا روانہ ہوا۔ جب وہ قصر شاہی کے نیچے پہنچا تو دفعتہ گھات سے راجپوتوں نے اچانک حملہ کر کے ہارون کو گرفتار کر لیا۔ کامنی جھروکہ میں سے یہ کارروائی دیکھ رہی تھی۔ جب ہارون کو جکڑ دیا گیا تب سکھدیو نے قہقہہ لگا کر کہا "تم میرے رقیب ہو ہارون! چندر موہنی میری منگیتر ہے میں نے تمہیں گرفتار اور قتل کر ڈالنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اور تم کو گرفتار کر لیا ہے۔ اب قتل کر ڈالنا باقی ہے۔

ہارون غضب ناک ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ اس نے پر جوش لہجہ میں کہا۔ دغا باز کمینے! تجھے اس دغا بازی کی سزا ملے گی۔

سکھدیو نے سپاہیوں کو اشارہ کیا اور وہ ہارون کو لے کر چلے گئے۔

غم ربا خبر

سکھدیو اور کامنی نے مل کر جو جال چندر موہنی کو پھانس کر ڈالے جانے کا پھیلایا تھا اسے شوبھا دیوی نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔ سکھدیو کو سخت ناکامی ہوئی تھی اور وہ انہلواڑہ چلا گیا تھا۔

اگرچہ چندر موہنی نے کامنی کو بدستور سہیلیوں کے زمرہ میں رکھنے کا اقرار کر لیا تھا۔ لیکن کامنی کو کچھ ایسی شرم دامن گیر ہو گئی تھی اور وہ راج کماری سے کچھ ایسی آنکھیں چرانے لگی تھی کہ اس سے سومنات میں نہ رہا گیا اور چند روز کے بعد ہی وہ بھی چندر موہنی کی والدہ سے اجازت لے کر اپنے باپ پرم دیو کے پاس انہلواڑہ چلی گئی۔

چندر موہنی کو اس بات کا افسوس تھا کہ کامنی جیسی بھولی اور نیک دل لڑکی سازش کا شکار ہو گئی۔

پھر بھی اس نے اپنی کسی حرکت سے اس پر بے اطمینانی یا خفگی کا اظہار نہیں کیا تھا۔

چندر موہنی اس قدر نیک معصوم اور بھولی تھی کہ اسے کامنی کے چلے جانے کا بھی افسوس ہوا لیکن اس نے اسے بلانے کی کوئی کوشش نہیں کی اور اب وہ شوبھا دیوی کے آنے کا انتظار کرنے لگی۔

اس کے دل کو یہ بات لگی ہوئی تھی کہ وہ جلد سے جلد یہ بات معلوم کرے کہ جب کہ وہ سومنات کے مہاراجہ کی لڑکی نہیں ہے۔ تو کون ہے۔ کس کی لڑکی ہے۔ اس کے والدین کون ہیں۔ کہاں رہتے ہیں۔ سومنات کے مہاراجہ نے اسے کیوں پرورش کیا۔ وہ کیسے راج کماری بن گئی۔

وہ خوب جانتی تھی کہ شوبھا دیوی غلط وعدہ نہیں کرتی ہے۔ اس نے چند روز میں آنے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ اس کے آنے کا انتظار کر رہی تھی۔

اسے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ ایک روز جب کہ کچھ تھوڑا ہی ساون چڑھا تھا۔ اور چندر موہنی غسل اور پوجا پاٹ سے فارغ ہو کر باغیچہ میں سیر کر رہی تھی۔ شوبھا دیوی آ گئی۔

چندر موہنی کے دل میں اس کا بڑا احترام تھا۔ اس نے اس کے پاس پہنچ کر اس کے قدم چھوئے۔ شوبھا دیوی نے اسے دعا دی۔

اس وقت بھی چندر موہنی کے ساتھ اس کی کئی سہیلیاں اور کنیزیں تھیں اور چونکہ شوبھا دیوی کی سب عزت کرتی تھیں۔ اس لیے چندر موہنی کی طرح سب نے اس کے پیر چھوئے اور اس نے سب کو دعا دی۔

چندر موہنی نے دریافت کیا۔ تم مہابن (متھرا جی) ہو آئیں ماتا جی!

شوبھا دیوی نے جواب دیا۔ نہیں میں گوکل بھی نہ جا سکی مجھے راستہ ہی میں معلوم ہو گیا تھا کہ سلطان محمود طوفان برق رفتار کی طرح آ رہا ہے۔ میں فوراً ہی واپس لوٹ آئی اور راجکماری میں تم سے تنہائی میں گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔

یہ سنتے ہی تمام سہیلیاں اور ساری کنیزیں ہٹ کر دور جا کر کھڑی ہو گئیں۔ چندر موہنی نے کہا۔ ماتا جی آپ تو کہتی تھیں کہ میں راجکماری نہیں ہوں۔

شوبھا دیوی میں اب بھی یہی کہتی ہوں مجھے معلوم ہے کہ تم اپنے والدین کا حال معلوم کرنے کے لیے بہت بے چین ہو۔ . . . .

چندر موہنی نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ ہاں میں بہت بے چین ہوں۔ پرماتما کیلئے

یہ پردہ اٹھایئے اور بتایئے میں کون ہوں۔

شوبھا دیوی ـــــ چندر موہنی! ابھی اس راز کا پردہ اٹھانے کا وقت نہیں آیا ہے۔ کچھ دنوں تجھے اور صبر سے کام لینا ہو گا۔ مگر وہ وقت بہت قریب آ رہا ہے جب تو اس راز سے آگاہ ہو جائے گی۔ اس وقت میں کئی خبریں تجھے سنانے کے لیے آئی ہوں۔ میرا خیال ہے۔ کسی خبر کو تو سن کر غمگین اور افسردہ آئی ہوئی اور کسی خبر کو سن کر حیران و ششدر رہ جائے گی۔ پہلی بات تو یہ ہے۔ مگر تمہیں واقعات و حالات سنانے سے پہلے مجھے کچھ تجھ سے پوچھنا ہے۔

چندر موہنی شوبھا دیوی کو حیرت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے کہا۔ "پوچھیئے"

شوبھا دیوی ـــــ میں اس وقت پوچھوں گی۔ جب تو یہ اقرار کرے گی کہ میرے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دو گی۔

چندر موہنی کو اور بھی حیرت ہوئی۔ وہ حیران کن نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔ شوبھا دیوی نے کہا۔ اس میں حیران ہونے کی کوئی بات نہیں ہے۔ چندر موہنی مجھے کچھ ایسی باتیں معلوم ہوئی ہیں جس کا تعلق خاص تیری ذات سے ہے۔

مجھے اپنی ماتا (والدہ) ہی سمجھ اور جو کچھ میں پوچھوں اس کا صحیح۔ صحیح جواب دے۔ اس بات کا اطمینان رکھ کہ میں نہ کسی سے اس کا ذکر کروں گی۔ نہ تیرے متعلق کوئی برا خیال قائم کروں گی۔ بلکہ تیری منشاء کے مطابق وہ کروں گی۔ جو تو چاہتی ہے۔

چندر موہنی کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا۔ کہ شوبھا دیوی ایسے کیا سوالات کرنے والی ہے۔ جو اس نے اتنی بڑی تمہید اٹھائی۔ اس نے کہا۔ میں آپ کے سوالوں کا صحیح صحیح جواب دوں گی۔

شوبھا دیوی ـــــ مجھے یہی توقع ہے تجھ سے۔ سوالات کرنے سے پہلے میں تجھے یہ بتا دینا چاہتی ہوں کہ سلطان محمود غزنوی سومنات پر محض تیری وجہ سے حملہ آور ہوا ہے۔

یہ سن کر چندر موہنی کی آنکھیں فرط حیرت سے پھٹی رہ گئیں ـــــــ اس نے انتہائی استعجاب سے دریافت کیا۔ میری وجہ سے ـــــــ

شوبھا دیوی نے سنجیدگی سے کہا۔ ہاں تیری وجہ سے ـــــــ

چندر موہنی یہ مسلمان بادشاہ کس قدر برے ہوتے ہیں ـــــــ

شوبھا دیوی ـــــ سلطان محمود برے بادشاہوں میں نہیں ہے۔ نہ بد نظر ہے نہ اس نے

تیرے حسن و جمال کی تعریف سنی ہے نہ تجھ سے محبت کرتا ہے۔ ان باتوں میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے۔

چندر موہنی ـــــ پھر وہ میری وجہ سے کیوں حملہ آور ہوا ہے۔

شوبھادیوی ـــــ یہ بھی ایک راز ہے اور سلطان کے یہاں آتے پر کھل جائے گا۔

چندر موہنی ـــــ ماتا جی۔ آپ سب کچھ جانتے ہوئے بھی مجھے کچھ کیوں نہیں بتاتی ہیں۔

شوبھادیوی ـــــ میری بیٹی! ابھی میرے منہ پر قفل لگا ہوا ہے۔

چندر موہنی ـــــ یہ تالا کس نے لگایا ہے کیا ایشور نے؟

شوبھادیوی ـــــ ہاں ایشور نے۔ میری بچی راز جوئی کی کوشش کر کے اپنے دل کو تکلیف نہ دے۔ ہاں اب میں تجھ سے سوالات کرتی ہوں۔ پہلی بات یہ بتا جب تو گرو مہاراج سے ملنے گئی تھی کیا تجھے کوئی وہاں ترک ملا تھا۔

چندر موہنی ـــــ ایک نہیں دو ترک ملے تھے اور انہوں نے مجھے اور میری سہیلیوں اور کنیزوں کو ڈاکوؤں کے ہاتھوں سے بچایا تھا۔

شوبھادیوی ـــــ ان دونوں ترکوں میں سے ایک کا نام ہارون تھا۔

چندر موہنی ـــــ ہاں یہی نام تھا۔

شوبھادیوی نے ایسی تیز نظروں سے جو چندر موہنی کو اپنے دل کو اندر اترتیں اور رازوں کا جائزہ لیتیں معلوم ہوئی پوچھا۔ تجھے ہارون سے محبت ہو گئی ہے۔

چندر موہنی چونک پڑی۔ وہ تذبذب میں پڑ گئی۔ جواب ہی نہ دے سکی۔ شوبھادیوی برابر تیز نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے نرمی سے کہا۔ جواب دو بیٹی۔

چندر موہنی نے کہا۔ میں ننگ خاندان ہوں ماتا جی!

شوبھادیوی ـــــ یہ میری بات کا جواب نہیں ہے تم نے اقرار کیا ہے کہ میری باتوں کا صحیح جواب دو گی۔

چندر موہنی ـــــ اور میں اس اقرار پر قائم ہوں۔

شوبھادیوی ـــــ تو صحیح جواب دو۔

چندر موہنی ـــــ یہ سچ ہے ماتا جی! افسوس مجھے ایک ملیکش سے.......

شوبھادیوی ـــــ ہاں اگرچہ یہ ایک بڑی بات ہے لیکن محبت اندھی ہوتی ہے تیرے کچھ مبالغہ

نہیں۔ اب یہ بتا کیا تیرے دل میں سکھدیو کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔

چندر موہنی ـــــ بالکل نہیں ہے۔

شوبھادیوی ـــــ اب سن سکھدیو نے ہارون کو اپنا رقیب سمجھ کر دھوکہ سے گرفتار کر لیا ہے اور اسے قتل کر ڈالنے کی فکر میں ہے۔

چندر موہنی کی گویا جان نکل گئی۔ وہ پیکر رنج و غم بن کر شوبھادیوی کو دیکھنے لگی۔ اس کا چہرہ حسرت و درد میں ڈوب گیا۔ شوبھادیوی نے تسلی دہ لہجہ میں کہا۔ غم نہ کر چندر موہنی۔ ایشور اس کی حفاظت کرے گا۔ سلطان محمود آندھی اور گھٹا کی طرح بڑھا چلا آ رہا ہے۔ وہ انہلواڑہ میں آ گیا ہے۔ ہارون سے اسے بڑی محبت ہے اگر سکھدیو نے حماقت کر کے ہارون کو ذرا بھی تکلیف دی تو سلطان اس قلعہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ زن و فرزند کو قتل کر ڈالیں گے۔ اطمینان رکھو بیٹی! ہارون کا بال بھی بیکا نہ ہوگا۔

چندر موہنی نے غم ربا لہجہ میں کہا۔ لیکن ماتا تم سکھدیو کو نہیں جانتی ہو وہ نہایت ہی بد باطن اور کینہ پرور ہے۔ مجھے اس کی طرف سے اندیشہ ہے۔

شوبھادیوی ـــــ اندیشہ نہ کر میری بچی! میں انہلواڑہ جا رہی ہوں۔ تیری خاطر سے ہارون کو بچانے کی کوشش کروں گی۔

چندر موہنی نے شکر گزار نظروں سے دیکھ کر کہا تم مجھ پر کس قدر مہربان ہو۔ میں زندگی بھر تمہارا احسان مند رہوں گی۔

شوبھادیوی ـــــ جب تجھ پر راز ظاہر ہو جائے گا اور حقیقت منکشف ہو جائے گی۔ تو چندر موہنی تو.......... مگر نہیں میں قبل از وقت کچھ کہنا نہیں چاہتی۔

چندر موہنی ـــــ تمہاری باتوں سے میرے دل میں اور آتش اشتیاق بھڑک اٹھتی ہے کاش تم میری اصل حقیقت سے مجھے خبردار کر دیتیں۔

شوبھادیوی ـــــ ابھی صبر کر چندر موہنی! حقیقت کا پردہ اپنے وقت پر خود ہی کھل جائے گا۔

چندر موہنی نے آزردہ خاطر ہو کر کہا "تمہاری مرضی.........."

شوبھادیوی پگھل گئی۔ اس نے کہا۔ تو ملول ہو گئی بیٹی! اچھا میں تجھے اصل حقیقت سے خبردار کیے دیتی ہوں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ......"

حقیقت کے اظہار کی کوئی شرط نہیں ہونی چاہیے" ایک آواز آئی۔ شوبھادیوی اور

چندر موہنی دونوں نے بیک وقت نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔ انہیں مہاگرو دھرمپال آتے ہوئے نظر آئے دونوں نے بڑھ کر قدم چھوئے۔ انہوں نے دونوں کو اشیرباد (دعا) دی۔ شوبھا دیوی نے لرزیدہ نگاہوں سے دھرمپال کو دیکھ کر کہا "معاف فرمایئے۔ میں چندر موہنی کی آزردگی نہ دیکھ سکی۔ اور ۔ ۔ ۔ ۔ اس پر حقیقت کا انکشاف کرنے کو تیار ہو گئی"

دھرمپال ——— وعدہ بھی کوئی چیز ہے۔ عہد شکنی سب سے بڑا گناہ ہے۔

شوبھا دیوی ——— پرماتما میری کمزوری کو معاف کرے۔

دھرمپال ——— چلو چندر موہنی اتو اس (قصر شاہی) میں چلو حقیقت کا اس اسی وقت خوب ہے جب اس سے مسرت وانبساط حاصل ہو۔ اگر کلفت پہنچنے کا خوف ہو تو راز کا پردہ نہ اٹھانا بہتر ہے۔

چندر موہنی کچھ نہیں بولی۔ وہ دھرمپال کے ساتھ چل پڑی شوبھا دیوی بھی ایک طرف روانہ ہو گئی۔

نواں باب

فرار

ہارون کے ساتھ جو مجاہدین گئے تھے۔ وہ قلعہ سے باہر کر اس کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔ دفعتاً انہوں نے فصیل پر راجپوتوں کو شور کرتے ہوئے سنا۔ ساتھ ہی قلعہ کا پھاٹک بند ہو گیا۔

ان مسلمانوں نے سمجھ لیا کہ ہندوؤں نے دغابازی کی اور ہارون کو دھوکہ سے قید کر لیا۔ انہیں ان کی اس قدر بوچ حرکت پر بڑا طیش وغصہ آیا اور انہوں نے پلٹ کر قلعہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔

چنانچہ جوں ہی وہ پلٹے فوراً ہی راجپوتوں نے تیروں کی باڑھ ماری۔ ۔ ۔ جسے انہوں نے اپنی اپنی چوڑی چوڑی ڈھالوں پر روکا۔

چونکہ ہارون کو واپس آنے میں دیر ہو گئی تھی۔ اس لیے برہان کچھ سپاہیوں کے ساتھ وہاں آگیا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ ہارون قلعہ کے اندر رہ گیا ہے۔ تو اسے بڑا رنج و قلق ہوا۔ لیکن اس کے ساتھ سپاہیوں کی تعداد بہت ہی کم تھی اس لیے اس نے قلعہ پر دھاوا کرنا مناسب نہ سمجھا اور مجاہدین کو لے کر واپس لوٹ آیا۔

اسلامی لشکر میں آتے ہی اس نے کئی سوار دوڑا کر التونتاش امیر علی خویشاوند اور خود سلطان کو اس واقعہ کی اطلاع دے دی۔

جس کسی نے بھی اس واقعہ کو سنا اسے بڑا ملال ہوا۔ انہوں نے غضب ناک ہو کر حکم دیا کہ فوراً مہاوڑہ کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا جائے۔

یہ سلطانی حکم تمام افسروں کے پاس پہنچ گیا اور ہر افسر نے تیزی سے قلعہ کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔

پرم دیو نے بہت سے جاسوس راجپوت سلطانی لشکر کے حالات معلوم کرنے کے لیے بھیج دیئے تھے۔ چونکہ راجپوتوں کی صورتیں الگ تھیں۔ حلیے الگ تھے۔ پوشش الگ تھی۔ اس

لیے وہ سلطانی لشکر میں شامل نہیں ہو سکتے تھے۔ دور ہی پہچان لیے جاتے تھے۔ مسلمانوں نے ایسے کئی راجپوتوں کو گرفتار کر لیا۔ جو جاسوسی کرنے آئے تھے۔

ان جاسوسوں کی زبانی مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ پرم دیو نے بیس ہزار لشکر سومنات کی مدد کے لیے بھیجدیا ہے اور تیس ہزار راجپوت انہلواڑہ میں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ اس کا ایک قلعہ جنوب کی سمت میں سمندر کے اندر ایک قطعہ زمین پر واقع ہے۔ جس کا نام گندابہ ہے۔ بیس ہزار لشکر اس کا وہاں ہے۔ اگر وہ چاہے تو ایک ہفتہ کے اندر اس لشکر کو بھی انہلواڑہ میں لا سکتا ہے۔

مگر مسلمانوں نے اس خبر سے کوئی بڑا اثر نہیں لیا۔ انہوں نے انہلواڑہ پر یورش کرنے کے لیے برابر پیش قدمی جاری رکھی۔

کچھ جاسوس ایسے بھی تھے۔ جو مسلمانوں کی نظروں سے بچے اور چھپے رہے اور لشکر سے دور رہ کر اسلامی لشکر کی نقل و حرکت اور اس کی تعداد معلوم کر کے واپس لوٹ گئے۔

ان جاسوسوں نے یہ بات دیکھی تھی کہ عساکر اسلامیہ میلوں کے طول و عرض میں پھیلا ہوا ہے۔ وہ اس کی تعداد نگنی سمجھی اور پرم دیو کو جا کر بتایا کہ پندرہ میل کے طول اور دس میل کے عرض میں اسلامی لشکر پھیلا ہوا ہے۔ سپاہی ایک لاکھ سے کم نہیں معلوم ہوتے۔

مسلمانوں کی اتنی بھاری تعداد سن کر پرم دیو کے ہوش جاتے رہے اسے یقین ہو گیا کہ مسلمان انہلواڑہ کا قلعہ ضرور فتح کر لیں گے۔ اس پر کچھ ایسی ہیبت چھائی کہ اس نے دن میں منادی کرادی کہ رات کے وقت سب لوگ قلعہ سے نکل جائیں اور قلعہ خالی کر دیں۔ سپاہیوں کو بھی کوچ کرنے کا حکم دے دیا گیا۔

قلعہ کے لوگ نہایت سراسیمہ ہوئے۔ انہوں نے بڑی تیزی سے تیاری شروع کر دی۔ لیکن صرف چند گھنٹے کے اندر ہر شخص کا اپنا تمام سامان باندھ کر لے جانا صرف دشوار بلکہ ناممکن تھا اس لیے لوگوں نے ضروری اور قیمتی سامان باندھا اور غیر ضروری یا وزنی اسباب چھوڑ دیا۔

پرم دیو نے تمام خزانہ اور بیش بہا چیزیں دن میں چھکڑوں اور دوسری بار برداریوں میں بار کرا دیں۔ تمام فوجی گاڑیاں۔ ہاتھی خچر اور گھوڑے دے دیئے گئے اور انہلواڑہ کو ایسا کر دیا۔ جیسے وہ عرصہ سے غیر آباد ہو۔

جب کہ لوگ گھبراہٹ اور پریشانی کے عالم میں سامان کی فراہمی اور باندھنے جوڑنے میں مصروف تھے۔ اس وقت سکھدیو کو خیال ہوا کہ کیوں وہ ہارون کو تہ خانہ میں بند چھوڑ جائے کیوں نہ ایسے

قتل کر کے اس کا قصہ ہی پاک کر ڈالے۔

اس نے دو ہی روز میں قبل ہارون کو گرفتار کر کے ایسے تہ خانہ میں قید کر دیا تھا۔ جس میں ہوا اور روشنی کا گزر نہ ہوتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ اس قبر نما تاریک قید خانہ میں بھوکا اور پیاسا پڑا پڑا رگڑ رگڑ کر مر جائے۔

لیکن دو ہی روز میں صورت حال بدل گئی تھی۔ اس وقت قلعہ چھوڑنے کا کسی کو خیال بھی نہ تھا لیکن اب اسے چھوڑنے اور خالی کرنے کا انتظام ہو رہا تھا۔ اس لیے سکھدیو نے یہی مناسب سمجھا کہ ہارون کا کام ہی تمام کر ڈالے۔

چنانچہ اس نے ایک افسر کو بھیج کر ہارون کو طلب کیا۔ یہ افسر وہی تھا جس نے اس کے کہنے سے ہارون کو دھوکہ سے گرفتار کیا تھا۔ وہ چند سپاہیوں کو لے کر روانہ ہوا اور تہ خانہ پہنچ کر قیدی کے محافظوں کو حکم دیا کہ وہ قیدی کو باہر نکالیں لیکن اسے یہ معلوم کر کے سخت حیرت ہوئی کہ قیدی نامعلوم طور پر غائب ہو گیا ہے اور صبح ہی سے اس کی تلاش کی جا رہی ہے۔

افسر کو یہ بات سن کر نہایت ہی حیرت ہوئی۔ یہ تہ خانہ وہ تھا۔ جہاں خونی یا کٹر ڈاکو یا اس قسم کے دوسرے بڑے مجرم رکھے جاتے تھے اور آج تک کبھی کوئی مجرم فرار یا غائب نہیں ہوا تھا۔

اس نے کہا: نہایت حیرت کی بات ہے کہ قیدی غائب ہو گیا ہے۔ لیکن اب تمہیں سکھدیو کے غضب سے کون بچا سکتا ہے۔ وہ یقیناً تم سب کو قتل کرا دے گا۔

محافظوں نے عاجزی اور رونا شروع کر دیا۔ افسر نے کہا "تمہاری التجاؤں اور گریہ وزاری سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ میں مجبور ہوں کہ تمہیں گرفتار کر کے لے چلوں"

چنانچہ اس نے تمام محافظوں کو جو دس تھے۔ حراست میں لے لیا اور سکھدیو کے پاس انہیں لا کر کہا: "راج کماری! ان محافظوں کی غفلت سے قیدی فرار یا غائب ہو گیا ہے۔ میں ان مجرموں کو گرفتار کر کے حضور میں لے آیا ہوں۔

سکھدیو کو کمال حیرت ہوئی اور جب حیرت زدہ ہوئی تو اس پر غصے نے قبضہ کر لیا۔ اس نے پر غضب نگاہوں سے محافظوں کو دیکھ کر کہا۔

"کمینہ نمک حرامو! تم نے اس قیدی کو چھوڑ دیا۔ جس نے میری روحانی تکلیف کا باعث تھا کیوں تم نے ایسا کیا"

تمام محافظ سپاہی اس کے پیروں میں گر گئے اور رگڑ رگڑ کر کہنے لگے۔ حضور ہم بالکل

بے قصور ہیں۔ سومنات جی کی سوگند (قسم) ہم نے۔ اسے رہا نہیں کیا۔ ایشور ہی جانتا ہے وہ کیسے غائب ہو گیا؟

سکھدیو ــــ تم نے تہ خانہ کو اچھی طرح دیکھا ہے؟ کہیں وہ وہیں چھپا ہوا نہ ہو۔

ایک محافظ ــــ حضور ہم نے تہ خانہ کا چپہ چپہ دیکھ ڈالا ہے۔

ایک مرتبہ۔ وہ وہاں نہیں ہے۔ تعجب یہ ہے کہ اسے بھاری اور مضبوط زنجیر میں جکڑا گیا تھا۔ زنجیر کھلی ہوئی ملی اور وہ غائب ہو گیا۔

سکھدیو ــــ گویا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ وہ جن تھا یا جن اسے چھڑا کر لے گئے۔

دوسرا محافظ ــــ ان داتا۔ وہ انسان تھا۔ ہماری ہی طرح کا انسان لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ غائب ہو چکا ہے۔

سکھدیو ــــ میں اس بات کو نہیں مان سکتا۔ ضرور تم لالچ کا شکار ہو گئے۔ تم نے بھاری رشوت لے کر اسے چھوڑ دیا۔ اگر اصل حال تم ظاہر کر دو تو میں شاید تمہارے ساتھ کچھ رعایت کر سکوں۔ ورنہ خوب سمجھ لو کہ میرا نام سکھدیو ہے اور مجرموں کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کیا کرتا۔

تمام محافظوں نے رو کر کہا۔ ان داتا ہم بے قصور ہیں۔ ہم نے رشوت نہیں لی۔ ہم نے اسے نہیں چھوڑا۔ وہ غائب ہو گیا۔ آپ ہماری بات کا وشواس (یقین) کریں۔

سکھدیو نے طیش میں آ کر ان کے قتل کر ڈالنے کا حکم دیا۔ وہ لوگ جو بدبخت محافظوں کو ہراست میں لے کر آئے تھے۔ انہیں قتل کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

محافظوں کی روح نکل گئی۔ انہوں نے رو رو کر جان بخشی کی التجا کی لیکن شنوائی نہیں ہوئی اور انہیں سب کو ایک ایک کر کے قتل کر دیا گیا۔

سکھدیو نہایت خونخوار قسم کا انسان تھا۔ بے رحم اور سفاک بھی تھا۔ انسانوں کو مٹی کا کھلونا سمجھتا۔ بدنصیب مقتولوں کی لاشیں ان کے وارثوں کے سپرد کر دی گئیں اور انہیں ہدایت کر دی کہ متوفیوں کی موت پر ایک آنسو بھی نہ بہائیں۔

لیکن سکھدیو کو حیرت ضرور تھی کہ ہارون گیا کہاں۔ وہ خوب جانتا تھا کہ اگر محافظ اسے چھوڑ دیتے۔ تو وہ دروازہ ہی کے ذریعے سے باہر جا سکتا تھا اور دروازہ کے پہرہ دار اسے ہرگز بھی قلعہ سے نہ ... نکلنے دیتے۔

انہلواڑہ کے چار عالی شان دروازے تھے اور چاروں پر ہمہ وقت سنگین پہرہ رہتا تھا۔

وہ چاروں دروازوں پر پہنچا اور ان کے پہرہ والوں سے ہارون کے متعلق تحقیقات کی سب نے اسے دیکھنے تک سے انکار کر دیا۔ اب اسے خود اپنے اوپر غصہ آیا کہ اس نے گرفتار کرتے ہی ہارون کو قتل کیوں نہ کر دیا قید ہی کیوں کیا۔

اس غم و غصہ میں رات ہو گئی۔ ابتدائے رات ہی میں پرم دیو کا حکم کوچ کرنے کے لیے ہو گیا لیکن یہ تاکید کر دی گئی کہ مطلق شور و غل نہ کیا جائے۔ نہایت خاموشی اور بڑی احتیاط سے لوگ روانہ ہوں۔

چنانچہ ہر شخص چپ چاپ روانہ ہونے لگا۔ پہلے عام لوگ چلے پھر لشکر روانہ ہوا اور آدھی رات سے قبل ہی قلعہ خالی کر دیا گیا۔

حیرت ناک ملاقات

غازی سلطان محمود کا لشکر انہلواڑہ سے ایک میل کے فاصلہ پر فروکش تھا اور چونکہ میمنہ اور میسرہ وغیرہ جس طرح مقرر کر دیے گئے تھے۔

اسی طرح ہر دستہ جداگانہ تھا۔ اس لیے کئی میل کے طول و عرض میں مجاہدین اسلام چھاؤنی چھائے پڑے تھے۔

جس رات کو پرم دیو انہلواڑہ سے نکل کر بھاگا ہے اس رات کو ریحان ہراول کے دستہ کی گرداوری کر رہا تھا۔ اسے اپنے دوست ہارون کے قید ہو جانے کا بڑا رنج اور صدمہ تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح قلعہ میں داخل ہو کر اپنے دوست کو چھڑا لائے۔ چنانچہ پچھلی رات میں وہ بڑھ کر قلعہ کے قریب پہنچ گیا۔

رات اندھیری تھی۔ ایسی اندھیری کہ چند قدم کے فاصلہ کی بھی کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔ ہر طرف سیاہ چادر سی تنی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ آسمان پر تارے بکھرے ہوئے تھے اور اس کثرت سے کہ سارا آسمان ان سے بھر گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے سیاہ آبنوسی طشت میں جواہرات انڈیل دیے گئے ہوں۔

سردی کا موسم شروع ہو گیا تھا اگرچہ ہوا بند تھی لیکن خفیف جھونکے اب بھی چل رہے تھے اور بعض مرتبہ جسم میں کپکپی پیدا کر دیتے تھے۔

اندھیرے میں قلعہ سیاہ پہاڑی معلوم ہو رہا تھا۔ ہر طرف سکون و خاموشی کا تسلط تھا۔ جنگل بھیانک معلوم ہو رہا تھا قلعہ کی فصیل پر کسی قسم کی نہ روشنی تھی نہ وہاں سے کسی پہرہ والے کی آواز آ رہی تھی
برہان نے اپنے سپاہیوں سے کہا۔ قلعہ والے خاموش ہیں۔ معلوم ہوتا ہے۔ سب غفلت کی نیند پڑے سو رہے ہیں۔ اگر اس وقت اندھیرے میں ہم قلعہ میں رسائی حاصل کر لیں تو۔ . . .

ایک سپاہی نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ لیکن ہم ایسا نہیں کر سکتے کیا آپ بھول گئے کہ سلطان والا جاہ کا یہ حکم ہے کہ بغیر ان کے حکم۔ . . کوئی شخص قلعہ کے قریب جانے کی بھی کوشش نہ کرے

برہان فوراً ہی رک کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہا۔ افسوس میں اس حکم کو بھول گیا تھا۔ بڑی یاد دلائی میں تمہارا مشکور ہوں۔ تم نے یاد دلایا۔ ہارون کی محبت مجھے یہاں تک کھینچ لائی اور شاید اس محبت ہی نے میرے دل سے۔ . . سلطانی حکم بھلا دیا۔ خدا معاف کرے۔ آؤ واپس چلیں۔

مسلمان اپنے افسروں کے بڑے اطاعت گزار تھے۔ حکم کی تعمیل میں اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈال دیتے تھے۔ مثلاً دشوار گزار پہاڑوں پر چڑھ جاتے تھے۔ عمیق و عریض دریاؤں میں پھاند پڑتے تھے۔ بے شمار دشمنوں سے نبرد آزما ہو جاتے تھے۔ سر بفلک قلعوں کی فصیلوں پر چڑھنے لگتے تھے۔ غرض جس وقت اور جو حکم دیا جاتا تھا۔ فوراً اس کی تعمیل کرتے تھے۔ نافرمانی کو تو وہ جانتے ہی نہ تھے۔ اگر کبھی سہواً کوئی نافرمانی ہو جاتی تھی۔ تو انہیں بڑا افسوس ہوتا تھا۔ مدت تک پچھتاتے رہتے تھے۔

چنانچہ برہان کو بھی حد درجہ افسوس ہوا۔ وہ آہستہ آہستہ واپس لوٹا۔ اس کے ساتھ سوار تھے۔ سب تاریکی کے سیاہ پردوں کو چاک کر کے لشکر کی طرف بڑھ رہے تھے۔

دفعۃً انہوں نے کچھ کھٹکا سنا۔ وہ چونک کر ہوشیار ہو گئے۔ برہان نے پوچھا تم نے کھٹکا کی آواز سنی۔

کئی سپاہیوں نے جواب دیا۔ جی ہاں سنی ہے۔

برہان ـــــ شاید کوئی جنگلی جانور قریب معلوم ہوتا ہے۔

ایک سپاہی ـــ کوئی جانور ہے یا انسان لیکن ہے ضرور کوئی۔

برہان ـــــ خاموش کھڑے ہو جاؤ اور کان لگا کر سنو

سب چپ چاپ کھڑے ہو گئے اور کان لگا کر سننے لگے۔ خشک پتوں اور گھاس کے چرچرانے کی آواز آ رہی تھی۔ جیسے کوئی دبے قدموں۔ . . بڑی احتیاط سے آ رہا ہو۔

برہان نے آہستگی سے کہا، "کوئی انسان ہی ہے جو بڑی احتیاط سے آ رہا ہے شاید تنہا ہے۔"

ایک مجاہد بولا۔ اور ہمارے بہت قریب آ گیا ہے۔

دفعۃً آواز آئی۔ کیا تم مسلمان ہو۔

برہان نے آواز پہچان لی۔ اس نے جوش و مسرت کے لہجہ میں۔ . . ہارون تم ہو۔ . . . .

. . . خدا کی قسم میں نے تمہاری آواز پہچان لی ہے۔

پھر آواز آئی برہان تم ہو۔ میرا بھی یہی خیال تھا۔

برہان فوراً گھوڑے سے کود پڑا اور بے تحاشا آواز کی طرف دوڑتے ہوئے بولا۔ دوست خدا کا شکر ہے تم آزاد ہو گئے ہم سب تمہاری وجہ سے نہایت پریشان اور بڑے رنجیدہ تھے۔

سیاہ پردوں کو چاک کر کے ایک آدمی تیزی سے بڑھا اور برہان کے قریب آ کر بڑی گرم جوشی سے بغل گیر ہوا یہ ہارون ہی تھا۔ برہان نے کہا۔ خدا کا لاکھ لاکھ احسان ہے تم آ گئے۔ حضرت سلطان المعظم بھی تمہارے قید ہو جانے سے نہایت غمگین اور بہت زیادہ متفکر ہو گئے تھے۔

ہارون ـــــ میں جہاں پناہ کی اس ہمدردی کا عمر بھر شکر گزار ہوں گا۔ میرا خیال تھا کہ تم مجھے چھڑانے قلعہ تک آؤ گے۔

برہان ـــــ میں اس وقت رات کو ضرور قلعہ میں داخل ہو جاتا اگر عالم پناہ سلطان والا جاہ نے یہ ممانعت نہ کر دی ہوتی کہ کوئی مسلمان۔ . . قلعہ کے قریب نہ جانے پائے۔

ہارون نے متاسف نگاہوں سے برہان کو دیکھ کر کہا۔ لیکن تم نے نافرمانی کیوں کی۔ قلعہ کے قریب کیوں آئے۔

برہان ـــــ میں تمہارے خیال میں کچھ ایسا غرق ہوا کہ اس حکم ہی کو بھول گیا۔ گرداوری کرتا ہوا یہاں چلا آیا۔ قلعہ کی فصیلوں پر خاموشی دیکھ کر دل میں امنگ پیدا ہوئی کہ قلعہ کے اندر داخل ہو جاؤں۔ لیکن فوراً ہی ایک سپاہی نے شاہی حکم یاد دلایا اور میں جلدی سے واپس لوٹ چلا۔

ہارون ـــــ دوست! اگر تمہاری جگہ میں ہوتا تو میں بھی ایسا ہی کرتا

برہان ـــــ لیکن مجھے یہ تعجب ہے کہ تم دشمن کے چنگل میں کیسے آ گئے۔

ہارون ـــــ میں خود حیران ہوں۔ بس یہ سمجھو کہ خدا ہی کو یہ منظور تھا۔ ورنہ جس وقت شہزادہ سکندر اعظم نے مجھے روکا اور مجھ سے گفتگو کرنے کی استدعا کی میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ وہ مجھے دھوکہ دینا چاہتا ہے۔ لیکن قدرت کے اس انتباہ پر بھی میں متنبہ نہ ہوا اور میں نے اپنے ساتھیوں

کو رخصت کر دیا۔

برہان ۔۔۔ سب کو یہی حیرت تھی کہ تم جیسا دانشمند آل اندیش اور دغا و فریب کو سمجھنے والے کیسے دشمنوں کے دھوکہ میں آ گیا۔

ہارون ۔۔۔ حقیقت یہ ہے برہان کہ محبت اندھا، بہرہ اور کم عقل کر دیتی ہے۔

برہان نے متعجب ہو کر دریافت کیا۔ کیا انہلواڑہ میں کسی سے محبت ہو گئی ہے تمہیں۔

ہارون ۔۔۔ نہیں۔ دغاباز اراجکار نے مجھ سے کہا کہ وہ چندر موہنی کا قاصد ہے اور اس کا پیغام سنانا چاہتا ہے۔

برہان ۔۔۔ چندر موہنی! کیا سومنات کی راجکماری

ہارون ۔۔۔ ہاں۔

برہان ۔۔۔ اوہ میں سمجھ گیا۔ وہ دغاباز ضرور راجکماری کو چاہتا ہے۔

ہارون ۔۔۔ صرف چاہتا ہی نہیں بلکہ چندر موہنی اس کی منگیتر ہے۔

برہان ۔۔۔ اسی لیے اس نے یہ جال پھیلایا۔ لیکن تم رہا کیسے ہوئے۔

ہارون ۔۔۔ اسے بھی تائید ایزدی ہی سمجھئے۔

برہان ۔۔۔ اس میں کیا شک ہے۔ لیکن ہوا کیا۔

ہارون ۔۔۔ ذرا صبر کرو۔ سلطان کے روبرو تمام حال بیان کروں گا۔

برہان ۔۔۔ تم سیدھے قلعہ ہی سے نکلے چلے آ رہے ہو۔

ہارون ۔۔۔ جی ہاں۔

برہان ۔۔۔ دوست کیوں نہ ہم خاموشی سے قلعہ میں داخل ہو جائیں۔

ہارون ۔۔۔ اب قلعہ میں داخل ہونے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ برہان نے متحیر ہو کر اس کو دیکھتے ہوئے کہا کیوں۔

ہارون ۔۔۔ اس لیے کہ قلعہ خالی پڑا ہے۔ وہاں ایک متنفس بھی۔۔۔ باقی نہیں رہا۔

برہان نے اور بھی متعجب ہو کر پوچھا کیوں اہل قلعہ کہاں چلے گئے۔

ہارون ۔۔۔ وہ قلعہ خالی کر کے بھاگ گئے۔

برہان ۔۔۔ بڑے ہی بزدل تھے۔

اب صبح ہو گئی تھی۔ مشرق کی طرف سے دل کش روشنی نمودار ہو چکی تھی۔ اندھیرا دور ہونے والا

پھیلنے لگا تھا۔

جب یہ لوگ فرودگاہ کے قریب پہنچے تو صبح کی اذان کی آواز آئی۔ کئی آدمی مل کر اذان دے رہے تھے۔

مجاہدین اسلام اذان کی آواز سنتے ہی بیدار ہو ہو کر خیموں سے نکلنے اور ضروریات سے فراغت کرنے کے لیے ادھر ادھر جانے لگے تھے۔

روشنی دم بدم پھیلتی جاتی تھی۔ آسمان نہایت سہانا ہو گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے آسمان مسکرا رہا ہو اور اس کے تبسم سے روشنی پھیلتی جاتی ہو۔

چونکہ رات کو شبنم پڑی تھی۔ اس لیے گھاس تر ہو کر شاداب ہو گئی تھی۔ کائنات کے ذرہ ذرہ، گلشن کی کلی کلی، درختوں کے پتوں پتوں اور گھاس کے تنکے تنکے میں نئی زندگی کے آثار نظر آتے تھے۔ سب تر و تازہ اور دلفریب ہو گئے تھے۔

مسلمانوں نے وضو کیا اور جماعت کے ساتھ صبح کی نماز پڑھنی شروع کی۔ خدائے واحد کے سامنے پانچ ہزار آدمیوں کا۔۔۔ رکوع اور سجدے کرنا نہایت دل کش معلوم ہو رہا تھا۔

نماز کے بعد ہی مسلمانوں کو ہارون کے آنے کی اطلاع ہو گئی۔۔۔ سب کو نہایت درجہ مسرت ہوئی۔ سب نے اس کی مع الخیر واپسی پر خدا کا شکر ادا کیا۔

نماز سے فارغ ہو کر برہان اور ہارون دونوں سلطانی لشکر کی طرف روانہ ہو گئے۔

دسواں باب

ہارون کی داستان رہائی

ہم بیان کر آئے ہیں کہ سلطان قلب لشکر میں تھے ہارون اور برہان کے دستوں کے پیچھے۔ چونکہ اس وقت میمنہ اور میسرہ، ہراول اور قلب، سب مقیم تھے۔ اس لیے مجاہدین اپنی ٹکری سے ادھر ادھر گھوم رہے تھے۔ میمنہ والے میسرہ والوں سے اور ہراول والے قلب والوں سے ملنے کے لیے آجا رہے تھے۔ جس دوری میں لشکر اسلام فروکش تھا۔ اتنے حلقہ میں خوب چہل پہل ہو رہی تھی۔

ہارون اور برہان کو سینکڑوں مجاہدین آتے جاتے ملے چونکہ ہارون کی گرفتاری کی خبر مشہور ہو گئی تھی اور اس سے ہر شخص واقف تھا۔ اس لیے اسے دیکھنے والے پہلے حیران ہوتے پھر خدا کا شکر ادا کرتے اور پھر ان کی رہائی پر انہیں مبارکباد دیتے۔

ہارون مسلمانوں کی اس اخوت و محبت سے بہت زیادہ متاثر ہو رہے تھے۔

جب وہ سلطانی فرودگاہ میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ مسلمان نہایت اطمینان اور بڑی بے فکری سے اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہیں۔ بعض ہتھیار صیقل کر رہے ہیں۔ بعض لباس کی درستی میں مشغول ہیں۔ بعض کھانا تیار کر رہے تھے اور بعض درختوں کے سایہ میں سبز مخملی فرش پر گروہ در گروہ بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔

اگرچہ وہ دشمنوں کے ملک میں، دشمنوں کے سامنے میدان جنگ میں موجود تھے اور انہیں کچھ نہ کچھ بے اطمینانی اور پریشانی ہونی چاہیے تھی۔ لیکن اس کے برعکس وہ نہایت مطمئن تھے ایسے مطمئن جیسے اطمینان اور امن کی جگہ میں محفوظ ہوں۔

ہارون اور برہان انہیں دیکھتے ہوئے بڑھتے رہے یہاں تک کہ لشکر گاہ میں داخل ہوئے۔ یہاں خیموں کا شہر بسا ہوا تھا۔ چھوٹے بڑے خیمے قطار در قطار حد نگاہ تک پھیلے ہوئے تھے۔ خیموں کی ترتیب اس طرح تھی کہ شمال سے جنوب تک لمبی قطاریں چلی گئی اور ایک قطار سے دوسری قطار بیس قدم کے فاصلہ پر تھی۔ اس طرح ہر قطار کے درمیان اس قدر راستہ چھوٹا ہوا تھا کہ چار سوار نہایت آسانی سے بیک وقت گزر سکتے تھے۔

چونکہ سلطان کا خیمہ لشکر کے وسط میں ہوتا تھا۔ اس لیے ان دونوں کو کافی فاصلہ طے کرنا پڑا اور جب یہ اس خیمہ کے سامنے پہنچے جس پر سلطانی علم لہرا رہا تھا۔ تو وہ گھوڑوں سے اتر گئے۔

سلطان کے لیے کئی خیمے نصب کیے جاتے تھے اور وہ مختلف ضروریات کے لیے ہوتے تھے۔ مثلاً کھانا کھانے، سونے کا، نشست برخاست کا دربار خاص کا۔ سرداروں اور مشیروں سے گفتگو کرنے کا وغیرہ۔

لیکن ایک خیمہ جو خاص سلطانی خیمہ کہلاتا تھا۔ اس پر اسلامی پرچم لہراتا رہتا تھا۔ یہی وہ جھنڈا تھا جو اس سے پہلے پندرہ مرتبہ ہندوستان میں آچکا تھا اور ہمیشہ سربلند رہا تھا۔ یہی وہ جھنڈا تھا جسے دیکھ کر دشمنوں کے دلوں میں کپکپی پیدا ہو جاتی تھی اور یہی وہ جھنڈا تھا۔ جسے دیکھ کر مجاہدین کے دلوں میں سرفروشی کا جذبہ پیدا ہو جاتا تھا۔ ہر مسلمان اس جھنڈے کا احترام کرتا تھا۔

اس سلطانی قیام گاہ کے گرد ہر وقت سنگین پہرہ رہتا تھا۔ جانباز سو فوجی سپاہی ننگی تلواریں لیے ایک محدود دائرہ میں گھومتے رہتے تھے۔

جوں ہی پہرہ داروں نے ہارون اور برہان کو دیکھا۔ انہوں نے فوجی قاعدہ سے انہیں سلام کیا اور چند سپاہی سلطان سے ان کی باریابی کی اجازت لینے کے لیے چلے گئے۔

جب سلطان کو ہارون کے اچانک آنے کی اطلاع ہوئی تو وہ نہایت خوش ہوئے اور انہوں نے سجدہ شکر ادا کیا۔ انہیں ہارون سے کچھ ایسی محبت تھی کہ اس کے استقبال یا اس سے ملنے کے شوق میں خیمہ سے باہر نکل آئے۔

ہارون نے بڑھ کر فرزندانہ سعادت سے نہایت ہی ادب سے جھک کر سلام کیا۔ غازی سلطان محمود نے اس کی پشت پر دست شفقت پھیرتے ہوئے کہا۔ تیری گرفتاری کی خبر سن کر ہارون! بڑا ہی صدمہ ہوا تھا۔

لیکن خدا کا شکر ہے کہ تو رہا ہو کر آگیا۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے۔ خدا نے یہ مجھ پر اور تمام مسلمانوں پر احسان کیا ہے۔

ہارون ـــــ جلالتمآب کو اپنے خادموں سے بڑی ہی محبت ہے۔ ظل اللہ کی بڑھی ہوئی

شفقت و محبت ہی نے ہر سپاہی اور ہر مجاہد کو وفادار خادم اور جاں نثار خانہ بنا دیا ہے۔

سلطان ——— جب ہم نے تیری گرفتاری کی خبر سنی تو خوف ہوا کہیں برہان دوستی کی آگ میں کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھے۔ جس سے یہ بھی گرفتار ہو جائے یا اسلامی لشکر کو نقصان پہنچ جائے۔ اس لیے ہم نے اس کے پاس فرمان بھیج دیا تھا کہ ہمارے پہنچنے تک یہ کوئی کاروائی نہ کرے۔

برہان ——— عالم پناہ کے اس حکم ہی نے مجھے اپنے ارادہ سے باز رکھا۔ ورنہ میں قلعہ پر یورش کرنے کا ارادہ کر چکا تھا۔

سلطان ——— میں جانتا ہوں کہ دوستوں میں دو حقیقی بھائیوں سے زیادہ محبت ہوتی ہے۔ جس طرح بھائی کے لیے بھائی جان دینے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دوست کے لیے دوست بھی جان دے دیتا ہے۔ بلکہ بسا اوقات دوست بھائی سے بڑھ کر جانبازی کر دکھاتا ہے۔ خوش قسمت ہے وہ شخص جس کا دنیا میں ایک دوست بھی ہو۔ تم دونوں اس معاملہ میں خوش قسمت ہو۔ آؤ خیمہ کے اندر چلو۔

سلطان گھوم کر خیمہ کے اندر داخل ہوئے۔ ہارون اور برہان بھی ان کے پیچھے ہی پیکر ادب بنے گھس گئے۔

غازی سلطان محمود زر نگار مسند پر گاؤ تکیہ سے سہارا لے کر جا بیٹھے۔ ان کے سامنے دونوں دوست بھی جا بیٹھے۔

تمام خیمہ میں خوشنما اور دبیز قالینوں کا فرش ہو رہا تھا اور خیمہ کی چوبوں پر یا تو ہتھیار لٹک رہے تھے اور یا ہندوستان کے نقشے آویزاں تھے۔

سلطان نے کہا ہاں اب اپنی گرفتاری اور رہائی کے مفصل واقعات بیان کرو ہارون!

ہارون ——— پیر و مرشد! میں پرم دیو کے دربار میں پہنچا اور اسلامی مجاہدین کی روایات کے موجب اسے پیغام حق پہنچا دیا۔ جب میں واپس لوٹ رہا تھا تو سکھد یو۔ پرم دیو کا بیٹا ملا اور مجھ سے الجھ گیا۔ میں اس وقت اس کے فریب کو ——— سمجھا جب اس نے ناشائستہ گفتگو شروع کی۔ فوراً ہی اس کے دغاباز سپاہیوں نے پشت کی طرف سے آ کر مجھے اپنے قابو میں کر لیا۔ میں طیش غضب سے سرخ ہو گیا۔ لیکن ہاتھ پیر۔ . ہلانے کا موقعہ نہ ملا۔

ان بدبخت اور بے رحم درندوں نے مجھے ایک ایسے تنگ و تاریک تہ خانہ میں قید کر دیا جہاں ہوا اور روشنی کا بالکل بھی گزر نہ تھا۔ جس کا فرش کچھ نم تھا اور عجیب قسم کا تعفن آ رہا تھا۔ عالم پناہ! میں

وہاں ذرا ہی دیر میں پریشان ہو گیا۔ بدبو سے دماغ پھٹا جاتا تھا۔ ہوا نہ ہونے کی وجہ سے دم گھٹنے لگا اور روشنی کی عدم موجودگی کے باعث طبیعت گھبرانے لگی۔

مجھے خیال تھا کہ عنقریب ہی مجھے قتل کر دیا جائے گا۔ کیونکہ سکھد یو نے قید خانہ میں لے جاتے وقت یہی دھمکی دی تھی۔

سلطان نہایت توجہ سے ہارون کی داستان سن رہے تھے۔ انھوں نے جوش میں آ کر کہا۔ اگر ہارون! خدانخواستہ وہ بدبخت تجھے شہید کر ڈالتے تو خدا کی قسم میں ہر اس ہندو کو مار ڈالتا جو میرے ہاتھ آ جاتا اور ہر آبادی کو تاراج اور ویران کر دیتا۔ جس طرف سے میرا لشکر گذرتا۔ اب بھی میں ان لوگوں کو کبھی معاف نہ کروں گا جنھوں نے میرے فرزند ہارون کو تکلیف پہنچائی ہے۔

ہارون ——— لیکن جہاں پناہ! میں ایک ہستی سے امن کا وعدہ کر آیا ہوں۔

سلطان ——— تیرے وعدہ کا احترام کیا جائے گا۔ تو اپنی داستان جاری رکھ۔

ہارون ——— نہ معلوم کس وقت چند آدمی مشعلیں لے کر وہاں آئے۔ چونکہ تہ خانہ میں اس قدر اندھیرا تھا کہ روشنی نام کو بھی نہ آتی تھی۔ اس لیے رات اور دن کا اندازہ نہ ہو سکا۔ مگر ان کے مشعلیں لے کر آنے سے میں سمجھ گیا کہ دن چھپ گیا ہے۔ وہ لوگ میرے لیے کچھ کھانا اور ایک روشن شمع رکھ کر چلے گئے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ اب کیا وقت ہے رات ہے یا ابھی دن نکلا ہوا ہے۔ لیکن وہ میری زبان نہ سمجھتے تھے۔ پاگلوں کی طرح میرے منہ کو تکتے رہے۔ ان میں سے بھی ایک شخص نے کچھ کہا۔ جسے میں نہ سمجھ سکا اور میں بے وقوفوں کی طرح ان کی صورتیں تکتا رہ گیا۔

جب وہ چلے گئے تو میں نے کھانا دیکھا۔ چھوٹی چھوٹی چند ٹکیاں اور ایک گول پیتل کے برتن میں پانی تھا۔ اگرچہ مجھے بے حد بھوک لگی ہوئی تھی۔ لیکن طبیعت نے گوارا نہ کیا کہ مشرکوں کے ہاتھ کا تیار کیا کھانا کھاؤں۔ جن کو کُل مشرک نجس ہیں۔ یعنی تمام مشرک نجس ہیں۔ کہا گیا ہے۔ میں نے کھانا چھوا بھی نہیں۔ جوں کا توں رہنے دیا۔

چونکہ پیاس بھی معلوم ہو رہی تھی سا ارادہ ہوا کہ تھوڑا سا پانی پی لوں۔ لیکن پھر خیال آیا کہ پانی بھی تو مشرک ہی لائے ہیں اور مشرکوں کے ہی برتن میں ہے۔ اس خیال سے ہی کراہت آئی اور میں نے پانی بھی نہ پیا۔

سلطان ——— شاباش ہارون! شاباش! تو نے خوب کیا حقیقت میں مشرک نجس ہوتے ہیں۔ وہ کیا جانیں طہارت اور پاکیزگی کو جسمانی گندگی کے علاوہ مشرک کی وجہ سے ان میں روحانی گندگی بھی

ہوتی ہے۔ ایک مسلمان کو مشرک کے ہاتھ کی کوئی چیز نہیں کھانی چاہیے۔

ہارون ـــــــ اور اسی خیال سے میں نے کھانے اور پانی کو ہاتھ ... تک نہیں لگایا۔

ایک وہ مسلمان تھے جو مشرک کو نجس سمجھ کر ان کے ہاتھوں کی کوئی چیز نہ کھاتے تھے۔ ایک ... مسلمان ہیں کہ نجس اور ناپاکی کا خیال کیے بغیر ان کے ہاتھ سے ہر چیز لے کر خوب مزے سے ... کر کھاتے ہیں۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ کھانے کا اثر روح کی پاکیزگی پر ہوتا ہے۔ اگر پاکیزہ کھانا ہے تو روح پاکیزہ تر ہو جائے گی اور اگر نجاست آلودہ ہے۔ تو روح نجاست آلودہ ہو جائے گی۔

مشرکوں کے یہاں وہ چیزیں مطہر و پاک ہیں، جنہیں ہم مسلمان گندہ سمجھتے ہیں۔ مثلاً ہندو گائے کا گوبر لیپ کر چوکہ دیتے ہیں اور کھانا تیار کر کے بے تکلف اس پر رکھ دیتے ہیں۔ وہ گائے کے گوبر کو پاک سمجھتے ہیں اور ہم ناپاک سمجھتے ہیں۔

کوئی مسلمان گائے کے گوبر پر کوئی چیز رکھ کر نہیں کھا سکتا۔ لیکن ہندو کھا لیتے ہیں۔ اسی طرح اگر ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق کوئی چیز ناپاک ہو جائے۔ تو وہ گائے کا پیشاب اس پر ڈال دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ چیز پاک ہو گئی۔ حالانکہ مسلمان گائے کے پیشاب کو بھی اور جانوروں کے پیشاب کی طرح گندہ اور نجس سمجھتا ہے۔ جو چیز مشرک تیار کرتے ہیں۔ مسلمان کو کیا خبر ہے کہ اسے گائے کے گوبر پر نہیں رکھا گیا۔ یا اس میں پیشاب نہیں ملا دیا گیا۔

مسلمانو! مشرکوں کے یہاں کا کھانا چھوڑ دو۔ پیسہ خرچ کر کے کیوں گندگی اور نجاست مول لیتے ہو۔ یہ فرمان تو خدا ہی کا ہے۔

کہ مشرک نجس ہیں۔ نجس آدمیوں کے ہاتھوں کی بنائی ہوئی چیزیں بھی نجس ہوں گی۔ اس لیے مشرکوں کے ہاتھوں کی چیزیں کھا کر گنہگار نہ ہو۔

ہندو تمہارے ہاتھ کی کوئی چیز نہیں کھاتا۔ حالانکہ تم اس سے زیادہ صاف ستھرے اور پاک صاف رہتے ہو۔ مگر وہ تمہیں غلیظ و گندہ سمجھتا ہے۔ اور تم اس کے ہاتھ کی چیز بڑے شوق سے لے کر کھا لیتے ہو۔ حالانکہ تم اسے نجس اور گندہ خیال کرتے ہو۔

کس قدر افسوس ہے کہ ہندو تم سے بیچے اور تم ہندو سے نہ بیچو وہ تم سے اس لیے بھی نہ کچھ خریدے کہ اس سے تمہیں منافع حاصل ہوگا اور وہ اپنے بھائی کو فائدہ پہنچانا چاہتا ہے تمہیں نہیں اور تم اسے فائدہ پہنچاتے ہو۔ اپنے بھائی کو نہیں۔ تمہاری اس عدم توجہی سے تمہارے بھائی

مسلمان کی تجارت فیل ہو جاتی ہے اور ہندو کی تجارت ترقی کر جاتی ہے۔

یہ زبردست نقصان ہے جو مسلم قوم کو پہنچ رہا ہے اور جس سے مسلمان پنپنے نہ پاتے۔ مفلوک الحال اور بے مایہ ہیں۔

آج دنیا کی ہر قوم ترقی کر رہی ہے اور ہر قوم کا ہر فرد اپنی قوم کی ترقی میں کوشاں ہے۔ لیکن ہم بدبخت مسلمان ہی ایسے ہیں جنہیں اپنی قوم کا مطلق بھی خیال نہیں ہے۔ وہ اپنی کمائی سے دوسری قوموں کو بنا رہے ہیں۔

مسلمانو! عہد کر لو کہ تم بھی دوسری قوموں کی طرح اپنی قوم کو بناؤ گے۔ کبھی کوئی چیز کسی غیر مسلم سے نہ خریدو گے۔ اگر آج ہندوستان کے مسلمان مسلمانوں ہی سے خرید و فروخت شروع کر دیں۔ تو مسلمانوں کی تجارت چمک جائے اور مسلم قوم مفلس نہ رہے۔ قوم کے استحکام کے لیے کچھ ایثار کی ضرورت ہے۔

خدا مسلمانوں کو عقل و سمجھ دے اور وہ پاکیزہ چیزوں کی بجائے گندہ اور نجس چیزیں خریدنے سے باز رہیں۔

سلطان ـــــــ اچھا پھر کیا ہوا۔

ہارون ـــــــ شمع کی روشنی سے اندھیرے کی تکلیف تو دور ہو گئی۔ لیکن باقی تکلیفیں بدستور باقی رہیں۔ میں لیٹ گیا اور نہ معلوم کس وقت نیند آ گئی۔ کچھ کھٹکا ہونے پر آنکھ کھلی۔ دیکھا تو ایک جوگن ایک برط تیر ہاتھ میں لیے کھڑی ہے۔ اس کے بائیں ہاتھ میں ایک بڑی مشعل ہے میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ بیٹھتے ہی ایک اور لڑکی نظر آئی جو جوگن کے پیچھے کھڑی تھی اور جسے میں نے پہلی نظر میں نہیں دیکھا تھا۔ جوگن نے میری زبان میں کہا نوجوان۔ راجکماری کاشی تمہارے پاس اس لیے آئی ہے کہ اگر تم ایک وعدہ کرو تو تمہیں رہا کر دے۔ میں نے پوچھا۔ مجھ سے کیا اقرار کرانا چاہتی ہو۔

جوگن ـــــــ تم اس وقت انہلواڑہ کے قلعہ پر حملہ نہ کرو گے۔ اور سلطان کو بھی حملہ کرنے سے روک دو گے۔

میں نے اقرار کر لیا۔ جوگن نے میری زنجیریں کھول دیں اور مجھے ساتھ لے کر خفیہ دروازہ سے قلعہ کے باہر آئی۔ کاشی تہ خانہ سے نکلتے ہی ایک طرف چلی گئی تھی۔ میں نہیں کہہ سکتا۔ وہ جوگن کون تھی اور کیوں میری رہائی کے لیے آئی۔

سلطان ـــــــ خدا بہتر جانتا ہے۔ جب تو نے انہلواڑہ پر اس مرتبہ حملہ نہ کرنے کا اقرار کیا ہے۔ تو ہم بھی درگزر کرتے ہیں۔ لشکر کو حکم دے دو کہ قلعہ سے بچ کر نکل جائے۔

ہارون اور ریحان دونوں نے سلطان کو سلام کیا اور وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔

غمگین حور

سومنات میں متعدد راجاؤں کے بھیجے ہوئے لشکر آ گئے تھے اور ابھی تک ان کی آمد کا تانتا لگا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے ہندوستان کے تمام راجاؤں کی فوجیں سومنات میں جمع ہو جائیں گی۔

جو راجپوت زعفرانی لباس پہن کر آئے تھے۔ ان کی بھی خاصی تعداد تھی عام ہندو ان سرفروشوں کی سب سے زیادہ قدر منزلت کر رہے تھے۔ جس طرف سے ان کے دستے گزرتے تھے۔ لوگ ان کی تعظیم کے لیے جھکتے چلے جاتے تھے۔ بعض خوش عقیدہ ہندو ان کے پیروں کے نیچے کی خاک اٹھا کر اپنی اور اپنے بچوں کی پیشانیوں سے ملتے تھے۔

جب یہ سرفروش مندر میں داخل ہوتے تھے۔ تو ان کے لیے راستہ چھوڑ دیا جاتا تھا۔ سب سے پہلے بت کے درشن انہیں ہی کرائے جاتے تھے۔

ان کے علاوہ اور جس قدر بھی فوجیں آئی تھیں۔ انہیں بھی تمام ہندو نہایت احترام کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔

سومنات کا مہاراجہ اس کثیر التعداد لشکر کو دیکھ کر نہایت خوش ہو رہا تھا۔ اب تو اسے پریشانی رہی تھی۔ نہ کوئی فکر بلکہ نہایت اطمینان ہو گیا تھا اور وہ یہ سمجھنے لگا تھا کہ اس عظیم الشان لشکر سے غازی سلطان محمود کو شکست دے کر اپنی قوت و عظمت کی دھاک مسلمانوں کے دلوں پر بٹھا دے گا۔

اگرچہ اسے اسلامی لشکر کی تعداد معلوم نہ تھی۔ لیکن اس بات کو وہ خوب جانتا تھا کہ غزنی سومنات سے ہزاروں میل کے فاصلے پر ہے۔ پھر راستہ نہایت دشوار گزار ہے۔ اس طرح سلطان محمود اپنے ساتھ لشکر نہیں لا سکتا۔

اس کا یہ خیال بالکل صحیح تھا۔ سلطان اپنے ساتھ صرف تیس ہزار سرفروش مجاہدوں کو لے کر آئے تھے اور اس لشکر میں سلطان کا ایک بھی تنخواہ دار سپاہی نہ تھا۔ بلکہ سب ناکارہ تھے۔ جو اپنی خوشی سے جہاد کرنے آئے تھے۔

لیکن نہ معلوم کیا بات تھی کہ باوجود راجپوتوں کے لشکر کی تعداد ڈیڑھ لاکھ سے بھی اوپر ہو

بلنے کے تمام ہندوؤں میں پریشانی پھیلی ہوئی تھی۔ تو سومنات کے پجاری پنڈت نامعلوم خوف کی وجہ سے خائف و ترساں تھے۔

وہ زائرین جو ماہانہ غسل میں شریک ہونے کے لیے آئے تھے۔ مسلمانوں کے حملہ کی خبر سن کر بہت جلد واپس چلے گئے تھے۔

سچ یہ ہے کہ ضیغم اسلامی غازی سلطان محمود کی آمد آمد سے ہندو کانپ رہے تھے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ فتح و ظفر اس کے ہمرکاب ہے۔ جس ملک یا قلعہ پر وہ حملہ کرتے ہیں۔ اسے فتح کیے بغیر نہیں چھوڑتے ان کی تشویش اور خوف کی یہی وجہ تھی۔

چونکہ انہلواڑہ کا راجہ پرم دیو نہایت غیور اور بڑا بہادر سمجھا جاتا تھا۔ لشکر بھی اس کے پاس کافی تھا۔ اس کی قوت و عظمت کے افسانے مشہور تھے۔ اس لیے سب کا یہ خیال تھا کہ وہ شیر اسلام غازی سلطان محمود کا سد راہ ہو گا اور اپنی قلمرو سے ہرگز انہیں نہ دے گا۔

لیکن بہت جلد انہیں معلوم ہو گیا کہ ان کی توقعات غلط ثابت ہوئیں۔ پرم دیو بغیر کوئی خونریز مقابلہ کیے انہلواڑہ کو خالی کر کے اپنے سمندری قلعہ گندابہ کی طرف بھاگ گیا ہے اور سلطان بڑھے چلے آ رہے ہیں۔

اس خبر سے ہندوؤں میں کھلبلی مچ گئی۔ ان کے دلوں پر مسلمانوں کی ہیبت چھا گئی۔ مہاراجہ سومنات کو بھی قدرے تشویش ہوئی۔

جبکہ یہ واقعات ہو رہے تھے۔ اس وقت چندر روہنی نہایت متفکر اور مغموم رہتی تھی۔ اس کے عنابی لبوں پہ ہنسی تو ہنسی مسکراہٹ بھی نہ آتی تھی۔ اس کے چاند سے چہرہ پر اداسی کا ابر سا چھایا رہتا تھا۔

اس کی سہیلیاں اور داسیاں اسے خوش کرنے اور ہنسانے کی کوشش کرتی تھیں۔ لیکن وہ خوش ہوتی تھی۔ نہ ہنستی تھی۔ عرصہ ہوا کامنی اس کے پاس سے چلی گئی تھی۔ جب سے کامنی اسے فریب دے کر جنگل میں لے گئی تھی اور سکھدیو نے وہاں اسے پریشان کیا تھا۔ اس وقت سے وہ کامنی سے کچھ کشیدہ اور الگ الگ رہنے لگی تھی۔

لیکن یہ عجیب بات تھی کہ وہ دل میں اسے اکثر یاد کر لیا کرتی تھی۔ وہ اکثر خود حیران ہو جاتی تھی کہ کامنی بیوفا اور ناقابل اعتماد ہونے کے باوجود بھی کیوں یاد آتی ہے۔

جب سے اس نے شوبھا دیوی سے یہ سنا تھا کہ سکھدیو نے ہارون کو گرفتار کر لیا ہے

اس وقت سے وہ اور بھی غم زدہ اور بےچین رہنے لگی تھی۔

ایک روز جب وہ مہارانی کے سلام کر گئی۔ اس کا قاعدہ تھا کہ وہ روزانہ صبح کے وقت مہارانی اور مہاراجہ دونوں کو سلام کر جایا کرتی تھی۔ تو مہارانی نے اس کے چہرہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ پتری (بیٹی) تو بڑی بیاکل (بےچین و غمگین) معلوم ہوتی ہے کیا کارن (وجہ) ہے۔

چندر موہنی نے سر جھکا کر جواب دیا کوئی خاص وجہ نہیں ہے۔ نہ معلوم میری طبیعت کیوں پریشان اور مضطرب رہتی ہے۔

مہارانی ـــــ اس ملیکش سلطان کے حملے نے سب ہی کو پریشانی میں ڈال دیا ہے۔ تیرے پتاجی بھی بیاکل (بےچین) رہتے ہیں۔ میں بھی ملین (غمگین) رہتی ہوں۔ تو بھی ایسی ہی رہنے لگی۔ میری عزیز بیٹی! تو فکر نہ کر۔ سومنات جی اس ملیکش کو ضرور سزا دیں گے۔ تجھے ان ملکی معاملات سے کیا تعلق تو ہنسی خوشی رہ۔ تجھے آزردہ دیکھ کر مجھے اور تیرے پتاجی۔۔۔ دونوں کو رنج ہوتا ہے۔

چندر موہنی ـــــ میں خوش رہنے کی کوشش کروں گی۔ ماتا جی۔

مہارانی ـــــ ہاں میری بچی! تو خوش رہا کر۔ تجھے خوش دیکھ کر ہم بھی ذرا خوش ہو لیا کریں گے۔

چندر موہنی سلام کر کے واپس لوٹ آئی۔ نہ معلوم کیا بات ہوئی اور اسے کیا خیال آیا کہ جب وہ مہارانی کے پاس سے پلٹی تو یکایک اس کے دل پر ابر غم چھا گیا وہ اپنے کمرے میں آنے کی بجائے باغیچہ میں جا نکلی اور ایک سنگ مرمر کی خوشنما بنچ پر بیٹھ کر مغموم نگاہوں سے باغیچہ کے گل پوش تختوں کو دیکھنے لگی۔

پھول کثرت سے کھل رہے تھے۔ ان کی خوش رنگی سے تمام گلشن میں آگ سی لگی ہوئی تھی پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو سے فضا معطر ہو رہی تھی خوشبو کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔ ہوا کے خفیف۔۔۔ جھونکوں سے سبزہ لہلہا رہا تھا۔ پھولوں کے پودے جھوم رہے تھے۔ پھول ایک دوسرے سے ہم آغوش ہو رہے تھے۔ آفتاب کی نقشی شعاعیں پھولوں پر دلفریب بھر رہی تھیں۔ نہایت دل فریب سماں اور نہایت دل کش منظر تھا۔ لیکن چندر موہنی اس سے کچھ بھی دلچسپی نہ لے رہی تھی۔ وہ اس وقت حد درجہ غمگین و ملول تھی۔

نہ معلوم بیٹھے بیٹھے اسے کیا خیال آیا کہ بیساختہ اس کے آنسو جاری ہو گئے۔ وہ اپنے خوب صورت اور سڈول بازوؤں سے منہ چھپا کر بنچ کے تکیہ کے اوپر جھک گئی اور زار و قطار رونے لگی۔ اس نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔ پرماتما میں کیا کروں۔ میں تو دکھ کے ساگر میں بہی چلی جا رہی ہوں

مجھ پر کرپا مہربانی کرو۔۔۔۔۔"

آہ پاپی سکھدیو تو نے یہ کیا کیا۔۔۔ ہارون۔۔۔۔"

اس وقت شدت گریہ سے اس کی آواز گلوگیر ہو گئی۔ وہ رو رہی تھی۔ نہایت بےقراری اور دل گرفتگی کے ساتھ کسی نے پیار سے اس کی پشت پر ہاتھ رکھا وہ چونک کر اچھلی اور گھوم کر دیکھا۔ تو دھرمپال کو کھڑے پایا۔

دھرمپال نہایت ہمدردی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ چندر موہنی نے ضبط کرنے اور آنسو پی لینے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئی پر تو پر عارض پر آنسوؤں کی سفید دھاریں بہ رہی تھیں۔ گویا چاند میں چاندی کا دریا جاری ہو گیا تھا۔

دھرمپال نے تسلی دہ لہجہ میں کہا۔ بیٹی تو رو رہی ہے۔ مت رو۔ تسلی رکھ۔ میں تیرے دکھ کی وجہ جانتا ہوں۔۔۔۔۔

چندر موہنی نے متحیر ہو کر دھرمپال کو دیکھتے ہوئے کہا۔ آپ میرے دکھ کی وجہ جانتے ہیں۔

دھرمپال ـــــ ہاں جانتا ہوں۔ اس میں حیران ہونے کی کیا بات ہے۔۔۔ سادھوؤں سے کونسی بات چھپی ہوئی ہے۔

چندر موہنی ـــــ گرو جی!

اس کا دل پھر امنڈ آیا اور وہ پھر بلک بلک کر رونے لگی۔ دھرمپال اس کے قریب بیٹھ گئے۔ انہوں نے کہا۔ عورت محبت کے ہاتھوں بےبس ہو کر خون کے آنسو روتی ہے اور مرد محبت سے مجبور ہو کر مجنوں بن جاتا ہے۔ راج کماری! ہارون کے لیے بےچین ہو کر رو رہی ہے کس لیے۔

چندر موہنی ـــــ جب آپ سب کچھ جانتے ہیں تو۔۔۔۔۔"

دھرمپال ـــــ شرماؤ نہیں۔ صاف صاف کہو۔

چندر موہنی ـــــ کیا آپ کو یہ معلوم نہیں کہ ہارون کو سکھدیو نے گرفتار کر لیا ہے۔

دھرمپال ـــــ معلوم ہے۔

چندر موہنی ـــــ اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ سکھدیو کیسا سنگدل اور بےرحم ہے۔

دھرمپال ـــــ جانتا ہوں لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ سکھدیو۔ ہارون کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔

چندر موہنی ـــــ اس بات سے میری تسلی نہیں ہو سکتی۔

دھرمپال ___ مگر تیرا گرو کبھی جھوٹ بات نہیں کہتا۔

چندر موہنی ___ میں یہ بھی جانتی ہوں۔

دھرمپال ___ تو نہیں جانتی چندر موہنی کہ اگر تیری محبت کا راز فاش ہو جائے تو تو کن مشکلات میں پھنس جائے۔ جو آج تجھ سے محبت کرتے ہیں وہ نفرت کرنے لگیں۔ تجھے کیسی کیسی تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں۔ ضبط و صبر کر بیٹی! بے صبری کر کے اپنے پیروں میں آپ ہی کلہاڑی نہ مار۔

چندر موہنی ___ لیکن دل کو کیسے تسکین ہو۔

دھرمپال ___ تو چاہتی کیا ہے۔

چندر موہنی ___ ہارون کی رہائی۔

دھرمپال ___ وہ رہا ہو جائے گا۔

چندر موہنی ___ کب؟

دھرمپال ___ جب ایشور چاہے گا۔

چندر موہنی ___ کیا اس بات سے میرے دل کو تسلی ہو سکتی ہے۔

دھرمپال ___ تب بدنامی اور تیری مصیبتوں کا آغاز شروع ہو جائے گا۔

چندر موہنی ___ میں کیوں آپ کے پاس گئی۔ کیوں انہوں نے مجھے ڈاکوؤں سے بچایا۔ میں ان سے ملی ۔۔۔۔۔۔ گرو جی یہ سب کچھ کیوں۔

وہ پھر رونے لگی۔ دھرمپال نے کہا یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ ایشور کو یہی منظور تھا۔

چندر موہنی ___ پھر ایشور کیوں مجھے تسلی نہیں دیتے۔ میرا دل کیوں تڑپ جاتا ہے۔ کیوں اسے قرار نہیں ہوتا۔ ہارون رہا نہیں ہو سکتا۔ ہرگز نہیں رہا ہو سکتا۔

"وہ رہا ہو گیا" ایک آواز آئی۔ چندر موہنی اور دھرمپال دونوں نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔ شوبھا دیوی آ رہی تھی۔ چندر موہنی کھڑی ہو گئی۔ اس کی حسین نرگسی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ اب ان میں مسرت کروٹ لے رہی تھی۔ اس کے چہرہ سے غم اور خوشی کی متضاد علامتیں بیک وقت ٹپک رہی تھیں۔ اس نے کہا ماتا جی! کیا یہ سچ ہے۔

شوبھا دیوی نے قریب آ کر کہا۔ ہاں سچ ہے۔ کیا میں نے تجھ سے وعدہ نہ کیا تھا۔

چندر موہنی ___ ہاں کیا تھا۔ کس نے انہیں رہا کرایا۔

شوبھا دیوی ___ میں نے کامنی کی مدد سے۔

چندر موہنی ___ کامنی کی مدد سے۔

شوبھا دیوی ___ ہاں۔ ہارون اس وقت اپنے لشکر کے ساتھ آ رہا ہے۔

ابھی اس قدر گفتگو ہوئی تھی کہ عظیم شور بلند ہوا۔ جیسے اچانک کوئی مصیبت آ ٹوٹی اور سومنات کے لوگ اسے دیکھ کر چلانے لگے ہوں۔

شور دم بدم بڑھتا جاتا تھا۔ یہ تینوں حیران ہو رہے تھے۔ دھرمپال نے کہا کیا بات ہوئی۔ کیوں لوگ چلا رہے ہیں۔ میں جا کر دیکھوں۔

وہ اٹھ کر جھپٹے۔ باغیچہ سے نکل کر قصر شاہی کے اس گوشہ کو طے کیا جس میں وہ قیام رکھتے تھے اور جب وہ قصر سے باہر آئے تو انہوں نے دیکھا کہ ہر شخص پریشان اور متوحش ہے بلا قصد و ارادہ کے شور کر رہا ہے۔

انہوں نے پہرہ والوں سے شور کی وجہ پوچھی تو ۔۔۔ معلوم ہوا کہ اسلامی لشکر آ گیا ہے۔

انہیں بھی تعجب ہوا۔ وہ دوڑ کر فصیل پر چڑھ گئے انہوں نے دیکھا کہ مجاہدین اسلام نہایت شان سے بڑھے چلے آ رہے ہیں۔ اسلامی علم بڑے رعب و داب سے لہرا رہا ہے۔

گیارھواں باب

شیرانِ اسلام کی آمد

اسلامی لشکر کے آنے سے پہلے ہی وہ تمام راجپوتی فوجیں جو سومنات کو مسلمانوں سے بچانے کے لیے آتی تھیں اور قلعہ کے میدان میں پھیلی ہوئی تھیں۔ سمٹ کر قلعہ کے اندر داخل ہو گئی تھیں۔

چونکہ قلعہ نہایت ہی وسیع تھا اور اس کی فصیلیں بھی نہایت طویل و عریض تھیں۔ اس لیے تمام فوجیں اس میں سما گئی تھیں۔

مسلمانوں کے آنے کی خبر بجلی کی سرعت کے ساتھ قلعہ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک، شہر اور سومنات کے مندر تک پہنچ گئی۔

ہندو مسلمانوں کے اس طوفان کے آنے کا انتظار عرصہ سے کر رہے تھے آخر ہوا اور بجلی کی تیزی سے یہ طوفان آ ہی گیا۔

تمام راجپوت اسلامی لشکر کو دیکھنے کے لیے قلعہ کی فصیل پر آ چڑھے۔ عام تماشائیوں کا بھی ہجوم ہو گیا۔ ہر طرف کی فصیل کثرت اژدہام سے لبریز ہو گئی تھی۔

فصیل کے ہر جانب کثرت سے برج بنے ہوئے تھے۔ ان برجوں میں متعدد راجہ اور فوجی سردار آ گئے۔ ایک وسیع برج میں خود مہاراجہ اپنے چند مشیروں کے ساتھ آ بیٹھا۔

تمام ہندو۔ فوجی اور غیر فوجی۔ وہ راجہ اور مہاراجہ سومنات کی امداد و حفاظت کے لیے آئے تھے مہاراجہ سومنات۔ رانیاں اور راجکماریاں سب مجاہدینِ اسلام کو دیکھ رہے تھے۔

سب سے پہلے اسلامی لشکر کا ہراول دستہ آیا تھا۔ یہ ہراول ہارون اور بربان کی سرکردگی میں تھا۔ اگرچہ اس دستہ میں کل پانچ ہزار سپاہی تھے۔ جو سب عربی گھوڑوں پر سوار تھے۔ لیکن ہارون نے اس مختصر لشکر کو کچھ اس ترتیب سے پھیلا دیا تھا کہ اس کی صحیح تعداد کا پتہ لگانا مشکل ہو گیا تھا۔

ایسا معلوم ہونے لگا تھا۔ جیسے بے شمار سوار میدان کے کناروں کو بھرتے چلے آ رہے ہوں۔

جوں جوں یہ لشکر قلعہ کے قریب آتا جاتا تھا مسلمانوں کی صورتیں صاف نظر آتی تھیں۔ چونکہ مطلع صاف تھا۔ آفتاب نہایت آب و تاب سے نکلا ہوا تھا۔ دھوپ تمام میدان میں پھیل رہی تھی۔ اس لیے مسلمانوں کے ہتھیار شعاعیں پڑنے سے جگمگا رہے تھے۔

اس وقت دھرمپال اس برج میں داخل ہوئے جس میں مہاراجہ سومنات اور ان کے مشیر بیٹھے تھے۔ دھرمپال کو دیکھتے ہی مہاراجہ نے کہا خوب آئے آپ اس وقت! میں آپ کو یاد کر رہا تھا۔ کیا آپ ان ملیچھ سرداروں میں سے کسی کو جانتے ہیں۔

دھرمپال نے ایک طرف بیٹھتے ہوئے کہا۔ آپ جانتے ہیں کہ میں ایک جہاں گرد سیاح ہوں۔ میں نے کاشی جی (بنارس) اور بندرابن (متھرا) میں سنسکرت وغیرہ پڑھی ہے۔ کشمیر۔ پشاور۔ لاہور۔ ملتان اور خود غزنی بھی ہو آیا ہوں۔ اس لیے سلطان محمود اور ان کے بعض سرداروں سے واقف ہوں۔

یہ سن کر سب کو حیرت ہوئی کہ مہاگرو دھرمپال غزنی بھی ہو آئے ہیں۔ مہاراجہ نے حیرت بھرے لہجہ میں کہا۔ "کیا آپ غزنی بھی ہو آئے ہیں؟"

دھرمپال نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ جی ہاں کئی مہینہ وہاں رہ آیا ہوں۔ اسی طرح بھیس بدل کر اور مسلمان بن کر جس طرح بہت سے مسلمان ہمارے مقدس شہروں میں ہمارے ہی لباس اور ہمارے ہی مذہب کے نقال بن کر ہم میں رہتے ہیں۔

دھرمپال کی اس گفتگو کو سن کر تمام مشیر اور خود مہاراجہ بہت زیادہ متحیر ہوئے۔ مہاراجہ نے پوچھا کیا مسلمان ہمارے بھیس میں ہمارے شہروں میں موجود ہیں اور ہم انہیں شناخت نہیں کر سکتے۔

دھرمپال نے جواب دیا۔ جی ہاں کثرت موجود ہیں اور بالکل نہیں پہچانے جاتے۔ بہت ممکن ہے۔ سومنات میں بھی ہوں۔ یہ مسلمان بڑے غضب کے اور نہایت جیالے ہوتے ہیں۔ ان کی باتیں نرالی اور بعید از فہم و قیاس ہوتی ہیں۔ چند صدیاں گزر گئیں جب انہوں نے ایران پر حملہ کیا اور دریائے دجلہ میں جو نہایت ذخار مہیب اور دنیا کے مشہور دریاؤں میں سے ایک ہے اپنے گھوڑے ڈال دیتے تو ایرانیوں کا وہ بے شمار لشکر جو دریا کے دوسرے کنارے پر کھڑا تھا اور خوب جانتا تھا کہ اس دریا کو بغیر بادبانی کشتیوں یا جہازوں کے عبور نہیں کیا جا سکتا۔ مسلمانوں کی یہ جرأت دیکھ کر چلا اٹھا۔ دیو آمدند، "دیو آمدند" یعنی دیو آ گئے۔ دیو آ گئے اور ان کے کنارہ پر پہنچنے سے پہلے

ہی بھاگ کھڑا ہوئے۔

ممالک شام و مصر کے عیسائی باشندے انہیں جن کہا کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے کام محیر العقول ہوتے ہیں۔ ایسوں سے تو سابقہ ہی نہ پڑے تو اچھا ہے۔

مہاراجہ —— آپ نے تو یہ کہہ کر ممکن ہے مسلمان ہمارے بھیس میں ہمارے درمیان میں موجود ہوں مجھے ورطہ حیرت میں ڈال دیا ہے۔

دھرمپال —— اور میں سچ کہہ رہا ہوں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ میں ہی ان میں سے ایک ہوں یا مہا پجاری ہوں یا پنڈتوں میں وہ لوگ گھسے ہوئے ہیں۔

مہاراجہ —— اس طرح تو گویا ہمیں ہر شخص سے مشکوک رہنا اور اس کی نگہداشت کرنا چاہیئے

دھرمپال —— یہ مشکل امر ہے اور ہمیں ہر شخص سے مشکوک بھی نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن ہاں احتیاط ضرور کرنی چاہیے۔

مہاراجہ —— آپ نے ٹھیک کہا، ہمیں سب کو ہشیار اور محتاط رہنا چاہیئے۔ اچھا آپ جن لوگوں کو جانتے ہیں، انہیں دیکھ کر بتاتے جایئے۔ دیکھیے اب تو اسلامی لشکر بہت قریب آ گیا ہے۔ اس کا افسر کون ہے اور کیا یہی مسلمانوں کا تمام لشکر ہے۔

دھرمپال —— جی نہیں، مسلمان ایک دم بلا کسی اشد ضرورت کے کسی قلعہ پر نہیں آیا کرتے یہ ان کا ہراول معلوم ہوتا ہے۔ لیجئے میں نے اس کے افسر کو پہچان لیا وہ جس کے ہاتھ میں علم ہے اس دستہ کا افسر ہے۔

سب میدان کی طرف مجاہدین اسلام کو دیکھ رہے تھے مہاراجہ نے کہا۔ یہ ٹمیروار لڑکا اس دستہ کا افسر ہے ......

دھرمپال —— جی ہاں۔ آپ نے پہچانا کون ہے

مہاراجہ —— نہیں ......

دھرمپال —— یہی ہارون ہے جسے سکھدیو نے انہلواڑہ میں قید کر دیا تھا اور جس کی بابت مشہور ہے کہ حیرت انگیز طریقہ پر رہا ہو گیا۔

ہارون کی گرفتاری اور رہائی کا حال مشہور ہو گیا تھا۔ مہاراجہ نے کہا۔ اچھا یہ ہے وہ نوجوان بالکل نوعمر معلوم ہوتا ہے

دھرمپال —— اس کے ساتھ اس کا دوست بھی ہوگا۔ اس کا نام برہان ہے یہی دونوں

میرے پاس آئے تھے۔ سیاحت کے بہانہ سے مگر اس وقت میں انہیں سیاح ہی سمجھا تھا۔

ہارون کے ہاتھ میں علم تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس کا دوست برہان بھی تھا۔ دونوں نہایت بے خوفی سے مجاہدین کے جلوس میں بڑھے چلے آ رہے تھے۔

چندر موہنی بھی اپنی سہیلیوں کے جھرمٹ میں ایک برج میں بیٹھی مسلمانوں کو دیکھ رہی تھی، اگرچہ اس طرف سے وہ فاصلہ پر تھے۔ لیکن روز روشن ہونے کی وجہ سے صاف نظر آ رہے تھے۔ چندر موہنی نے ہارون کو دیکھ لیا۔ اس کے چہرہ پر سرخی بکھر گئی، رخسارے تیز گلابی رنگ میں ڈوب گئے، آنکھوں میں سحر خیز چمک پیدا ہو گئی۔ دل گداز سینہ میں دھڑکنے اور سانس تیز تیز چلنے لگا۔

ابھی ہراول میدان کے کناروں کو بھرتا آگے بڑھتا چلا آ رہا تھا کہ دور افق میں سے مسلمانوں کا دوسرا دستہ نمودار ہو کر بجلی کی طرح کوندتا آتا نظر آیا۔ اس دستہ کے ساتھ ہزاروں اونٹ تھے جو اپنی لمبی گردنیں اٹھائے جگالی کرتے نہایت اطمینان سے قدم قدم چلے آ رہے تھے۔

جب یہ دستہ قریب آیا۔ تو دھرمپال نے کہا۔ دیکھیے یہ دستہ التونتاش کی ماتحتی میں ہے سلطان کا یہ سردار نہایت جیالا اور بڑا بہادر ہے۔ ہمت واستقلال سے ہر مہم میں دوسروں پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتا ہے اس کے ہاتھ میں بھی علم ہے۔

چونکہ اس دستہ کے ساتھ کثرت سے اونٹ تھے اس لیے دیر تک آتے اور میدان میں پھیلتے رہے۔ آج صرف یہ دو دستے ہی سومنات کے سامنے آ سکے۔ ان کے آنے اور مقیم ہونے میں ہی تمام دن لگ گیا۔ مہاراجہ نے کہا۔ بس اتنا ہی لشکر ہے مسلمانوں کا۔

دھرمپال —— نہیں۔ ابھی تو صرف دو ہی سردار آئے ہیں۔ باقی لشکر پیچھے ہوگا۔ خود سلطان ابھی تو نہیں آئے۔

مہاراجہ —— آپ کے اندازہ میں مسلمانوں کا یہ لشکر کس قدر ہوگا۔

دھرمپال —— صحیح تعداد تو بتائی نہیں جا سکتی (ناظرین کرام اس فقرہ کو ملحوظ رکھیں) لیکن سنا ہے۔ ہارون اور التونتاش دونوں دس دس ہزاری ہیں۔ اس لیے قیاس کہتا ہے کہ دونوں کے ساتھ بیس ہزار سپاہی ہوں گے۔

مہاراجہ —— میرا بھی یہی خیال ہے۔ ایک بات میرے ذہن آئی ہے۔

دھرمپال —— میں سمجھ گیا ہوں۔ آپ کا ارادہ شبخون مارنے کا ہے۔

مہاراجہ —— ہاں تھوڑا سا لشکر ہے۔ تھکا ہوا ہے رات کو غافل ہو کر سو جائے گا۔ ہم

آسانی سے اسے پسپا کر دیں گے۔

دھرمپال ـــــ آپ شاید واقف نہیں ہیں کہ مسلمان جب جہاد کے لیے گھر سے نکلتا ہے۔ تو جفاکشی پر کمر باندھ لیتا ہے۔ راحت و آرام کو بالائے طاق رکھ دیتا ہے۔ ذرا رات ہو جانے دیجئے۔ آپ خود دیکھیں گے کہ وہ کس طرح آگ جلا کر شب بیداری کرتے ہیں۔ میرے خیال میں وہ خود رات کو قلعہ کے قریب آنے کی کوشش کریں گے۔ آپ تو افسروں کو یہ حکم دیں کہ رات کو فصیلوں پر پہرہ کا ایسا انتظام کریں کہ مسلمان اگر قلعے کے قریب آئیں تو انہیں ہوشیار دیکھ کر واپس لوٹ جائیں۔

مہاراجہ ـــــ مناسب ہے۔

مہاراجہ نے اسی وقت افسروں کو حکم دے دیا کہ وہ فصیل پر رات بھر پہرہ کا انتظام کر دیں اور خود قصر شاہی میں چلا گیا۔ رات کو راجپوت تمام رات فصیل پر ٹہلتے اور شور کر کے اپنے جاگنے کا۔۔۔ اظہار کرتے رہے۔

صبح بہت سویرے جب شفق پھیلی اور افق میں آگ سی لگنے سے سحر کی روشنی نمودار ہوئی۔ تو اسلامی لشکر میں صبح کی اذان ہوئی اور مسلمانوں نے جماعت کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی۔

سومنات کے پجاریوں نے بھی اور دنوں سے زیادہ شوق و شغف سے پوجا کا انتظام کیا۔ گھنٹیاں۔ گھنٹے اور گھڑیال اس شور سے بجائے کہ اسلامی لشکر میں بھی اس کی آواز گونج گئی۔

کچھ دن چڑھے پھر فصیل کے دیدبان راجپوت سپاہیوں نے شور کیا۔ پھر ہندوؤں کو معلوم ہو گیا کہ اور اسلامی لشکر آ رہا ہے۔ وہ پھر بھاگ بھاگ کر فصیلوں اور برجوں میں جا چڑھے انہوں نے دیکھا کہ مسلمان کمربستہ ہو رہے ہیں۔ مہاراجہ بھی برج میں آ گیا تھا۔ دھرمپال بھی ان کے پاس آ بیٹھے تھے۔ رانیاں اور راجکماریاں بھی برجوں میں آ گئی تھیں۔ مہاراجہ نے دھرمپال سے کہا۔ میرے خیال میں تو تمام اسلامی لشکر یہی ہے اور آج اس کا ارادہ قلعہ پر حملہ کرنے کا ہے۔

دھرمپال ـــــ آپ شاید ان کی کمربندی سے ایسا خیال کر رہے ہیں لیکن یہ بات نہیں ہے۔ میرے خیال میں آج خود سلطان محمود آنے والے ہیں اور مسلمان ان کے استقبال کی تیاریاں کر رہے ہیں۔

مہاراجہ ـــــ ممکن ہے نہ معلوم یہ سلطان محمود کس دل گردہ کا انسان ہے جو قصد و ارادہ کرتا ہے۔ اسے پورا کیے بغیر نہیں رہتا۔

دھرمپال ـــــ آپ کو یاد ہے۔ جب ان کا پہلا قاصد سومنات میں آیا تھا۔ میں نے اسی وقت کہہ دیا تھا کہ اس کی بات مان لی جائے۔

مہاراجہ نے دھرمپال کو حیرت بھری نگاہوں سے دیکھ کر کہا۔ کیا میں اپنی بیٹی چندر موہنی کو اس کے حوالہ کر دیتا۔

دھرمپال ـــــ اس میں کوئی حرج نہیں تھا۔ وہ چندر موہنی کو ہی حاصل کرنے کے لیے اس قلعہ پر حملہ آور ہوئے ہیں۔

مہاراجہ ـــــ ہونے دو میں اس کی پرواہ ہی کب کرتا ہوں۔ اسے آنے دو۔ میں وہ سزا دوں گا کہ اگر وہ زندہ رہ گیا۔ تو عمر بھر یاد رکھے گا۔

دھرمپال ـــــ مگر تمام ارادے اور ساری آرزوئیں پوری نہیں ہوا کرتیں۔

اس وقت شور ہوا راجپوت گلے پھاڑ پھاڑ کر چلا رہے تھے۔ مہاراجہ اور دھرمپال نے دیکھا افق میں سے مسلمان سواروں کے دستے نکل نکل کر بڑھے آ رہے تھے۔ دھرمپال نے کہا۔ اب سلطانی لشکر آ رہا ہے۔

مہاراجہ ـــــ اسلامی لشکر کی آمد کس قدر منظم۔ اور شاندار ہوتی ہے۔

دھرمپال ـــــ مسلمانوں سے زیادہ فوجی قواعد و نظام کوئی نہیں جانتا دیکھیے دستوں پر دستے کس طرح بڑھے چلے آ رہے ہیں اور ان کی آمد کیسی بھلی معلوم ہو رہی ہے۔

مہاراجہ ـــــ نہایت قابل رشک اور مسلمان کس طرح ان دستوں کا استقبال کر رہے ہیں۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ سلطان نے دس ہزار سپاہیوں کے نو دستے کر دیئے تھے۔ اس وقت ہر دستہ نہایت شان کے ساتھ آ رہا تھا۔

ہارون اور التونتاش کے دستے ان کا پرجوش استقبال کر رہے تھے۔

یہ دستے شام تک آتے رہے اور راجپوت یہ اندازہ ہی نہ لگا سکے کہ کس قدر لشکر آ چکا۔

تیسرے روز امیر علی خویشاوند اور حاجب علی کے دستے آئے اور اس طرح مسلمانوں کا لشکر تین روز تک متواتر آتا اور وسیع میدان میں پھیل کر فروکش ہوتا رہا۔

اگرچہ کل تیس ہزار سوار تھے۔ لیکن اونٹوں گھوڑوں اور سپاہیوں سے قلعہ کے سامنے کا تمام میدان لبریز ہو گیا تھا جس سے ہندوؤں کو مسلمانوں کی تعداد دگنی معلوم ہونے لگی۔

لیکن ہندو اس کثرت سے تھے کہ انہوں نے تمام قلعہ سارا شہر سومنات کا مندر اور ان کے

درمیان میدان بھر رکھے تھے۔

سلطان کے آجانے کے بعد اہل سومنات اس بات کے منتظر رہے کہ اب مسلمان کیا کرتے ہیں۔ مسلمانوں نے بھی کوئی نقل و حرکت نہیں کی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ سستا رہے تھے۔

ایک پُر راز خط!

ایک روز ہارون اور برہان دونوں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ برہان کہہ رہا تھا۔ چندر موہنی نے بھی شاید اور وں کی طرح ہمارے آنے کو دیکھا ہو۔

ہارون ـــــ شاید۔

برہان ـــــ لیکن اس کے دل میں اگر تمہارا کچھ خیال ہے تو... ہارون نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ اسے یہاں میرے پاس دوڑا چلا آنا چاہیئے تھا۔

برہان ـــــ (مسکرا کر)... اندھیا محبت میں تو ضرور ایسا ہو جانا لیکن.......

ہارون ـــــ عقل کے ناخن لو میاں برہان...... تم ابھی لڑکے ہو۔

برہان نے لمبا قہقہہ لگا کر کہا اور تم شاید ساٹھ سالہ سن رسیدہ اور سنجیدہ بزرگ ہو۔

ہارون ـــــ سنا نہیں۔ بزرگی بہ عقل است نہ بسال۔

برہان ـــــ یہ مقولہ تو ہم جیسوں کے لیے کہا گیا ہے۔ تم جیسوں کے لیے نہیں جو ایک غیر کفٔ لڑکی کی محبت میں سرشار ہیں۔

برہان ـــــ ہارون! اگر خدا نے کہا اور ہم نے فتح پائی اور چندر موہنی گرفتار ہو گئی اور عالم پناہ نے اسے تمہیں دے بھی دیا تو کیا تم اس کے ساتھ شادی کر لو گے۔

ہارون ـــــ نہیں۔

برہان ـــــ تب کیا لونڈی بنا کر رکھو گے۔

ہارون ـــــ اس سے اس کی توہین ہو گی۔

برہان ـــــ پھر کیا کرو گے۔

ہارون ـــــ اسے آزاد کر دوں گا۔

برہان ـــــ اور وہ دعویٰ محبت۔

ہارون ـــــ پھر بھی باقی رہے گا۔

برہان ـــــ گویا اسے آزاد کر کے اپنے ساتھ رکھو گے۔ اس کی زندگی بھی تباہ کرو گے اور اپنی بھی۔

ہارون ـــــ نہیں میں اسے اپنے ساتھ رہنے پر مجبور نہ کروں گا۔ بلکہ اسے آزادی دے دوں گا کہ وہ جہاں چاہے جائے۔ جس جگہ چاہے رہے۔

برہان ـــــ اور تم اپنے کفٔ میں شادی کر لو گے۔

ہارون ـــــ قیامت تک نہیں۔ برہان تم نہیں جانتے یا نہیں جان سکتے کہ مجھے چندر موہنی سے کس قدر محبت ہو گئی ہے۔ بس یہ سمجھ لو...... مگر نہیں نہ یہ بات مجھے سمجھانے کی اور نہ تمہیں سمجھنے کی ضرورت ہے ہاں صرف ایک بات تم سے کہتا ہوں اور وہ یہ کہ میں عمر بھر شادی نہ کروں گا مجرد رہوں گا۔

برہان کو یہ بات سن کر بڑی حیرت ہوئی اس نے کہا۔ عمر بھر مجرد رہو گے۔

ہارون نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ہاں عمر بھر۔ یہ میرا اٹل ارادہ ہے۔

برہان ـــــ تب تمہارے ناقص العقل ہونے میں کوئی شک ہی نہیں رہا۔

ہارون ـــــ اب تم یا دنیا جو کچھ بھی مجھے سمجھے۔

برہان ـــــ مگر تم ایسا کرو گے ہی کیوں۔

ہارون ـــــ اس لیے کہ محبت صرف ایک ہی مرتبہ اور ایک ہی عورت کے ساتھ ہوتی ہے۔ بدقسمتی سے سمجھے۔ چندر موہنی سے محبت ہو گئی ہے اور اتنی شدید محبت جو ناقابل انتقال ہے لیکن وہ غیر کفٔ مشرک ہے۔ بت پرست ہے۔ میں اس کے ساتھ شادی نہیں کر سکتا۔

برہان ـــــ لیکن اگر اسے بھی تمہارے ساتھ محبت ہوئی تب۔

ہارون ـــــ اول تو غیر ممکن ہے کہ وہ صنم پرست سیم تن مجھ سے محبت کرے اور اگر ممکن بھی ہو تب بھی ایسا نہ ہو گا۔

برہان ـــــ اگر وہ مسلمان ہو جائے۔

ہارون ـــــ ایسی صورت میں شرعاً وہ مجھ پر حلال ہو جائے گی لیکن برہان میں اپنے خون میں کسی غیر قوم کا خون اور اپنی ہڈیوں میں کسی غیر قوم کی ہڈی شامل کر کے اپنے خاندان کو دو غلا

بناناہرگز پسند نہ کروں گا۔

برہان ـــــ عجیب خیال کے آدمی ہو تم۔

ہارون ـــــ اور خدا مجھے میرے خیال پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس وقت ایک شاہی سوار گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا اور ہارون کے خیمہ سے ذرا فاصلہ پر گھوڑا روک کر اتر پڑا۔ برہان اور ہارون دونوں نے اسے دیکھ لیا۔ ہارون نے کہا۔ غالباً اعلیٰ حضرت نے ہم دونوں کو یاد فرمایا ہے۔

اس عرصہ میں سوار خیمہ کے اندر داخل ہوا اور سلام کر کے بولا آپ کو جہاں پناہ نے یاد فرمایا ہے

ہارون ـــــ کیا ہم دونوں کو۔

سوار ـــــ نہیں۔ صرف آپ کو۔

برہان ـــــ میرے دوست مبارک ہو۔ میرا خیال ہے کہ عالم پناہ تمہیں مہاراجہ سومنات کے پاس قاصد بنا کر بھیجیں گے (مسکرا کر) اگر ایسا ہو تو اپنی ان سے ضرور مل کر آنا۔ مجھے......

ہارون مسکرانے لگے۔ وہ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور افسری کے لباس میں ملبوس ہو کر روانہ ہو گئے۔

ہارون کا لشکر سمندر کے کنارہ پر خیمہ زن ہوا تھا۔ چونکہ راجپوتوں نے کشتیوں کی حفاظت کے لیے اس طرف ایک بڑا فوجی دستہ متعین کر دیا تھا۔ اس لیے اس دستہ کے مسلمانوں کو ہر وقت ہوشیار رہنا پڑتا تھا۔

سلطان اس لشکر سے کئی میل کے فاصلہ پر فروکش تھے۔ ہارون تیزی سے چل کر سلطانی لشکر میں داخل ہوئے۔ خیمہ سلطان کے پاس پہنچ کر گھوڑے سے اترے اور باریابی کی اجازت حاصل کر کے خیمہ کے اندر داخل ہوئے۔

ہارون کو داخل ہوتے سلطان نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا ہارون نے فوراً جھک کر نہایت ادب سے سلام کیا۔ سلطان نے سلام کا جواب دے کر مسکراتے ہوئے کہا۔ تم آ گئے ہارون۔ آؤ ہمارے قریب ہو کر بیٹھو۔

ہارون سلطان کے قریب جا بیٹھے انھوں نے دیکھا کہ سلطان کے سامنے ایک خط کھلا ہوا پڑا ہے۔ لیکن کاغذ کی بدرنگی اور روشنائی کا پھیکا پن بتا رہا تھا کہ یہ خط عرصہ کا لکھا ہوا ہے۔ ہارون غور سے خط کو دیکھ رہے تھے۔ لیکن وہ اپنے فاصلہ پر رکھا ہوا تھا کہ وہ پڑھ نہ سکے۔

سلطان کن انکھیوں سے دیکھ رہے تھے کہ ہارون خط کو بغور دیکھ رہے ہیں۔ چند لمحہ توقف کرنے کے بعد سلطان نے کہا۔ ہارون! جس خط کو آج تم غور سے دیکھنے اور پڑھنے کی کوشش کر رہے ہو یہی خط مجھے اس سرزمین میں لانے کا باعث ہوا ہے۔

ہارون اپنی غلطی پر متنبہ ہو کر کانپ گئے۔ یہ بات آداب شاہی کے خلاف تھی کہ کسی خط کو غور سے دیکھنے یا پڑھنے کی کوشش کی جاتی۔ انہوں نے معذرت خواہ نگاہوں سے سلطان کو ایک نظر دیکھ کر عذر خواہی کے لہجہ میں کہا۔ عالم پناہ! مجھ سے سخت غلطی ہوئی کہ میں نے خط بغور دیکھا۔ لیکن میں نے اسے پڑھنے کی کوشش نہیں کی۔

سلطان ـــــ خائف نہ ہو ہارون! ہم نے تمہیں ملامت کرنے کے لیے ایسا نہ کہا تھا۔ ہم خود تمہیں خط دے دیتے اور تم پڑھ کر اس کے نفس مضمون سے واقف ہو جاتے لیکن اس میں ایک راز تحریر ہے اور ہم بادولت مناسب نہیں سمجھتے کہ اس راز کو قبل از وقت ظاہر ہو جانے دیں۔ ہاں اگر کوئی ایسا وقت آیا تو ضرور ظاہر کر دیا جائے گا۔

ہارون ـــــ عالم پناہ ہی ان مصلحتوں کو خوب سمجھتے ہیں۔

سلطان ـــــ ہاں۔ وہ اس لیے کہ ہم ان باتوں سے واقف ہیں جنہیں تم نہیں جانتے...... اچھا تو ہم کہہ رہے تھے کہ یہی خط ہمیں یہاں...... لانے کا باعث ہوا ہے......

ہارون ـــــ بے شک۔ عالم پناہ نے یہ فرمایا تھا۔

سلطان ـــــ چونکہ عام طور پر کسی کو یہ بات معلوم نہیں ہے کہ ہم سومنات پر کیوں حملہ آور ہوئے ہیں۔ اس لیے اب بھی مختلف خیالات... ظاہر کیے جا رہے ہیں اور آئندہ بھی کیے جائیں گے معلوم نہیں مورخ تاریخوں میں لکھیں گے کہ ہمیں محض زر بے گانہ فتوحات حاصل کرنے کا شائق بتلائے گا۔ غرض اپنی اپنی سمجھ کے موافق ہر شخص رائے زنی کرے گا۔ لیکن...... (ٹھنڈا سانس بھر کر) میرا خدا جانتا ہے کہ میں کیوں اتنا دور دراز کا فاصلہ طے کر کے۔ لق و دق میدان کو عبور کر کے ہزاروں مصیبتیں اٹھا کر یہاں آیا ہوں۔

ہارون ـــــ اور خدا ہی کا جاننا بہتر ہے۔

سلطان ـــــ ہاں خدا ہی کا جاننا بہتر ہے ہمیں اس سے صلہ کی امید ہے۔ وہی جزا دینے والا ہے۔

کچھ وقفہ کے بعد سلطان نے پھر کہنا شروع کیا۔ ہارون ہماری جوانی رخصت ہو گئی ہے ضعیفی

آگئی ہے۔ صبح زندگی کی شام قریب ہے۔ یہ زمانہ گوشہ نشین ہو کر یادِ خدا کرتے اور سفرِ آخرت کے لیے توشہ تیار... کرنے کا ہے۔ لیکن...... میں سمجھتا ہوں کہ جس کام کے لیے میں یہاں آیا ہوں وہ بھی عبادت و ریاضت میں داخل ہے...... تو اس تمہید کو سن کر حیران ہو رہا ہے۔ ہارون

ہارون ـــــ عالم پناہ اس وقت باتیں ہی کچھ ایسی ارشاد فرما رہے ہیں۔

سلطان ـــــ ہم نے آج تک اس امر کا کسی سے ذکر نہیں کیا ہے۔ لیکن آج کچھ تجھ سے تذکرہ آگیا ہے۔ مگر تو اس کا کسی سے ذکر نہ کرنا

ہارون ـــــ اس خانہ زادسے اعلیٰ حضرت کی اعتماد شکنی کی جرأت ناممکن ہے۔

سلطان ـــــ ہم اس بات کو خوب جانتے ہیں کیا تم سومنات کے قلعہ میں جانے کی جرأت کر سکو گے۔

ہارون ـــــ بسر و چشم۔

سلطان ـــــ ہم تمہیں قاصد بنا کر اتمامِ حجت کے لیے مہاراجہ...... سومنات کے پاس بھیجنا چاہتے ہیں۔

ہارون کے چہرہ پر فرطِ مسرت سے سرخی دوڑ گئی۔ انھوں نے کہا۔ میں حاضر ہوں۔

سلطان نے ایک خط مسند کے نیچے سے نکال کر ہارون کی طرف بڑھایا۔ جسے ہارون نے دوزانو اٹھ کر دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں پر لیا اور سر پر رکھ کر ہاتھ پر تھام لیا۔ سلطان نے کہا یہ مہاراجہ کو پہنچا دو۔ اگر وہ تم سے زبانی اس کے متعلق کچھ پوچھے تو کہہ دینا کہ مجھے حالات کچھ معلوم نہیں۔

ہارون ـــــ بہتر ہے۔

سلطان ـــــ ایک خط اور بھی تمہیں پہنچانا ہے۔ وہ دھرمپال کو لیکن اس ہوشیاری سے احتیاط سے کہ کوئی نہ دیکھے اور کسی کو اس کی خبر نہ ہو۔

ہارون ـــــ ایسی ہی کوشش کی جائے گی۔

سلطان نے دوسرا خط بھی مسند کے نیچے سے نکال کر دیا اور ہارون نے حسبِ سابق اسے بھی لے لیا۔ سلطان نے کہا۔ آج ہی روانہ ہو جاؤ۔ مہاراجہ کا جواب آنے تک جنگ نہ کی جائے گی۔

ہارون سلام کر کے اٹھے اور دونوں خطوط واسکٹ کی جیب میں رکھ کر گھوڑے پر سوار ہو کر لوٹے۔ وہ حیران ہو رہے تھے کہ برہان کا خیال کس قدر صحیح نکلا۔

جب وہ اپنے خیمہ پر پہنچے تو برہان کو منتظر پایا۔ اس نے انھیں دیکھتے ہی کہا کہ

وہی بات۔ قاصد بنا کر سومنات کے قلعہ میں بھیجے جا رہے ہو نہ۔

ہارون ـــــ تمہارا خیال بالکل درست نکلا برہان۔ لیکن تم نے بغیر میرے بتائے کیسے اس بات کو سمجھ لیا۔

برہان ـــــ تمہارے مسرت ناک چہرہ کو دیکھ کر۔ کب جاؤ گے۔

ہارون ـــــ اسی وقت۔

برہان ـــــ کیا تنہا۔

ہارون ـــــ ہاں۔

برہان ـــــ ذرا راجپوتوں سے ہوشیار رہنا یہ لوگ بڑے کینہ پرور ہوتے ہیں۔

ہارون ـــــ خدا میری حفاظت کرے گا۔

ہارون نے جلدی جلدی تمام ہتھیار بدن پر لگائے اور برہان کو خدا حافظ کہہ کر قلعہ سومنات کی طرف روانہ ہو گئے۔

بارھواں باب

حسین پیغامبر

راجپوت قلعہ سومنات کی فصیل پر ہر وقت گشت کرتے اور اسلامی لشکر کی طرف دیکھتے رہتے تھے۔ چیو راجہ اور مہاراجہ سومنات کی مدد کے لیے آئے تھے۔ وہ اکثر سومنات کے مہاراجہ کے پاس آتے اور جنگ کے متعلق مشورے کیا کرتے۔

یہ بات ان تمام لوگوں کو معلوم تھی کہ سلطان جنگ شروع کرنے سے قبل کوئی پیغام بھیجیں گے۔ یہ بات ان کی عادت میں داخل ہے وہ قاصد کے آنے کا انتظار کر رہے تھے۔

چنانچہ کچھ سپاہیوں نے ہارون کو آتے ہوئے دیکھا۔ فوراً اس کی آمد کی اطلاع افسروں کو کی گئی۔ بہت سے افسر فصیل کے جھروکوں سے جھانک کر دیکھنے لگے۔

ہارون دوڑا قلعہ کے شمالی پھاٹک پر پہنچ کر رکے اور بلند آواز میں اہل سومنات کی زبان میں بولے۔ میں قاصد ہوں اور شاہی پیغام لے کر آیا ہوں۔

ان افسروں نے جو جھانک رہے تھے۔ ان کی آواز سنی فوراً مہاراجہ کو قاصد کے آنے کی اطلاع کی گئی۔ اتفاق سے اس وقت مہاراجہ کے پاس دھرمپال بیٹھے تھے۔ مہاراجہ نے ان سے کہا کیا آپ پھاٹک تک جانے اور قاصد کو اپنے ہمراہ لانے کی تکلیف گوارا کریں گے۔

دھرمپال ——— کیوں نہیں۔

مہاراجہ ——— اچھا تو تشریف لے جائیے۔ میں اس لیے آپ کو بھیج رہا ہوں کہ آپ وحشی مسلمانوں کی زبان جانتے ہیں اور لوگوں کے دلوں سے ان کی راز کی باتیں اگلوانے میں مشتاق ہیں۔ آپ قاصد سے یہ بات معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ اسلامی لشکر کس قدر ہے۔

دھرمپال ——— یہ مسلمان بڑے ہوشیار اور پختہ کار ہوتے ہیں ذرا مشکل ہی سے باتوں میں آتے ہیں۔ لیکن میں کوشش کروں گا۔

مہاراجہ ——— ہاں کوشش کیجیے۔ میرا خیال ہے کہ ضرور کچھ نہ کچھ حال آپ کو معلوم ہو جائے گا۔

دھرمپال اٹھے۔ چلے اور تنہا پھاٹک پر آئے۔ انہوں نے پھاٹک کے محافظوں سے چھوٹی کھڑکی کھولنے کو کہا۔ فوراً کھڑکی جو قد آدم تھی کھول دی گئی اور دھرمپال نکلے۔ جوں ہی انہوں نے ہارون کو دیکھا نہایت خوش ہو کر ان کی طرف بڑھتے ہوئے بولے اوہ ہارون تم ہو۔

ہارون نے انہیں سلام کر کے جواب دیا۔ جی ہاں میں ہی ہوں۔

وہ گھوڑے سے اترے اور دھرمپال کے پاس آئے انہوں نے جلدی سے خط نکال کر انہیں دیتے ہوئے کہا۔ عالم پناہ نے یہ خط خاص طور پر آپ کو دینے کا حکم دیا تھا۔

دھرمپال ——— آہستہ بولو۔ لاؤ۔

انہوں نے خط لے کر جلدی سے چھپا لیا اور بولے کیا اس کا جواب ابھی دینا ہو گا۔

ہارون ——— ہاں اگر آپ پسند کریں۔

دھرمپال ——— تب تمہیں کچھ دیر انتظار کرنا ہو گا۔

ہارون ——— میں انتظار کروں گا۔

دھرمپال ——— لیکن سلطان نے تمہیں قاصد بنا کر کیوں بھیجا۔

ہارون ——— اس بات کو وہی خوب جانتے ہوں گے۔ شاید یہ بات ہو کہ میں کچھ زبان یہاں والوں کی جانتا ہوں۔

دھرمپال ——— مگر تمہارے لیے یہاں خطرہ ہے۔

ہارون ——— خدا مددگار ہے۔ مجھے خطرہ کی پرواہ نہیں ہے۔

دھرمپال ——— شاباش! اچھا آؤ۔ مہاراجہ اسلامی لشکر کی تعداد معلوم کرنا چاہتا ہے۔

ہارون ——— میں لشکر کی صحیح تعداد نہیں جانتا۔

دھرمپال ——— یہی جواب مناسب ہے۔

ہارون نے گھوڑا پھاٹک سے باندھا اور کھڑکی کے ذریعہ سے اندر قلعہ میں داخل ہوئے۔ قاصد کے آنے کی خبر بجلی کی طرح تمام قلعہ میں دوڑ گئی۔ لوگ قاصد کو دیکھنے کے لیے جمع ہونے لگے۔ ان کا خیال تھا کوئی پختہ کار شخص آیا ہو گا۔ لیکن جب ہارون کو دیکھا تو ان کی نوعمری دیکھ کر بڑے متعجب ہوئے۔

دھرمپال اور ہارون دونوں باتیں کرتے چلے جا رہے تھے کہ ہٹو بچو کی آواز آئی۔ معلوم ہوا کہ راجکمار

چندر موہنی مندر میں سے آ رہی ہے۔ اس خبر کو سن کر ہارون کا دل دھڑکنے لگا۔ یہ دونوں راہ
سے پرے چلنے لگے۔

تھوڑی ہی دیر میں کچھ سوار آئے اور ان کے قریب سے نکلے چلے گئے ان کے پیچھے ا
خوشنما رتھ آیا۔ جس میں بہت سے گھوڑے جتے ہوئے تھے۔ رتھ کے ریشمیں پردے پڑے
تھے۔ جب وہ دھرمپال اور ہارون کے برابر میں پہنچا۔ تو دفعتہً پردے کھینچ گئے۔ رتھ رک گیا اور
نہایت ہی شیریں آواز آئی۔ گرو جی مہاراج آپ ہیں۔

یہ چندر موہنی نے دھرمپال کو مخاطب کیا تھا۔ دھرمپال اور ہارون دونوں کی نگاہیں رتھ کی
گئیں۔ پیکر حسن چندر موہنی کی چاندنی سی صورت نظر آئی۔ ہارون کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ دھرمپال ہارون کو
کر رتھ کے پاس آئے اور بولے۔ چندر موہنی شاہی قاصد آیا ہے بیٹی۔ تم مندر سے آ رہی ہو

چندر موہنی جی ہاں۔

اس کی نظر ہارون پر پڑی تو اس کے چہرہ پر بکھر گئی۔ وہ ہوش ربا چکیلی نگاہوں پر چھا گئی ہو
ہارون بھی اس زرفام کو دیکھ رہے تھے۔ دونوں کی نظریں چار ہوئیں اور دونوں اپنی اپنی جگہ پر ل
چندر موہنی نے سنبھل کر برق پاش تبسم کے ساتھ ہارون سے مخاطب ہو کر کہا۔ آپ ا
..... لیکن افسوس جنگ کرنے کے قصد سے کاش! ان کے زمانہ میں آتے۔

ہارون —— میں اب بھی صلح اور امن کا پیغامبر بن کر آیا ہوں۔

چندر موہنی —— تب تو تمہارا آنا مبارک ہے۔

ہارون —— مبارک اس لیے بھی ہے کہ خلاف توقع مجھے آپ کی زیارت نصیب

چندر موہنی کا چہرہ چمک اٹھا۔ اس نے کہا۔ میں آپ کا احسان بھولی نہیں ہوں۔

ہارون —— آپ میری ایک ادنیٰ خدمت کو سراہ رہی ہیں۔

چندر موہنی —— کاش صلح ہو جائے۔

دھرمپال —— اس کی توقع نہیں ہے۔

چندر موہنی —— میرا خیال ہے اگر آپ کوشش کریں تو شاید خونریزی رک جائے۔

دھرمپال —— ناممکن ہے۔ جنگ کا دیوتا بھینٹ مانگ رہا ہے۔

چندر موہنی —— کوشش تو کیجیے۔

دھرمپال —— کوشش ضرور کروں گا۔

چندر موہنی —— اچھا تو اب اجازت ہے۔

دھرمپال —— اچھا جاؤ۔

انہوں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھایا۔ چندر موہنی نے عجب نرم نگاہوں سے ہارون کو دیکھا۔
رتھ چلا اور ہارون کو ایسا معلوم ہوا۔ جیسے چاند دفعتہً چھپ گیا اور قلعہ میں اندھیرا چھپل گیا۔ وہ دور تک
رتھ کو دیکھتے رہے اور دھرمپال کے ساتھ چلتے رہے۔ آخر مہاراجہ کے روبرو پہنچے۔
مہاراجہ بھی ہارون کو دیکھ کر متعجب ہوئے انہوں نے کہا واہ واہ یہ کمسن نوجوان پیغامبر بنا کر
بھیجا گیا ہے۔

دھرمپال —— جی ہاں۔ یہ لوگ نڈر اور دلیر ہوتے ہیں۔

مہاراجہ —— میں اس بات کو مانتا ہوں۔

ہارون نے خط نکال کر مہاراجہ کو دیا۔ اس نے دھرمپال کو دے کر کہا۔ اس کا ترجمہ کر لائیے۔
دھرمپال خط لے کر چلے گئے۔ ہارون کو مہاراجہ نے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر میں
دھرمپال آئے اور انہوں نے ترجمہ مہاراجہ کے سامنے پیش کیا۔ مہاراجہ پڑھنے لگے۔ جوں جوں وہ پڑھتے
جاتے ان کا چہرہ سرخ ہوتا جاتا تھا۔ آنکھیں لال انگارہ بنتی جاتی تھیں۔

آخر خط ختم کر کے انہوں نے کہا۔ ملیکش سلطان .... ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔

دھرمپال —— ہاں صلح کی شرط نہایت سخت ہے۔ لیکن خونریزی روکنے کی ایک یہی صورت ہے
مہاراجہ نے طیش میں آکر کہا۔ خونریزی رکے یا نہ رکے لیکن یہ ہرگز نہ ہوگا۔ چندر موہنی کبھی سلطان
کے حوالہ نہ کی جائے گی۔ جب تک ایک راجپوت بھی زندہ ہے اس وقت تک یہ ناممکن ہے۔ آپ
جواب لکھ دیں۔

دھرمپال —— خوب سوچ لیجیے۔

مہاراجہ —— سوچ لیا ہے۔ مغرور سلطان کو دندان شکن جواب لکھیے۔

دھرمپال نے علیحدہ جا کر جواب لکھا اور مہاراجہ کے سامنے پیش کیا۔ مہاراجہ نے پڑھ کر اس
پر اپنی مہر لگائی اور بند کر کے ہارون کے حوالہ کر دیا۔

ہارون اٹھے دھرمپال ان کے ساتھ چلے۔ دونوں قلعہ سے باہر آئے دھرمپال نے جلدی سے
ایک خط ہارون کو دے کر کہا یہ میری طرف سے ہے۔

ہارون نے دھرمپال کو سلام کیا۔ گھوڑا پھاٹک سے کھولا اور اس پر سوار ہو کر چلے۔ دھرمپال نہیں

انہیں دیکھتے رہے۔ جب وہ دور نکل گئے۔ تب وہ قلعہ میں داخل ہوئے اور آہستہ آہستہ چلتے

مجلس شوریٰ

جب ہارون سلطانی خیمہ میں داخل ہوئے تو سلطان عصر کی نماز پڑھ چکے تھے۔ ہارون نے سلام کیا اور دونوں خطوط پیش کر دیئے۔ چونکہ دونوں خط ترکی زبان میں تھے۔ اس لیے سلطان نے خ پڑھنے شروع کیے پہلے انہوں نے دھرمپال کا خط پڑھا اور پڑھ کر مسکرائے۔ پھر مہاراجہ کا خط شروع کیا۔ اسے ختم کر کے ان کے چہرہ سے برہمی کے آثار ظاہر ہوئے۔ انہوں نے درشت میں کہا۔ کافر۔۔۔۔ سنگ زادہ! صلح پر آمادہ نہیں۔ جنگ ہی کرنا چاہتا ہے۔ لشکر کی بہتات مغرور ہو گیا ہے۔ اس کا جواب تلوار ہی سے دیا جائے گا۔

سلطان کو خشم ناک دیکھ کر ہارون خائف ہو رہے تھے۔ سلطان نے دستک دی۔ ایک غلام حاضر ہو کر ادب سے سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔ سلطان نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ التونتاش۔ امیر علی خویشاوند۔ حاجب علی اور دوسرے افسروں کو فوراً طلب کرو۔

غلام نے سر اطاعت خم کیا اور چلا گیا۔ سلطان نے ہارون سے مخاطب ہو کر دریافت کیا۔ تم نے کافروں کے لشکر کو دیکھا ہے۔ ہارون کس قدر ہوگا۔

ہارون نے جواب دیا۔ عالم پناہ! میں صحیح اندازہ تو نہیں لگا سکا لیکن یہ ضرور دیکھا ہے کہ تمام قلعہ۔۔۔ اور شہر کا درمیانی میدان۔ سپاہیوں سے لبریز ہیں۔

سلطان ـــــ دھرمپال نے لکھا ہے کہ راجپوتوں کے لشکر کی تعداد ڈیڑھ لاکھ سے بھی بڑھ گئی ہے۔ قلعہ، شہر۔ مندر اور ان کے درمیانی میدان ان سے بھرے پڑے ہیں۔

ہارون ـــــ حقیقت یہ ہے کہ ٹڈی دل راجپوت جمع ہو گئے ہیں۔

سلطان ـــــ ہونے دو۔ ہم لشکر کے بل بوتہ پر نہیں آئے ہیں۔ خدا کی اعانت کے بھروسے پر آئے ہیں۔ ہمارا خدا ہی پر تکیہ ہے۔ خدا ہی ہماری مدد کرے گا۔

ہارون ـــــ خدا کی مدد اور اعلیٰ حضرت کا اقبال ہم مجاہدین کا معاون ہوگا اور انشاء اللہ ہم فتح یاب ہوں گے۔

سلطان ـــــ انشاء اللہ۔ اب مغرب کی نماز کا وقت قریب آگیا ہے تم نماز پڑھ کر یہیں چلے آ

ہارون نے اٹھتے ہوئے کہا۔ بہتر ہے اور وہ خیمہ سے باہر نکل آئے۔ اس وقت آفتاب غروب ہونے کے قریب پہنچ گیا تھا۔

اس کی آخری سنہری شعاعیں سمٹ سمٹ کر غائب ہوتی جاتی تھیں۔ مشرق کی طرف دھندلا پن پھیلنے لگا تھا۔

ایک وسیع میدان میں مسلمان جمع ہو رہے تھے۔ یہ میدان دریائے عمان کے کنارہ پر تھا۔ یہ دریا نہایت فراخ اور گہرا تھا۔ شمال کی طرف سے آکر قلعہ اور شہر کے درمیان سے بہتا ہوا سمندر میں جا گرتا تھا۔

راجپوتوں نے اس شاہ راہ پر جو قلعہ سے شہر کو جاتی تھی دریا پر۔ نہایت مضبوط اور اتنا چوڑا پل بنا رکھا تھا۔ جس پر ایک وقت میں آٹھ سوار برابر برابر گزر سکتے تھے۔

چونکہ دریا کبھی سیدھا نہیں بہتا اس لیے عمان بھی پیچ و خم کھا کر بہہ رہا تھا۔ مسلمان اس کے کنارہ پر دور تک پھیلے اور بیٹھے ہوئے وضو کر رہے تھے۔ بہت سے وضو کرنے والوں کے پیچھے اس انتظار میں آستینیں چڑھائے کھڑے تھے کہ وہ اٹھیں تو وہ وضو کرنے کے لیے بیٹھیں۔

مجاہدین اسلام نہایت خاموشی سے وضو کرنے میں مصروف تھے۔ جو وضو کرتے جاتے تھے۔ وہ ہٹ کر میدان میں جمع ہوتے جاتے تھے اور جو وضو کرنے والوں کے پیچھے کھڑے تھے۔ وہ بیٹھ کر وضو کرتے جاتے تھے۔ ہارون نے بھی وضو کیا اور میدان میں آکر سبز سبز گھاس پر بیٹھ گئے۔ ہزاروں مسلمان صف در صف بیٹھے ہوئے تھے۔

اب آفتاب بالکل غروب ہو گیا اور پانچ آدمیوں نے مل کر نہایت بلند آہنگی کے ساتھ اذان دینی شروع کی۔ خدائے واحد و بزرگ کا نام اس کی تعریف و توصیف کے ساتھ پکارا جانے لگا تھا۔ اس کا ذرہ ذرہ حمد و ثنا سے گونج اٹھا۔ مسلمان سر جھکا کر کائنات کے خالق کی تعریف سننے لگے۔

جب اذان ہو رہی تھی اس وقت سلطان لمبے لمبے قدم رکھتے ہوئے آرہے تھے۔ اذان کے ختم ہوتے ہی سب نے دعا پڑھی اور اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ قاضی عساکر مصلے پر پہنچ گئے۔ مسلمانوں نے جلدی جلدی صفیں اس قدر سیدھی کر لیں کہ اگر ایک سرے سے تیر پھینکا جاتا تو دوسرے سے پار ہو جاتا۔

تکبیر کہی گئی اور نماز کی نیت باندھ لی گئی۔ ہزار ہا فرزندان توحید ہاتھ باندھے۔ سر جھکائے نگاہیں سجدہ گاہ پر جمائے کھڑے ہوئے تھے۔ جب وہ رکوع میں گئے۔ تو عجب شان عبودیت

ظاہر ہونے لگی۔ پھر قیام کر کے جب وہ سجدے میں پڑے تو خدا کی شان کبریائی اور انسانوں کی خاکساری نمایاں ہو گئی۔

چونکہ سفر میں نماز قصر ہو جاتی ہے اس لیے دو رکعت فرض پڑھے گئے۔ سلام پھیرنے کے بعد مسلمانوں نے سنتیں اور نفلیں پڑھیں اور اپنے اپنے قیام گاہوں کی طرف چل پڑے۔

سلطان اپنے خیمہ پر پہنچے۔ خیمہ میں روشنی کر دی گئی تھی۔ چونکہ سردی چمک آئی تھی۔ اس لیے سلطان نے سموری پوشین پہن لیا۔ ہارون بھی آ گئے اور ادب سے ایک طرف بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ تمام افسر اور سردار آ گئے جنہیں سلطان نے طلب کیا تھا۔

سلطان نے کہا میرے جانباز بہادرو! میں نے صلح کی کوشش کی۔ لیکن مغرور مہاراجہ نے اسے مسترد کر دیا۔ میں چاہتا ہوں کہ خونریزی نہ ہو۔ مگر راجپوتوں کو اپنی کثرت اور طاقت پر بڑا زعم ہے وہ بھولے ہوئے ہیں۔ اس بات کو کہ میں اس سے پہلے پندرہ حملے کر چکا ہوں۔ اور ان سے زیادہ مغرور سرکش لوگوں کو اپنا حلقہ بگوش بنا چکا ہوں۔

اب جنگ کو زیادہ عرصہ تک ملتوی کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ آپ صاحبان کی کیا رائے ہے۔

التونتاش ——— میں نے اپنے دستہ کے سواروں کو استصواب کیا تھا۔ وہ صلح کی سلسلہ جنبانی کی خبر سن کر ہی مایوس ہو گئے تھے۔ ایک سپاہی بھی ایسا نہ نکلا جو جنگ کا خواہش مند نہ ہو۔

امیر علی ——— یہی کیفیت میرے لشکر کے سپاہیوں کی ہے۔ وہ جہاد کرنے کے لیے بے چین ہو رہے ہیں۔ کہتے ہیں شہادت ان کی عین تمنا ہے میرے خیال میں اب حملہ کی تیاری شروع کر دینی چاہیے۔

سلطان ——— لیکن حملہ کا اسلوب کیا ہو۔

التونتاش ——— پہلا حملہ ہمیں میدان میں بڑھ کر کرنا چاہیے۔ اگر راجپوتوں کی تعداد اتنی ہی ہے جتنی کی شہرت ہے تو . . . .

سلطان نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ راجپوتوں کی تعداد ڈیڑھ لاکھ کے قریب ہے۔

التونتاش ——— کچھ زیادہ نہیں ہیں۔ ہم انہیں بھیڑوں سے زیادہ نہیں سمجھتے۔ انشاء اللہ ایک ایک مسلمان دس دس راجپوتوں کے لیے کافی ہے۔

امیر علی ——— اس تناسب سے تو ہم پہلے بھی کئی معرکوں میں جنگ کر چکے اور کامیاب ہوئے۔

التونتاش ——— میں یہ کہہ رہا تھا کہ اگر ان کی تعداد ڈیڑھ لاکھ ہے۔ تو ممکن ہے وہ جوش شجاعت اور کثرت کے زعم میں قلعہ سے باہر نکل آئیں۔

امیر علی ——— یہ بات ناممکن معلوم ہوتی ہے۔ راجپوت شور و شر تو بہت کرتے ہیں مگر بہادری سے میدان میں نہیں نکلتے۔

التونتاش ——— اگرچہ یہ بات درست ہے۔ مگر میں نے سنا ہے کہ کچھ راجپوت زعفرانی لباس پہن کر آئے ہیں اور اس لباس والے موت کو ترجیح زندگی پر دیا کرتے ہیں۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو ممکن ہے۔ یہ زعفرانی لباس والے ہی قلعہ سے باہر میدان میں نکل آئیں۔

سلطان ——— ہاں یہ بات ممکن ہے لیکن فرض کرو کہ وہ قلعہ سے باہر نہ نکلیں تب کیا کرنا چاہیے۔

التونتاش ——— تب ہمیں اس لشکر پر حملہ کرنا چاہیے جو قلعہ اور شہر کے درمیان میدان میں فروکش ہے۔

ہارون ——— لیکن آپ شاید اس لشکر کو نظر انداز کر گئے جو سمندر کی طرف پھیلا ہوا ہے اور کشتیوں اور جہازوں کی حفاظت کر رہا ہے۔

التونتاش ——— میری نگاہوں میں ہر طرف کے راجپوت ہیں۔ نہ انہیں میں نے نظر انداز کیا ہے نہ کر سکتا ہوں۔ اگر اعلیٰ حضرت پسند فرمائیں۔ تو میرا مشورہ یہ ہے کہ قلعہ پر صرف میں اور بھائی امیر علی خوب شاد و تند حملہ کریں۔ سلطانی لشکر ہماری پشت پر مسلح کھڑا رہے جنگ میں بغیر اشد ضرورت کے حصہ نہ لے اور حاجب علی شاہی لشکر سے فاصلہ پر اتھواڑہ کی طرف ناکہ بندی کیے رہیں۔

حاجب علی ——— اس سے کیا فائدہ ہے۔ اس طرف تو دشمن نہیں ہے۔

التونتاش ——— بے شک اس وقت اس طرف دشمن نہیں ہے لیکن ابھی تک راجپوتوں کی آمد جاری ہے جو بالا ہی بالا دریائے عمان کے کنارہ کنارہ چل کر قلعہ یا شہر میں داخل ہو جاتے ہیں اور ہم بوجہ جنگلات کے ان کی آمد سے ناواقف رہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ جب ہم جنگ میں مصروف ہوں وہ ادھر سے اچانک ہم پر حملہ کر دیں . . . .

سلطان ——— مآل اندیشی یہی ہے کہ تمام راستوں کی ناکہ بندی کر دی جائے . . . . حاجب علی اس طرف ہوشیاری سے نگراں رہیں اور کوشش کریں کہ اس طرف سے راجپوتوں کی آمد اور قلعہ کی طرف روانگی بند ہو جائے۔

حاجب علی ——— مجھے اس بات کی خبر نہ تھی۔ میں اب اس کا انتظام کر دوں گا۔

التونتاش ——— اب رہا سمندر کی طرف کا لشکر تو ہارون اور برہان دونوں کو اس طرف سے

دشمنوں کو نہ بڑھنے دینا چاہیئے۔

ہارون ـــــ میں اس میں یہ ترمیم کرنا چاہتا ہوں کہ ہم دشمنوں کے بڑھنے اور حملہ کرنے ہی کا انتظار نہ کریں۔ بلکہ خود بڑھ کر ان پر حملہ آور ہوں۔

التونتاش ـــــ میں اس بات کو مناسب نہیں سمجھتا

سلطان ـــــ مگر ہمارے خیال میں یہ بات نہایت مناسب ہے بلکہ مناسب ہی نہیں اشد ضروری ہے۔ اس سے راجپوتوں پر ہمارا رعب چھا جائے گا۔

التونتاش ـــــ لیکن میرا خیال ہے کہ اگر اس طرح جنگ ہوئی اور لڑائی کا زور بڑھ گیا تو ممکن ہے ہارون کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔

ہارون ـــــ مگر میرا خیال ہے کہ ہمارے اس طرح حملہ آور ہونے سے راجپوتوں میں سراسیمگی اور ابتری پھیل جائے گی۔

سلطان ـــــ یہی خیال ہمارا بھی ہے اور اگر ہارون نے بندرگاہ پر قبضہ کر لیا تو ہماری کامیابی ہو گی اور ہمیں سمندر کی طرف سے حملہ کرنے میں بھی آسانی ہو جائے گی۔

امیر علی ـــــ یہ رائے نہایت مناسب ہے۔

التونتاش ـــــ ہارون، اگر تم بندرگاہ پر حملہ کرو تو اس خیال کو مد نظر رکھ کر کہ اسے فتح کیے بغیر واپس نہ لوٹو گے۔

ہارون ـــــ انشاء اللہ ایسا ہی ہو گا۔

سلطان ـــــ بس تو کل حملہ ہونا چاہیئے۔

التونتاش ـــــ بہت اچھا۔ اسی وقت لشکر میں اعلان کر دیا جائے گا۔ مجاہدین تو حملہ کی خبر سن کر نہایت خوش ہوں گے۔

سلطان ـــــ صبح کی نماز پڑھ کر تمام لشکر نہایت خشوع و خضوع سے فتح کی دعا مانگے اور پورے جوش اور پوری سرگرمی سے حملہ کرے۔

التونتاش ـــــ سلطانی فرمان کی تعمیل کی جائے گی۔

چونکہ مشورہ ختم ہو گیا اس لیے مجلس شوریٰ برخاست ہوئی اور سب اٹھ اٹھ کر چلے گئے۔

تیرھواں باب

پُرجوش حملہ

عشاء کی نماز پڑھنے کے لیے جب مجاہدین فراخ میدان میں جمع ہوئے تو نماز کے بعد متعدد لوگوں نے یہ اعلان کر دیا کہ کل حملہ کیا جائے گا۔ مسلمان اس نوید روح پرور کو سن کر نہایت مسرور و محظوظ ہوئے انہوں نے واپس آتے ہی ہتھیار صیقل کرنے شروع کر دیئے۔ کچھ رات گئے تک ہتھیار صاف کرتے رہے۔ پھر اپنے دوستوں اور عزیزوں کے خیموں پر جا جا کر انہیں مبارکباد دینے لگے۔ بالکل اسی طرح جس طرح ہندوستان کے مسلمان عید کا چاند دیکھ کر خوشی مناتے اور ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے پھرا کرتے ہیں۔

اللہ اللہ کیا زمانہ تھا اور کیسے وہ لوگ تھے۔ جہاد سے انہیں عید جیسی مسرت حاصل ہوتی تھی۔ اگرچہ ہجرت نبوی صلعم کو تقریباً پانچ صدیاں گذر چکی تھیں۔ لیکن اس وقت تک بھی مسلمانوں میں جہاد کا شوق شغف تھا۔ لہو و لعب کو سمجھتے تھے۔ عیش و عشرت سے نفرت کرتے تھے۔ جفاکشی ان کا شیوا تھا۔

سومنات کے وسیع میدان میں گروہ در گروہ مسلمان پھر رہے تھے۔ چاندنی رات تھی۔ چاند نور کی بارش کر رہا تھا۔ آسمان سے زمین تک نور برس رہا تھا۔ کائنات کے ذرہ ذرہ نے نورانی لباس زیب تن کر لیا تھا۔ مجاہدین سفید لباس میں نورانی فرشتوں کی طرح ادھر ادھر چل رہے تھے۔

دیر تک ملنے ملانے کا سلسلہ جاری رہا۔ آخر نصف شب کے قریب سب سو گئے اور صبح کی اذان سن کر بیدار ہو کر ضروریات سے فراغت کر کے نماز کے لیے جمع ہونے لگے۔

سب نے نہایت انہماک سے نماز پڑھی اور نہایت خشوع و خضوع سے فتح کی دعا کی مانگتے رہے۔ دعا مانگ کر سب اٹھے اور تیزی سے اپنے اپنے خیمہ میں پہنچ کر مسلح ہوئے اور میدان میں نکل نکل کر صف در صف کھڑے ہونے لگے۔

ہر سپاہی اپنے دستہ میں پہنچ گیا۔ نئی مجاہدین کچھ علیل ہو گئے تھے۔ اگرچہ سلطان نے ان کی

علالت کی وجہ سے انہیں اجازت دی تھی کہ وہ میدان جنگ میں نہ نکلیں لیکن جہاد کے شوق نے انہیں [illegible] کیا اور وہ بھی مسلح ہو کر نکل ہی آئے۔

حاجب علی نے انہلواڑہ کے تمام راستوں کی ناکہ بندی کر دی التونتاش اور امیر علی خویشاوند اپنے اپنے پانچ پانچ ہزار دستوں کے ساتھ قلعہ سومنات کی طرف بڑھنے لگے سلطان وسط میدان میں اپنا لشکر لے کر کھڑے ہو گئے۔

ہارون اور برہان بندرگاہ کی طرف چلے اس طرح مسلمان ہر طرف پھیل گئے اور دیکھنے والا [illegible] کو میدان کے ایک سرے سے دوسرے تک پھیلے ہوئے نظر آنے لگے۔

قلعہ کی فصیل پر سیور راجپوت کھڑے تھے۔ انہوں نے شور مچایا "مسلمان حملہ کرنے والے ہیں! [illegible] مسلمان حملہ کرنے والے ہیں"۔

راجپوت یہ آواز سن کر فصیل پر دوڑ کر چڑھ گئے۔ مہاراجہ اور دوسرے سردار بھی [illegible] برجوں میں جا بیٹھے۔ انہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کا سیلاب قلعہ کی طرف بڑھا چلا آ رہا ہے۔

جب مسلمان قلعہ کے زیادہ قریب آ گئے۔ تو راجپوتوں نے چلا کر کہا۔ وحشی مسلمانو! تم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ تمہارا مغرور سلطان ہمارا کچھ نہیں کر سکتا۔ ہم سومنات جی کے سایہ میں ہیں۔ جو [illegible] قلعہ کے قریب آئے اور سومنات جی نے تمہیں بھسم کیا۔ زندگی چاہتے ہو تو واپس لوٹ جاؤ۔

چونکہ مسلمان ان کی زبان سے واقف نہ تھے اس لیے انہوں نے ان کا ایک لفظ بھی نہ سمجھا لیکن چونکہ وہ بخوبی جانتے تھے کہ ہندو مسلمانوں کو گالیاں دیا کرتے ہیں۔ اس لیے یہی سمجھ گئے کہ وہ گالیاں دے رہے ہیں۔

انہوں نے ان کی باتوں پر کان نہ دھرے جس رفتار سے آ رہے تھے آتے رہے جب راجپوتوں نے دیکھا کہ وہ زد پر آ گئے ہیں تو انہوں نے فلاخنوں کے ذریعہ سے سنگ باری شروع کر دی۔ نوکیلے پتھروں کے ٹکڑے اولوں کی طرح برسنے لگے۔

مسلمانوں نے اپنی بڑی بڑی ڈھالیں سامنے کر دیں اور اس طرح انہیں اپنے اور گھوڑوں کے سامنے پھیلا دیا۔ جس سے وہ بھی محفوظ رہیں اور ان کے بے زبان جانور بھی۔

راجپوت گلے پھاڑ پھاڑ کر چلا رہے تھے اور نہایت زور سے بڑی پھرتی اور قوت سے سنگباری کر رہے تھے۔

اگرچہ مسلمانوں نے ان خاردار سنگریزوں سے بچنے کے لیے ڈھالوں کا قلعہ بنا لیا تھا لیکن پتھر

اس زور سے آ رہے تھے کہ ڈھالیں پھٹنے لگی تھیں اور مجاہدین اور ان کے گھوڑے زخمی ہونے لگے تھے لیکن مسلمانوں نے یہ ظاہر ہی نہ ہونے دیا کہ کفار کی سنگ باری انہیں نقصان پہنچا رہی تھی وہ نہایت استقلال اور بڑی جوانمردی سے برابر بڑھتے چلے جا رہے تھے۔

راجپوت ان کی یہ جرات اور جسارت دیکھ کر کمال حیران ہوئے وہ خوب جانتے تھے کہ ان کی فلاخنوں سے نکلے ہوئے پتھروں کے ٹکڑے انسانوں کے منہ پھیر دیتے ہیں لیکن مسلمانوں کے منہ پھیر سکے تھے اور نہ انہیں تھوڑی دیر کے لیے بھی نہ روک سکے تھے۔

رفتہ رفتہ ان کی حیرت خوف سے بدل گئی۔ انہیں خیال ہوا کہ شاید مسلمان انسان نہیں ہیں۔ کوئی عجیب مخلوق ہیں ایسی جن پر کوئی حربہ کارگر نہ ہو سکے۔

لیکن حیرت یا خوف کے باعث انہوں نے سنگباری میں کوئی کمی نہ کی بلکہ پہلے سے اور بھی زیادہ پھرتی اور زور و قوت سے فلاخن اندازی کرنے لگے۔

پتھروں کے ٹکڑے اس کثرت سے برس رہے تھے کہ اکثر آفتاب ان کے پیچھے چھپ جاتا تھا۔

مسلمانوں کی جرات و ہمت واقعی قابل داد اور مستحق صد ہزار آفرین تھی۔ پتھروں کی بارش میں بھی بڑھتے رہے تھے۔

جب وہ قلعہ کے اور قریب پہنچ گئے تو پچھلی صفوں میں سے کچھ لوگ گھوڑوں سے اتر کر اگلی صفوں میں آ گئے اور گھوڑوں کے برابر میں کھڑے ہو کر تاک کر تیروں کی باڑھ ماری۔

پتھروں کی بارش کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ بہت سے تیروں سے پتھر ٹکرا گئے۔ لیکن تیر اس زور و قوت سے چلائے گئے تھے کہ اگر پتھروں نے تیروں کو روک دیا تو تیروں نے پتھروں کو روک کر گرا دیا۔

لیکن پھر بھی کچھ تیر پتھروں کے درمیان میں سے گذر کر فصیل پر پہنچے اور ان راجپوتوں کے سر و سینوں میں ترازو ہو گئے جو فصیل کی چہار دیواری سے سر اور سینے نکالے جھانک رہے تھے اور تاک تاک کر پتھر مار رہے تھے۔

متعدد راجپوت خوفناک چیخیں مار کر فصیل پر الٹ کر جا پڑے اور بے آب مچھلی کی طرح تڑپنے لگے۔

اتنے کو راجپوت سنبھلیں اور سمجھیں کہ کس چیز نے انہیں زخمی یا ہلاک کر دیا ہے۔ اتنے تیروں کی

دوسری باڑھ آئی اور پھر بہت سے ہندو مجروح ہو کر گرے۔

اب یکے بعد دیگرے تیروں کی باڑھوں پر باڑھیں آنے اور ہندوؤں کو نقصان پہنچانے [illegible] سینکڑوں ہندو اور راجپوت مجروح ہو گئے پچاس سو تو ایسے شدید زخمی ہوئے کہ فوراً ہی تڑپ تڑپ [illegible] ہو گئے۔

یہ کیفیت دیکھ کر راجپوتوں کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ ان کے جسموں میں آگ سی لگ [illegible] وہ جوش و غضب میں بھر کر نیچے اترنے لگے۔ ان کے افسروں نے دیکھ کر کہا۔ کہاں جاتے ہو۔

انہوں نے یک زبان ہو کر جواب دیا مسلمانوں سے میدان میں مقابلہ کرنے۔

افسروں نے سمجھانے کے طور پر کہا۔ موت کے منہ میں نہ جاؤ۔ تم مسلمانوں کو نہیں جانتے [illegible] رہو اور دیکھو کیا کرتے ہیں۔

وہ مجبور ہو کر واپس لوٹے اور انہوں نے پھر فلاخن سنبھال کر سنگباری شروع کر دی۔

لیکن اب راجپوت مسلمانوں کے تیروں سے ڈرنے لگے تھے۔ کیونکہ جو کوئی اہل رسیدہ [illegible] بھی سر ابھارتا تھا۔ تیر اس کی پیشانی یا کھوپڑی میں ترازو ہو جاتا تھا اور وہ الٹ کر گر پڑتا اور چلانے لگتا [illegible]

جو مسلمان شدید طور پر زخمی ہوئے تھے۔ وہ نہایت ہوشیاری سے پچھلی صفوں میں پہنچا [illegible] گئے تھے اور وہاں جراحوں اور ڈاکٹروں نے ان کی مرہم پٹی شروع کر دی تھی۔

مسلمانوں کی تیر افگنی کی وجہ سے راجپوتوں کی حشر انگیز سنگباری میں بڑی حد تک کمی ہو گئی تھی۔ اس [illegible] مسلمانوں کو امن مل گیا تھا اور وہ نہایت اطمینان اور بڑی پھرتی سے تیروں کی باڑھوں پر باڑھیں مارتے [illegible] قدم قدم بڑھنے لگے تھے۔

راجپوتوں کو یہ خوف ہوا کہ اگر وہ اسی طرح بڑھتے رہے تو فصیل کے نیچے آ جائیں گے اور پھر ان [illegible] حربہ بھی کارگر نہ ہو سکے گا۔ اس لیے انہوں نے سنگباری موقوف کر کے چوڑے چوڑے کھانڈے [illegible] دھار ہے تھے پھینکے اور تاک تاک کر مارنے شروع کیے۔

یہ کھانڈے جان لیوا ثابت ہوئے۔ جس چیز پر جا کر پڑتے اسے تنکے کی طرح کاٹ ڈ[illegible] انہوں نے ڈھالوں میں شگاف ڈال دیئے گھوڑے یا انسان کے جس عضو پر پڑے اسے کاٹ [illegible] ان سے بہت سے گھوڑے زخمی ہو کر الٹ ہو گئے۔ بہت سے سوار زخمی ہو کر جا پڑے [illegible]

راجپوتوں نے یہ کیفیت دیکھی انہوں نے پر شور نعرے لگا لگا کر نہایت تیزی اور [illegible] سے ان حربوں کو پھینکنا شروع کیا۔ مسلمانوں نے صبر و استقلال سے انہیں بھی روکنا شروع کیا۔

[illegible] واستقلال سے انہیں بھی روکنا شروع کیا۔ خود بھی ذرا اور تیزی سے تیروں کی بوچھاڑ مارنے [illegible] اس کثرت سے تیر افگنی کی کہ راجپوتوں کو چار دیواری کے نیچے جھک کر پناہ لینی پڑی۔

اب مسلمانوں نے میدان صاف دیکھ کر گھوڑوں کو تیزی سے بڑھایا اور فصیل کے نیچے ان کی کمی [illegible] جا پہنچیں۔ راجپوتوں نے یہ کیفیت دیکھ کر نہایت زور شور سے چلانا شروع کر دیا۔

مسلمان سمجھے کہ شاید ان کے لیے کسی طرف سے تازہ مدد آ گئی ہے وہ ادھر ادھر دیکھنے لگے۔

پسپائی

جس وقت التونتاش اور امیر علی خویشاوند نے قلعہ پر دھاوا کیا تھا۔ اس وقت ہارون اور ریحان [illegible] کی طرف بڑھے تھے۔

ان دونوں کے ساتھ صرف پانچ ہزار جوانمرد سپاہی تھے۔ ہندو جو بندرگاہ اور کشتیوں کی [illegible] کر رہے تھے۔ بیس ہزار سے کم نہ تھے۔

جوں ہی انہوں نے اسلامی لشکر کو اس طرف آتے دیکھا وہ بھی ساحل سمندر سے آگے بڑھ آئے۔ [illegible] طویل صفیں مرتب کر کے دور تک پھیل گئے۔

انہوں نے آگے پیچھے اپنے لشکر کی دس صفیں قائم کیں اور ہر صف میں دو ہزار سوار رکھے۔ ہارون [illegible] نے اپنے دستے کو پانچ صفوں میں ترتیب دیا۔ ہر صف میں ایک ہزار سوار تھے۔ لیکن انہیں اس طرح [illegible] کہ ایک ایک ہزار سوار دشمنوں کے دو دو ہزار سواروں کے برابر پھیل گئے۔

[illegible] نے دیکھ لیا کہ مسلمانوں کی تعداد ان سے چوتھائی ہے۔ اس لیے ان کے حوصلے [illegible] اور انہوں نے بڑی بے خوفی سے ہارون کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔

ہارون نے اپنا گھوڑا مجاہدین اسلام کی صفوں کے سامنے مشرق سے مغرب کی طرف اس لیے [illegible] دیکھ لیا کہ ہر مسلمان پورے طور پر مسلح اور مستعد ہے یا نہیں۔

مسلمان شیروں کی طرح سینے تانے جنگ کے لیے تیار کھڑے تھے۔ ہارون نے صف [illegible] کھڑے ہو کر بلند آواز میں کہا۔

اسلامی شیرو! دشمن تمہاری تھوڑی تعداد سمجھ کر تمہاری طرف یلغار کرتا بڑھا چلا آ رہا ہے [illegible] اس میں شک نہیں تم اس سے بہت کم ہو لیکن تم مجاہد ہو اور جہاد کا شوق تمہیں کھینچ

کرمیدان لایا ہے۔ شہادت سے بڑا کر مسلمان کی کوئی تمنا نہیں اور جہاد سے بڑھ کر
نیکی اور ثواب کا کام نہیں۔

"شہید کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور جنت کے دروازے اس پر کھل جاتے
ہیں۔ حوریں استقبال کو آجاتی ہیں۔ شہادت قسمت والوں کو ہی نصیب ہوتی ہے
اور جو جہاد میں فتح یاب ہوتے ہیں۔ وہ غازی کہلاتے ہیں۔ جنت کے وہ بھی حقدار
ہو جاتے ہیں۔ بغرض جہاد میں شرکت کرنے سے مسلمان جنت کا مستحق ہو جاتا ہے۔
مسلمان خوب جانتا ہے کہ موت کا وقت اور مقام مقرر کر دیا گیا ہے۔ ڈرو تب اس سے
مفر نہیں اور نہ ڈرو تب کچھ نہیں موت مضبوط برجوں میں بھی جا پہنچتی ہے۔
مسلمان موت سے نہیں ڈرتا اور جب موت اللہ کی ہے۔ پھر اس سے ڈرنا ہی کیا۔
مسلمان کی خصوصیت ہے۔ جہاد مسلمان کی عبادت ہے۔
خوش قسمتی سے ہندو بڑھے چلے آرہے ہیں۔ دلیرو بڑھ کر ان پر پرجوش حملہ کر دو اور
اگلی صفوں کو پچھلی صفوں پر الٹ دو۔ اپنی شمشیر خارا شگاف کے وہ جوہر دکھاؤ۔ جس کے
مشہور ہیں اور اپنے قوت بازو کا سکہ دشمنوں پر بٹھا دو۔
صبر و استقلال سے کام لو۔ خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

انہوں نے تقریر ختم کرتے ہی اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ تمام مسلمانوں نے اس مبارک نعرے
کی اور ان کی پرشور آواز سے تمام میدان گونج اٹھا۔

ہارون کی تقریر نے مسلمانوں کے دلوں میں جوش و ولولہ کا دریا موجزن کر دیا۔ انہوں نے
لیں اور نعرہ لگاتے ہی نہایت جوش سے بڑھے۔

ہارون ان سے آگے اسلامی علم ہاتھ میں لیے بڑھ رہے تھے۔ جب وہ علم کو
تھے۔ تو پھریرا عجیب انداز سے لہرانے لگتا تھا۔

ادھر سے راجپوت بڑھے چلے آرہے تھے۔ ادھر سے مسلمانوں نے بڑھنا شروع کیا۔
کو شمشیر برہنہ آتے دیکھ کر راجپوتوں نے بھی میانوں سے تلواریں کھینچ کر ہاتھوں میں لے لیں۔

مطلع صاف تھا۔ آفتاب نہایت آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ صاف و شفاف
شعاعیں پڑنے سے چمک رہی تھیں۔

بڑھتے بڑھتے دونوں لشکر ایک دوسرے سے ٹکرا گئے۔ چونکہ دونوں فریق جوش

تھے۔ اس لیے زبردست تصادم ہوا اور ٹکر ہوتے ہی تلواریں چلنے اور ڈھالیں بلند ہونے

راجپوتوں نے بڑے جوش سے نہایت سخت حملہ کیا۔ مسلمانوں نے نہایت استقلال
اپنی لمبی سیاہ ڈھالوں پر ان کی تلواروں کو روکا اور جلدی سے خود بھی نہایت سختی سے حملہ آور ہوئے
راجپوتوں نے بھی ان کی تلواریں اپنی ڈھالوں پر لیں۔ راجپوتوں کی ڈھالیں کسی سفید دھات کی تھیں
کی تلواریں ان مضبوط ڈھالوں پر پڑ کر اچٹ گئیں۔ کسی ڈھال میں خط تک بھی نہ آسکا۔
راجپوت بھی دلیر قوم ہے اور بڑی جنگجو بھی۔ انہوں نے مسلمانوں کی صفیں توڑنے کی کوشش
کر دی۔

لیکن مسلمان جٹ گئے اور انہوں نے راجپوتوں کو اپنی صفوں میں گھسنے سے روک دیا۔
راجپوت مسلمانوں پر اور مسلمان راجپوتوں پر زور حملے کر رہے تھے۔ تلواریں نہایت پھرتی سے
حملہ کر رہی تھیں۔ ڈھالیں جلد جلد اٹھ رہی تھیں۔ کھٹا کھٹ کے شور سے ہیبت ناک گونج پیدا

مسلمان خاموش تھے۔ لیکن راجپوت چلا رہے تھے۔ متفرق قسم کے نعرے لگا رہے تھے۔
للکار للکار کر پر زور حملے کر رہے تھے۔
مسلمان نہایت استقلال سے ان کے حملے روک روک کر خود بھی وار کر رہے تھے۔ جدال و
گرم ہو گیا تھا۔ رفتہ رفتہ تلواریں کاٹ کرنے لگی تھیں۔ خون کے فوارے ابلنے لگے تھے۔
کٹ کٹ کر گرنے لگے تھے۔ سر گیند کی طرح اچھلنے اور دھڑ گھوڑوں سے نیچے گر گر
لگے تھے۔

خون آلودہ تلواریں خون کی چھینٹیں برساتی ہوئی تیزی سے اٹھ رہی تھیں۔ ہندو مسلمانوں کا
کے لیے اور مسلمان ہندوؤں کا خاتمہ کرنے کے خیال سے نہایت پر زور حملے کر رہے تھے
ہر راجپوت اور ہر مسلمان بڑے جوش و خروش سے لڑ رہا تھا۔ چونکہ دونوں جنگجو۔ دونوں
فنون جنگ کے ماہر تھے۔ اس لیے ایک ہی جگہ نہایت خونریز جنگ ہو رہی تھی اور
کی صف تک محدود تھی۔ ابھی دوسری صفوں تک اس کا زور نہ پہنچا تھا۔
لیکن راجپوت اسلامی لشکر کی صف میں اور مسلمان راجپوتوں کی صف میں گھسنے کی کوشش
رفتہ رفتہ صفیں ٹوٹنے لگیں اور راجپوت مسلمان کی صفوں میں اور مسلمان راجپوتوں کی

چودھواں باب

ہزیمت

انہلواڑہ کی طرف تمام راستوں کی ناکہ بندی حاجب علی نے کر رکھی تھی۔ انہوں نے دور سے را[illegible]
کے ٹڈی دل لشکر کو آتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور فوراً ہی اس نئے لشکر کی آمد کی اطلاع سلطان تک
پہنچا دی تھی۔

سلطان نے اپنے لشکر سے دو ہزار جوانمرد سپاہیوں کو علیحدہ کر کے حاجب علی کی مدد کے لیے
روانہ کر دیا تھا۔ خود سات ہزار مجاہدین کے ساتھ بیچ میدان میں کھڑے تینوں طرف نہایت غور[illegible]
نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

قارئین کرام اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے کہ اس وقت مسلمان تین طرف متوجہ تھے۔ ایک [illegible]
جانب قلعہ کے اوپر (قلعہ مسلمانوں کی فرودگاہ سے مشرق کی طرف واقعہ تھا) حملہ آور ہوئے تھے۔ دو[illegible]
جنوبی سمت سمندر کے کنارہ بندرگاہ پر۔ تیسرے شمالی طرف انہلواڑہ کے راستہ پر۔ صرف ایک
سمت مغربی باقی رہ گئی تھی۔ اس طرف دریائے عمان لہریں لے رہا تھا۔ اس لیے اس طرف [illegible]
کو توجہ دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہوئی۔

تھوڑے سے مسلمان تینوں طرف نہایت جانبازی اور سرفروشی سے حملہ آور ہوئے تھے۔
غازی سلطان بیچ میں کھڑے یہ دیکھ رہے تھے کہ کسی طرف والوں کو امداد کی ضرورت تو نہیں [illegible]
التونتاش اور خولیشاوند تو قلعہ کے نیچے پہنچ گئے تھے اور فصیل پر چڑھنے کی کوشش کر[illegible]
تھے۔ ہارون اور برہان بندرگاہ کے قریب کھڑے کبھی انہلواڑہ کے راجپوتوں کو دیکھ لیتے تھے
اور کبھی بندرگاہ کی طرف بھاگنے والوں راجپوتوں کو۔

سلطان نے اپنی دوربین نگاہوں سے یہ بات معلوم کر لی تھی کہ ان دونوں طرف مدد[illegible]
کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن انہلواڑہ کی طرف سے جو راجپوتوں کا سیلاب بہا آ رہا تھا۔ اسے [illegible]

روکنے کے لیے کچھ زیادہ لشکر کی ضرورت تھی۔ اس لیے اس طرف سلطان نے دو ہزار سوار اور بھیج دیئے تھے۔
انہلواڑہ کی طرف سے سکھ دیو حملہ آور ہوا تھا۔ اس کے باپ پرم دیو نے اسے سومنات کے
مہاراجہ کی مدد کے لیے بھیجا تھا۔ دس ہزار لشکر تو وہ اپنا لایا تھا اور تقریباً دس ہزار بہادر راجپوتوں کے
ساتھ آیا تھا۔

اگر اسے چندر موہنی کا خیال نہ ہوتا اور یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ کہیں ہارون اسے اڑا نہ لے جائے
تو وہ ہرگز بھی اس معرکہ میں شریک نہ ہوتا۔ لیکن دل کی لگی نے اسے مجبور کر دیا اور وہ سومنات کے
مہاراجہ یا سومنات کے مندر اور بت کی حفاظت و امداد کے لیے نہیں بلکہ چندر موہنی کی حفاظت و نگرانی
کے لیے آیا تھا۔

مگر جب وہ اس میدان میں پہنچا جس میں مسلمان فروکش تھے اور حاجب علی نے اس کا مقابلہ
کیا۔ تو افسوس ہوا کہ وہ کیوں اس راستہ سے آیا۔ اسے پہلے ہی خیال کر لینا چاہیے تھا کہ اس طرف
مسلمانوں کا لشکر ہو گا اور وہ مزاحمت کرے گا۔ اسے جنگلوں کے درمیان سے گزر کر شہر سومنات میں
داخل ہو جانا چاہیے تھا۔

لیکن اب وہ آسانی کے ساتھ واپس بھی نہیں لوٹ سکتا تھا۔ کیونکہ حاجب علی نہ اسے آگے
بڑھنے دینے پر تیار تھے اور نہ واپس لوٹ جانے کی اجازت دینے پر آمادہ تھے۔
چنانچہ سکھ دیو نے بدرجہ مجبوری راجپوتوں کو للکار کر جوش دلایا اور مسلمانوں کے مقابلہ میں
لے جا ڈالا۔

مسلمانوں نے ادھر اُدھر سے سمٹ کر صفیں مرتب کیں اور جونہی راجپوتوں نے ان پر
یلغار کی وہ بھوکے شیروں کی طرح ان پر ٹوٹ پڑے اور بڑی پھرتی سے انہیں چیرنے پھاڑنے لگے۔
راجپوتوں نے بھی تلواروں سے نہایت شدید حملے کیے اور انہوں نے بھی مسلمانوں کو تلواروں
کی دھاروں پر رکھ لیا۔ مسلمان بھی زخمی اور قتل ہونے لگے۔
ادھر مسلمانوں نے بھی بڑے جوش و خروش سے دھاوا کیا۔ ان کی خارا شگاف تلواروں نے
راجپوتوں کو کھیرے اور ککڑی کی طرح کاٹنا شروع کر دیا۔
خون آلودہ تلواریں بڑی پھرتی سے بلند ہونے لگیں۔ سر کٹ کٹ کر اچھلنے لگے۔ ہاتھوں اور
پیروں کے ڈھیر لگ گئے۔
دھڑوں پر دھڑ گر گئے۔ خون سبز سبز گھاس پہ پانی کی طرح بہنے اور گھاس کو سرخ رنگ میں

رنگنے لگا۔

ادھر زخمیوں اور مرنے والوں کے جسموں سے خون کے فوارے ابل رہے تھے۔ ادھر خون آلودہ تلواریں خون برسا رہی تھیں۔ اس سے ہر طرف خون کی بارش ہو رہی تھی۔ وہ ہر شخص جو لڑائی میں شریک تھا۔ خون میں نہا گیا تھا۔ راجپوتوں اور مسلمانوں کے جسموں لباسوں اور چہروں پر خون ہی خون نظر آ رہا تھا۔

راجپوتوں نے اس بات کو دیکھ لیا تھا کہ جو اسلامی لشکر ان کے مقابلہ میں تھا۔ ان سے بہت ہی کم تعداد میں تھا۔ اس لیے ان کے حوصلے بڑھے ہوئے تھے اور وہ نہایت جوش و غضب میں آ کر حملے کر رہے تھے۔ ان کی تلواریں خاصا کارٹ کر رہی تھیں۔ ڈھالوں کو کاٹ کر مسلمانوں کو شہید اور زخمی کر رہی تھیں۔

لیکن مسلمان تھوڑے ہوتے ہوئے بھی اس بے جگری سے لڑ رہے تھے کہ راجپوتوں کے دانت کھٹے ہو گئے تھے۔ ان کی بے پناہ تلواریں اگر ڈھالوں پر پڑتی تھیں۔ تو ان کے سروں کو اڑا دیتی تھیں اور اگر انسانوں کے اعضا پر پڑتی تھیں۔ تو انہیں نرم گھاس کی طرح کاٹ ڈالتی تھیں۔

مسلمانوں نے راجپوتوں کی کئی صفیں توڑ دی تھیں اور جو باقی صفیں رہ گئی تھیں۔ ان میں گھسنے اور انہیں زیر زبر کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔

راجپوت بھی مسلمانوں میں گھس گئے تھے اور ان میں سے جو بہادر بھی جس جگہ پہنچ گیا تھا۔ وہیں نہایت دلیری سے لڑ رہا تھا۔

لیکن مسلمان ایسے اکے دکے راجپوتوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کر رہے تھے۔ وہ اس فکر میں تھے کہ جو راجپوت دلیری اور جسارت کر کے ان کے لشکر میں آ گئے ان سب کو ذبح کر ڈالیں۔ چنانچہ وہ بے دریغ انہیں قتل کر رہے تھے۔

راجپوت دلیری کے زعم میں جرأت کر کے اسلامی صفوں میں گھس تو آئے تھے۔ لیکن اب واپس جانا مشکل ہو گیا تھا۔ انہیں مدد نہ پہنچ رہی تھی اور بغیر مدد کے نہ وہ مقابلہ کر سکتے تھے۔ نہ پیچھے ہٹ کر اپنے لشکر میں جا سکتے تھے۔ مسلمانوں نے انہیں نہایت اطمینان سے قتل کرنا شروع کر دیا تھا اور تھوڑی ہی دیر میں ان کا صفایا کر ڈالا۔ ایک راجپوت بھی اسلامی لشکر میں زندہ اور باقی نہ رہا۔

جب مسلمانوں کو اس بات کا اطمینان ہو گیا کہ جس قدر راجپوت بڑھ کر آئے تھے سب کام آ گئے تو اب انہوں نے جوش اور نئی امنگ کے ساتھ تازہ دم ہو کر نہایت سخت حملہ کیا۔

راجپوتوں نے مسلمانوں کا یہ حملہ روکنے میں اپنی پوری طاقت صرف کر دی۔ لیکن وہ ان کے یلغار کو نہ روک سکے۔ مسلمان آندھی اور طوفان کی طرح بڑھے اور سیلاب کی طرح راجپوتوں کو ریلتے گئے ۔۔۔۔۔

انہوں نے اس شدت سے جدال و قتال شروع کیا اور اس پھرتی سے خونریزی کی کہ قدم قدم پر راجپوتوں کی لاشیں بچھا دیں۔

زمین کے چپہ چپہ پر راجپوتوں کو مار مار کر الٹ دیا۔ جس طرف بھی نگاہ پڑتی تھی۔ لاشوں کے انبار نظر آتے تھے۔

سکھدیو ایک اونچے ٹیلہ پر چڑھا یہ خونریز معرکہ اور ہیبت ناک منظر دیکھ رہا تھا۔ اسے جوش بھی آ رہا تھا اور اس پر خوف بھی چھاتا جا رہا تھا۔

اسے خود میدان جنگ میں کود پڑنے کی جرأت نہ ہوئی دور ہی کھڑا جنگ کا تماشا دیکھتا رہا۔

لیکن حاجب علی جنگ میں شریک تھے اور وہ بڑی دلیری اور بڑے جوش سے لڑ رہے تھے۔ ان کی تلوار بڑی پھرتی سے اٹھتی تھی اور جس شخص کے اوپر گرتی تھی اسے وہ ٹکڑے کر ڈالتی تھی۔ انہوں نے بہت سے راجپوتوں کو خاک پر الٹ دیا تھا۔ بہت سوں کو زخمی کر کے اپنے سامنے سے بھگا دیا تھا۔ راجپوت حیرت سے ان کی لڑائی کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ وہ جس گروہ پر حملہ کرتے اسے زیر و زبر کر ڈالتے۔ ان کے جسم اور لباس پر خون کے قطرے پڑ پڑ کر جم گئے تھے۔ جو سیاہ ہو کر گوشت کے لوتھڑے معلوم ہونے لگے تھے۔

سکھدیو نے یہ سمجھ لیا کہ اگر اسی طرح راجپوت قتل ہوتے رہے تو چند ہی گھنٹوں میں ان کا صفایا ہو جائے گا۔ اس لیے اس نے لشکر کو واپسی کا اشارہ کیا۔ راجپوت گویا اسی اشارہ کے منتظر ہی تھے وہ نہایت تیزی سے پسپا ہوئے۔ مسلمانوں نے بڑھ کر انہیں قتل کرنا چاہا۔ لیکن حاجب علی نے مسلمانوں کو تعاقب کرنے سے روک دیا اور مسلمان وہیں ٹھٹک گئے۔ راجپوت جنگل میں گھس کر نگاہوں سے غائب ہو گئے۔

اب عصر کا وقت آ گیا تھا۔ آج مسلمانوں نے تینوں سمتوں میں حملہ کیا اور ہر طرف اپنی بہادری کی دھاک بٹھا کر دشمنوں کے دلوں پر سکہ قائم کر دیا۔

چونکہ دن بہت تھوڑا باقی رہ گیا تھا اور یہ امید باقی نہ رہی تھی کہ مسلمان فصیل پر چڑھ جائیں گے۔ یا بندرگاہ پر قبضہ کر سکیں گے۔ اس لیے سلطان نے اسلامی لشکروں کو واپسی کا اشارہ کیا اور مجاہدین

اسلام ہر طرف سے اللہ اکبر کے پرشور نعرے لگاتے ہوئے۔ واپس لوٹنے لگے۔

حیرت زدہ نازنین

سومنات کے مہاراجہ شاہی قصر کے قریب والے برج میں تمام دن بیٹھے رہ کر جنگ کا نظارہ غور سے کرتے رہے تھے۔ ان کے پاس دھرمپال اور جند راجے بھی سارا دن ہی بیٹھے رہے تھے۔ ان سب نے مسلمانوں کی جرأت اور شجاعت دیکھی تھی۔ انہیں فکر لاحق ہو گیا تھا کہ اگر جنگ کی یہی صورت رہی تو خوف ہے کہیں مسلمان فتح یاب نہ ہو جائیں۔

اگرچہ ٹڈی دل راجپوت قلعہ شہر، بندر اور ان کے درمیان میدانوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ وہ مسلمانوں سے چھ گنا زیادہ تھے۔ لیکن ان کی یہ جرأت نہ ہوتی تھی کہ سب میدان میں نکل کر ایک دم حملہ کر دیں۔ کچھ رات گئے سکندر جنگلوں میں ہوتا ہوا قلعہ میں داخل ہو گیا تھا اور مہاراجہ کو اس کے آنے کی اطلاع ہو گئی تھی۔ انہیں اس کے آنے سے کچھ خوشی ہوئی تھی۔ لیکن یہ تھوڑی سے خوشی بھی اسی وقت خاک میں مل گئی۔ جب مہاراجہ کو معلوم ہوا کہ دن بھر کی لڑائی میں تینوں محاذات پر تقریباً دس ہزار راجپوت مارے گئے ہیں۔

مہاراجہ نے حکم دیا کہ اس خبر کو مشتہر نہ کیا جائے کیونکہ اس سے جنگجو راجپوتوں کی ہمتیں پست ہو جانے اور عام ہندوؤں میں وہم و ہراس پھیل جانے کا اندیشہ تھا۔

مہاراجہ نے وہ رات کرب و بے چینی میں کاٹی۔ دوسرے روز نکلتے ہی وہ پھر برج میں آ بیٹھے۔ ان کا اور دوسرے راجاؤں کا خیال تھا کہ مسلمان آج پھر بندرگاہ اور قلعہ پر دھاوا کریں گے۔ چونکہ بندرگاہ میں چھوٹی بڑی کشتیاں اور چھوٹے چھوٹے دخانی جہاز لنگر انداز تھے۔ اس لیے ان کی حفاظت کی اشد ضرورت تھی۔

چنانچہ مہاراجہ نے رات کے وقت بندرگاہ میں دس ہزار راجپوت سپاہی اور بھیج دیئے۔ قصر شاہی سے سمندر کی طرف ایک چور دروازہ کھلتا تھا۔ اس خفیہ دروازہ کو شاہی خاندان کے لوگ ہی جانتے تھے۔ اسی دروازہ کے ذریعہ سے نیا لشکر بھیجا گیا۔

دراصل سمندر کی جانب کی حفاظت اس لیے بھی ضروری تھی کہ اس طرف سے حملہ کر کے فصیلیں توڑ کر مسلمانوں کے گھس آنے کا اندیشہ تھا۔

آج فصیل پر سنگریزے اس کثرت سے پہنچا دیئے گئے تھے کہ تمام فصیل ان سے پٹ گئی تھی اور تیر انداز سنگ انداز بھی کثیر تعداد میں فصیل پر چڑھ گئے تھے۔ لیکن آج خلاف توقع مسلمانوں نے کمر بندی ہی نہیں کی اور راجپوتوں کو معلوم ہو گیا کہ آج مسلمانوں کا ارادہ حملہ کرنے کا نہیں ہے۔

چندر موہنی نے غسل کر کے لباس بدلا۔ مشاطاؤں نے اس کا سنگھار کیا۔ وہ پیکر نور بن کر باغیچہ میں نکل آئی۔ اس کے دم کے ساتھ سہیلیاں اور کنیزیں رہتی تھیں۔ وہ ان مہ پاروں کے جھرمٹ میں روشوں پر گھوم رہی تھی۔ خوش رنگ اور معطر پھولوں کو توڑ توڑ کر سہیلیوں کو دیتی جاتی تھی اور وہ انہیں اس کے سیاہ چمکیلے اور ریشم جیسے ملائم سر کے بالوں میں لگاتی جاتی تھیں۔

ان پھولوں نے نہ صرف اس کے خوبصورت سر ہی کو دلفریب بنا دیا تھا بلکہ اس کا چاند سا چہرہ بھی دیدہ زیب ہو گیا تھا۔ وہ اس وقت خوش تھی۔ اس کا مسرور چہرہ نہایت پیارا معلوم ہو رہا تھا۔

اس وقت سامنے سے دھرمپال آ گئے۔ چندر موہنی نے بڑھ کر ان کے پیروں کو چھوا۔ انہوں نے اسے دعا دے کر کہا۔ "بیٹی! ایشور کا شکر ہے کہ تو اس وقت خوش ہے جبکہ سومنات کا ہر شخص فکر پریشان اور غمگین ہے۔"

چندر موہنی فکر و پریشانی سے فائدہ ہی کیا ہے گرو جی!

دھرمپال کچھ نہیں سوائے اس کے کہ اپنے غم کو اور بڑھا لیا جائے انسان کو ہر حالت میں خوش رہنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ غم انسان کو گھلا کر موت کے قریب پہنچا دیتا ہے اور خوشی موت کے آغوش سے باہر کھینچ لاتی ہے۔

چندر موہنی آج مسلمانوں کا ارادہ حملہ کرنے کا معلوم نہیں ہوتا۔

دھرمپال ہاں انہوں نے آج کمر بندی نہیں کی ہے۔ مگر ان کا حملہ نہ کرنا اور بھی تشویش کا باعث ہے ایشور جانے وہ کیا سوچ رہے ہیں اور کیا کرنے والے ہیں۔

چندر موہنی وہ کچھ بھی کریں۔ لیکن ہمارا لشکر اتنا زیادہ ہے کہ وہ کامیاب نہ ہو سکیں گے۔

دھرمپال لشکر کی کثرت فتح کی ضامن نہیں ہوا کرتی۔ لڑائی میں جرأت ہمت اور استقلال کی ضرورت ہوتی ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے سپاہیوں میں ان باتوں کی کمی ہے ......"

"نور چشمی! تجھے معلوم نہیں کہ یہ جنگ کیوں ہو رہی ہے۔

چندر موہنی میں نے تو یہ سنا ہے کہ سلطان محمود یہ سن کر سومنات میں بے حد دولت ہے حملہ آور ہوا ہے۔

دھرمپال — یہ بات نہیں ہے جنگ تیری وجہ سے ہو رہی ہے سلطان محمود تجھے [...] کر رہے ہیں۔

یہ دوسرا موقعہ تھا کہ چندر موہنی نے یہ سنا کہ جنگ اس کی وجہ سے ہو رہی ہے پہلے شوبھا [...] نے کہا تھا اور آج اس کے گروجی دھرمپال نے کہا تھا۔ اسے کمال حیرت ہوئی۔ اس نے پوچھا میری وجہ سے جنگ ہو رہی ہے۔

دھرمپال — ہاں۔ سلطان تجھے حاصل کرنے کے لیے حملہ آور ہوئے ہیں۔ انہوں نے ایک [...] چٹھی بھیج کر صاف طور پر یہ کہہ دیا تھا کہ جب تک چندر موہنی ان کے حوالہ نہ کی جائے گی جنگ بند [نہیں] ہو گی۔ اگر چندر موہنی انہیں دے دی جائے تو واپس لوٹ جائیں گے۔

چندر موہنی نے شرماتے ہوئے کہا۔ یہ مسلمان بادشاہ کتنے بُرے خیال کے ہوتے ہیں۔

دھرمپال — اس میں ان کی بدنیتی نہیں ہے۔ چندر موہنی! تو نہیں جانتی کہ تیرے ساتھ ایک راز وابستہ ہے۔ وہ راز سلطان کو یہاں کھینچ کر لایا ہے۔ میں نے مہاراجہ کو اس وقت مشورہ دیا تھا جب سلطان کے غزنی سے روانہ ہونے کی خبر مشہور ہوئی تھی کہ وہ تجھے ان کے حوالہ کر دیں لیکن انہوں نے نہ مانا۔۔۔۔

چندر موہنی نے متحیر نگاہوں سے دھرمپال کو دیکھ کر کہا۔ آپ یہ چاہتے تھے کہ میں سلطان کے حرم میں داخل ہو جاؤں۔

دھرمپال — سلطان بوڑھے ہو گئے ہیں۔ ان کی عمر اس وقت ستاون اٹھاون سال کی ہے۔ وہ تجھے اپنے حرم میں داخل کرنے کے لیے طلب نہیں کر رہے ہیں بلکہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اوہ میں راز ہی کھولنے لگا۔ معاف کر بیٹی! میں بغیر مہاراجہ کے حکم اور اشارے کے راز کا پردہ نہیں اٹھا سکتا۔ دیکھ سکھدیو اور کامنی دونوں آ گئے ہیں۔ یہ دونوں تجھ سے ناخوش اور تجھے نقصان پہنچانے کی فکر میں ہیں۔ ان سے ہوشیار رہنا۔

چندر موہنی — لیکن کیا گروجی آپ کو معلوم نہیں ہے کہ کامنی نے نہیں ہارون محض دل لگی کے خیال سے رہا کرایا ہے۔

دھرمپال — یہ بات نہیں ہے۔ بلکہ خود اسے ہارون سے محبت ہو گئی ہے وہ یہاں اپنے بھائی کے ساتھ اس لیے آئی ہے۔ تاکہ تجھے اس کے جنگل میں پھنسا دے اور خود ہارون کے پاس چلی جائے اس سے ہوشیار رہنا۔ وہ نہایت خطرناک لڑکی ہے۔ اب میں جا رہا ہوں۔

دھرمپال چلے گئے۔ چندر موہنی سوچنے لگی کہ سلطان اسے کیوں حاصل کرنا چاہتا ہے جب وہ اسے اپنے حرم میں بھی رکھنا نہیں چاہتا۔ تو پھر کیوں اتنی مسافت اور سفر کی تکلیفیں برداشت کر کے اسے بہ جبر حاصل کرنے کے لیے آیا ہے۔ وہ کیا راز ہے جو اس کی ذات سے وابستہ ہے۔ مہاراجہ کیوں اس راز کو ظاہر نہیں ہونے دینا چاہتا۔

کامنی۔۔ ۔۔۔ کیا واقعی کامنی ہارون پر فریفتہ ہو گئی ہے کیا وہ پھر دھوکہ دینے کے لیے میرے قصر میں آئی ہے۔

ان خیالات سے اس کا چہرہ کچھ پھیکا پڑ گیا۔ اس نے کچھ کھٹکا سنا۔ نگاہ اٹھا کر دیکھا تو کامنی سامنے سے آ رہی تھی۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ کامنی بھی نہایت حسین تھی اگرچہ اس کے چہرہ سے بڑی معصومیت ظاہر ہوتی تھی۔ لیکن وہ جس قدر معصوم معلوم ہوتی تھی۔ اسی قدر چالاک تھی۔

کامنی نے چندر موہنی کو بڑے ادب سے سلام کیا۔ چندر موہنی نے اس کے چہرہ پر نظر ڈالی۔ اس کی معصومیت سے وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ اس نے سوچا۔ نہیں۔ کامنی اب مجھے دھوکہ نہ دے گی۔

اس کی شرمسارانہ نگاہیں۔ بھولا چہرہ صاف بتا رہا ہے کہ وہ اب کوئی فریب نہ دے گی اور میں اس کے فریب میں آؤں گی کیوں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

کامنی اب مجھے دھوکہ نہ دے گی وہ خیالات میں ہی جا رہی تھی۔ کامنی نے کہا کیا ابھی تک مجھ سے ناخوش ہو راجکماری۔ ۔ ۔"

اس کی آواز سے چندر موہنی کا سلسلہ خیال ٹوٹ گیا۔ اس نے کہا نہیں کامنی میں تجھ سے ناخوش نہیں ہوں۔

کامنی نے خوش ہو کر کہا۔ ایشور کا شکر ہے۔ راجکماری! میں شرمندہ ہوں کہ مجھ سے ایک وقت غلطی ہو گئی تھی۔ جس سے آپ کو کچھ پریشانی اٹھانی پڑی۔ لیکن اب میں نے اس کا بدل بھی کر دیا ہے۔ بھائی جان نے ہارون کو گرفتار کر لیا تھا۔ میں نے انہیں رہا کرا دیا۔ ماتا جی نے شاید آپ سے اس کا ذکر کیا ہو۔

چندر موہنی — ہاں مجھ سے ماتا جی نے کہا تھا۔ میں تمہاری شکر گزار ہوں کامنی۔

کامنی — میں نے اپنی وفاداری کا ثبوت دیا ہے راجکماری جی! بھائی سکھدیو کو بھی آپ

کے ناراض اور خفا ہو جانے کا بڑا ملال اور صدمہ ہے۔ وہ مہاراجہ کی مدد کے لیے محض آپ کو خوش کرنے کے لیے آئے ہیں۔

چندر موہنی تب انہوں نے بڑی غلطی کی۔ انہیں خلوص دل سے دیوتا سومنات جی کی مدد کے لیے آنا چاہیے تھا۔

کامنی دیوتا سومنات جی ہی نے انہیں سپنے (خواب) میں یہاں آنے کے لیے کہا تھا۔

چندر موہنی تب انہوں نے اچھا کیا۔ اس وقت دھوپ میں گرمی آگئی ہے۔ آؤ اب چلیں۔

کامنی چلیئے۔

چندر موہنی جس وقت دھرمپال سے گفتگو کرنے لگی تھی۔ تو تمام سہیلیاں اور ساری کنیزیں وہاں سے ہٹ گئی تھیں۔ اب جب کہ راجکماری نے واپس چلنے کا قصد کیا تو وہ سب آ گئیں اور اس کے ساتھ محل کی طرف روانہ ہوئیں۔

پندرھواں باب

شوخ انیسہ

اسلامی لشکر کچھ اس طرح مقیم ہوا تھا کہ اس نے میدان کی جو قلعہ سومنات کے سامنے واقع تھا حد بندی کر دی تھی یہ۔ میدان تقریباً آٹھ میل چوڑا اور دس میل لمبا تھا۔ چوڑائی شرقاً غرباً تھی اور لمبائی شمالاً جنوباً۔

اس میدان کے مغربی سمت میں دریائے عمان شمال سے بہہ کر آتا ہوا جنوب میں گھوم کر سمندر میں گرجاتا تھا۔

دریائے عمان کے کنارہ پر ایک محفوظ مقام میں عورتوں کے لیے سراپردہ قائم کر دیا تھا اور اس کی حفاظت کے لیے چھ پانچ سو سپاہی متعین تھے۔ وہ سراپردہ سے ذرا فاصلہ پر خیمہ زن تھے۔ کوشش یہ کی گئی تھی کہ خواتین اور بچوں کی آزادی میں .... فرق نہ آئے۔

چونکہ دریا نہایت عمیق و عریض تھا۔ اس لیے اس طرف سے دشمن کے آنے کا اندیشہ نہ تھا۔ شمال کی طرف کئی میل کے فاصلہ پر حاجب علی انہلواڑہ کی طرف کے تمام راستوں کی ناکہ بندی کیے ہوئے تھے۔ مشرق میں خود سلطان اور التونتاش اور امیر علی خویشاوند تھے۔

اس طرح سے مسلمانوں کے خیال میں سراپردہ بالکل محفوظ تھا اور لشکر سے الگ بھی تھا۔

خواتین کے خیمے دریا کے عین کنارہ پر ایک نشیبی سبزہ زار میں واقع تھے۔ دریا کے کنارہ کنارہ زمین سے ملی ہوئی سبزی مائل دھانی رنگ کی گھاس کھڑی تھی۔ دیکھنے میں یہ گھاس نہایت خوشنما معلوم ہوتی تھی۔ عورتیں اور بچے اور لڑکیاں اس قدرتی فرش کو اس قدر پسند کرتی تھی کہ قالینوں کو چھوڑ کر اس پر بیٹھتی تھی۔ اس پر نماز پڑھتی تھیں۔ اسی پر کھیلتی تھیں۔

جس روز مسلمانوں نے دھاوا کیا تھا۔ اس سے اگلے روز مغرب کی نماز کے بعد انیسہ کئی لڑکیوں کے ساتھ دریا کے کنارہ پر آئی اور پانی کی روانگی کا منظر دیکھنے لگی۔

برہان　　میں نے تو کبھی کسی کے سامنے اپنی بہادری کا دعویٰ نہیں کیا۔

انیسہ　　مگر یہ اس وقت تم یہاں آ کہاں سے گئے۔

برہان نے سادگی سے کہا۔ اپنے پڑاؤ سے۔

انیسہ　　کیوں آ گئے۔

برہان　　کیا کہ دوں۔ مغرب کی نماز پڑھ کر کچھ طبیعت گھبرانے لگی۔ اور ایسی گھبرائی کہ میں پریشان ہو گیا۔ مجھے خیال ہوا کہ شاید انیسہ . . . ۔ لیکن تمہیں اس بات کا یقین کیوں آنے لگا۔

انیسہ　　نہیں کہیے۔

برہان　　تب تو۔ میرے دل نے کہا تم کسی مصیبت میں مبتلا ہو گئی ہو۔

انیسہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ خوب ہیں آپ اور خوب ہے آپ کا دل۔

برہان　　میں نہ اچھا۔ نہ میرا دل اچھا۔ دل میں جو خیال آیا وہ غلط نکلا اور میں نے آکر نہیں ڈرا دیا۔

انیسہ　　لیکن آپ کو کیسے معلوم ہو گیا کہ میں اس طرف ہوں۔

برہان　　یہ بھی دل نے رہنمائی کی۔

انیسہ　　یا آپ اپنی ولایت کا سکہ مجھ پر بٹھانا چاہتے ہیں۔

برہان　　تم پر کیا کسی حسین ساحرہ پر کسی ولی کا سکہ بیٹھ سکتا ہے۔

انیسہ　　ہاں ان کا جو خود ساحرہ ہوتے ہیں۔

برہان　　تب تم مجھے بھی سحر سکھا دو۔

انیسہ　　جانتے ہو۔ سحر کیا چیز ہے۔

برہان　　جانتا ہوں۔ حسن سے بڑھ کر سحر کوئی چیز نہیں۔

انیسہ نے ہوشربا تیز نگاہوں سے دیکھ کر کہا۔ گویا حسن سحر ہے۔

برہان　　دیکھیے تمہاری تیز نگاہوں سے اس وقت سحر خیز چمک خارج ہونے لگی ہے۔

انیسہ　　آپ کو باتیں بنانی خوب آتی ہیں۔

برہان　　اور تمہیں باتوں میں اڑانا خوب آتا ہے۔

انیسہ　　اگر اس وقت آپ کو یہاں کوئی دیکھ لے تو . . . . "

برہان　　یہی سمجھے کہ تم نے مجھے بلایا ہے۔

انیسہ　　اچھا مہربانی کر کے . . . . . . "

برہان　　میں چلا جاؤں۔

انیسہ　　اس طرح بدنامی کا خوف ہے۔

برہان　　انیسہ! آخر تم اس قدر سنگدل کیوں ہو۔

انیسہ　　سنا یہ کیسی آواز آئی۔

اس وقت چیخ چلانے کی آوازیں آئیں۔ برہان نے بھی سنی۔ انہوں نے کہا۔ دریا کی طرف دیکھا دریا میں کوئی کشتی آ رہی ہے۔ لیکن کس کی؟ ہے مسلمانوں کے پاس تو کوئی کشتی ہے نہیں۔

انہوں نے دریا کی طرف دیکھا۔ دریا میں ایک نہیں کئی کشتیاں آ رہی تھیں۔ سمندر کی طرف دیکھا دریا کے چڑھاؤ کی طرف بھی آ رہی تھیں۔

برہان نے جلدی سے کہا۔ راجپوتوں نے سراپردہ پر یلغار کیا ہے۔ انیسہ تم دوڑ جاؤ۔ سراپردہ میں پہنچ جاؤ۔ جاؤ جلدی کرو۔ دیکھو کشتیاں کنارے سے آ لگی ہیں۔

انیسہ نے گھبرا کر برہان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور آپ

برہان　　میں انہیں روکوں گا۔

انیسہ　　کیا تنہا ہی۔

برہان　　ہاں تنہا ہی۔ تم میرا فکر نہ کرو۔ انیسہ! بھاگ جاؤ۔

یہاں سے بھاگ جاؤ۔ دیکھو کشتیاں باندھ دی گئی ہیں اور راجپوت ان میں سے اترنے لگے ہیں۔ وقت ضائع نہ کرو تمہاری موجودگی میں کچھ نہ کر سکوں گا۔

انیسہ نے ایک لمحہ کچھ سوچا۔ اس نے کہا۔ اچھا آپ ایک اقرار کریں۔

برہان　　جلدی کہو کیا۔

انیسہ　　جب تک راجپوت سراپردہ کے قریب نہ پہنچیں آپ نہ ان کے سامنے آئیں نہ ان پر حملہ کریں۔

برہان　　میں اقرار کرتا ہوں تم جاؤ۔

برہان نے انیسہ کو اپنے ہاتھوں سے دھکیل دیا۔ وہ دوڑ گئی اور برہان گھوڑے پر سوار ہو کر ایک ٹیلہ کی آڑ میں کھڑے ہو کر راجپوتوں کی نقل و حرکت دیکھنے لگے۔

خاموش فتح

راجپوت دس بارہ کشتیوں میں سوار ہو کر آئے تھے۔ جس جگہ انہوں نے کشتیاں کنارہ سے لگائیں وہ اونچے اونچے ٹیلوں کی آڑ میں تھی۔ سراپردہ وہاں سے فاصلہ پر تھا۔ اس طرف کوئی مسلم مرد و عورت نہ آتے جاتے تھے۔

راجپوت جلدی جلدی کشتیوں میں سے اتر کر ٹیلوں کے پیچھے چھپ گئے۔ برہان نے اندازہ لگایا کہ وہ ڈھائی سو کے قریب ہیں۔ وہ یہ بھی سمجھ گئے کہ ان کا ارادہ فوراً ہی حملہ کرنے کا نہیں ہے۔ بلکہ رات کو کسی وقت چھاپہ مارنے کی فکر میں ہے۔

پھر بھی وہ انہیں کھڑے دیکھتے رہے۔ وہ ایسے نشیب میں گھوڑے پر سوار کھڑے تھے کہ راجپوتوں نے انہیں نہیں دیکھا۔

جب برہان کو یہ اطمینان ہو گیا کہ راجپوت سردست آگے بڑھنا نہیں چاہتے تو وہ آہستہ آہستہ چلے۔

اس بات کا انہوں نے خیال رکھا کہ راجپوت ان کی موجودگی سے خبردار نہ ہوں۔ وہ ایسے راستے پر ہو لیے جس کے دونوں طرف چٹانوں کی طرح اونچے اونچے ٹیلے تھے۔

راجپوتوں نے انہیں نہیں دیکھا اور وہ سراپردہ کے قریب پہنچ گئے۔ یہاں انہیں انیسہ ملی۔ اس نے خوش ہو کر کہا۔ آپ آ گئے۔

برہان نے گھوڑے سے اترتے ہوئے کہا تم یہاں کھڑی ہو۔ انیسہ...... کس لیے۔
انیسہ نے بے ساختگی سے کہا میں آپ کو دیکھ رہی تھی۔ مجھے خوف تھا۔ کہیں آپ راجپوتوں پر حملہ نہ کر دیں۔

برہان نے شکر گزارانہ نظروں سے دیکھ کر کہا۔ خدا کا شکر ہے۔ تم کو میرا خیال تو ہے۔
انیسہ شرما گئی۔ دوشیزگی کی حیا نے اس کے چہرہ کو کمال دلفریب بنا دیا۔
برہان نے کہا۔ میں ضرور ان پر حملہ کر دیتا اگر وہ دن میں ہوتے...... یا سراپردہ پر چھاپہ مارتے
انیسہ: کس قدر ہیں وہ۔
برہان: ڈھائی سو ہیں۔
انیسہ: شاید وہ رات کو چھاپہ مارنے کی فکر میں ہیں۔

برہان: ہاں۔ اس وقت وہ ٹیلوں کے پیچھے چھپ گئے ہیں۔ دیکھو عشاء کی اذان ہو رہی ہے یہاں سے سراپردہ میں جاؤ۔ میں بھی جا رہا ہوں۔
انیسہ: آپ کہاں جا رہے ہیں۔
برہان: میں محافظ دستہ میں جا کر نماز پڑھوں گا اور اس دستہ میں سے ڈھائی سو مجاہدین لے کر سراپردہ کے قریب چھپ جاؤں گا اور جب راجپوت چھاپہ مارنے کے لیے آئیں گے تب ان پر یک دم حملہ کر دوں گا۔

انیسہ نے خوش ہو کر کہا۔ تدبیر تو نہایت مناسب ہے۔ وہ چلی گئی۔ برہان گھوڑا بڑھا کر سراپردہ کے محافظ دستہ میں داخل ہوئے۔ اس دستہ کے تمام سپاہی نماز کی تیاری کر رہے تھے۔
برہان نے گھوڑا ایک خیمہ کی رسی سے باندھا۔ وضو کیا اور نماز میں شریک ہو گئے۔ نماز پڑھ کر انہوں نے اس دستہ کے محافظ سے سرگوشی کے لہجہ میں کہا۔ راجپوتوں کا ارادہ سراپردہ پر چھاپہ مارنے کا ہے۔

اس دستہ کے سردار کا نام خمارتاش تھا۔ وہ چونک پڑے۔ انہوں نے پوچھا۔ آپ کو کیسے معلوم ہوا۔

برہان نے کشتیوں میں راجپوتوں کے آنے اور ٹیلوں کے پیچھے چھپ جانے کا تمام واقعہ سنایا خمارتاش نے کہا۔ آپ اطمینان رکھو۔ ہم ان شاء اللہ انہیں سب کو اپنے قابو میں کر لیں گے۔
اس کے بعد دونوں افسروں میں کچھ دیر تک نہایت آہستگی سے باتیں ہوتی رہیں اور کچھ وقفہ کے بعد ڈھائی سو سپاہیوں کو لے کر روانہ ہو گئے۔
راجپوت کشتیوں میں سے اتر کر ٹیلوں کے پیچھے سبز سبز گھاس پر نہایت اطمینان سے بیٹھ گئے تھے۔ چونکہ کشتیوں کے ملاح بھی جنگ کے سپاہی تھے۔ اس لیے وہ بھی کشتیاں چھوڑ کر وہاں آ گئے تھے۔

یہ لوگ بالکل خاموش تھے۔ وقت گذر رہا تھا۔ چاند اپنی منزلیں طے کر رہا تھا۔ چاندنی چھٹکی ہوئی تھی۔ جنگل میں رات زیادہ آ گئی تھی۔ خاموشی پھیلتی جاتی تھی۔ سراپردہ کی طرف سے جو مختلف آوازیں آ رہی تھیں۔ اب وہ بند ہو گئی تھیں۔ دور پر گیدڑ بول رہے تھے۔ اس وقت ایک راجپوت نے کہا اب آدھی رات آ گئی ہے ہمیں تیار ہو جانا چاہیے۔
دوسرا: بے شک وقت آ گیا ہے جس کا ہمیں انتظار تھا۔

تیسرا: اگر ہمارا چھاپہ کامیاب ہوا اور ان ملیکش کی عورتیں اور بچے ہمارے ہاتھ آ گئے تو جو شرائط ہم ان کے سامنے پیش کریں گے، سلطان محمود مجبور ہو کر انہیں قبول کر لے گا۔

پہلا: اسی لیے تو ہمیں اس خطرناک مہم پر بھیجا گیا ہے۔

دوسرا: سومنات جی کی کرپا (مہربانی) سے ہم یہاں تک تو آ گئے ہیں۔ اب چھاپہ مارنا ہی باقی ہے۔

تیسرا: سومنات جی نے چاہا تو چھاپہ کامیاب ہو گا۔ اس طرف سے مسلمان بالکل غافل ہوں گے۔ وہ سمجھتے ہوں گے، پیچھے کی طرف سے کوئی کھٹکا نہیں ہے اور صبح کو جب اپنی عورتیں اور بچوں کو غائب دیکھیں گے۔ تب حیران ہوں گے۔

چوتھا: کرتار سنگھ نے بڑی جرأت کی کہ کل یہاں آ کر تمام باتوں کی دیکھ بھال کر لی۔

پانچواں: وہ اپنا کام کر گئے اب ہمیں اپنا کام کرنا باقی ہے۔

چھٹا: کوشش یہ کرنا کہ کسی کی آواز نہ نکلے۔ اگرچہ ان عورتوں کا محافظ دستہ فاصلہ پر مقیم ہے۔ لیکن خوف ہے کہ اگر اس کے سپاہیوں کو کچھ شبہ ہو گیا۔ تو وہ چڑھ دوڑیں گے اور پھر ہمیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اس دستہ کے افسر نے کہا، جو شخص جس عورت یا بچہ کو گرفتار کرے فوراً اس کا منہ باندھ دے۔ اگر کوئی ان میں چلانے کی کوشش کرے تو خنجر اس کے کلیجہ میں بھونک کر خاموش کر دے ہر سپاہی کو نہایت ہوشیاری اور مستعدی سے کام کرنا چاہیے۔

اب یہ لوگ نہایت آہستگی سے روانہ ہوئے اور ان ٹیلوں کے اوپر چڑھ گئے جن کے پیچھے مسلمان چھپے ہوئے تھے۔ یہ ٹیلے نہایت اونچے تھے۔ انہوں نے دیکھا دوسری طرف میدان خالی تھا۔ کوئی مسلمان کسی سمت بھی آتا جاتا نظر نہ آ رہا تھا۔ اس دستہ کے افسر نے کہا۔ دیوتا سومنات جی کی کرپا سے سب کام ٹھیک ہے کامیابی منہ دکھا رہی ہے۔ تیزی لیکن احتیاط اور خاموشی سے بڑھے چلو۔

فوراً یہ لوگ ٹیلوں کے دوسری طرف اترے اور قدرے قدم بڑھا کر لیکن بڑی [illegible] سے روانہ ہوئے۔

راستہ نہایت ناہموار تھا۔ بہت زیادہ نشیب و فراز تھے کہیں اونچے ٹیلے تھے کہیں کھڈ تھے۔ یہ لوگ ان سب چیزوں کو عبور کرتے ہوئے بڑھے چلے جا رہے تھے۔

رات کا قدرتی سکوت ہر طرف طاری تھا۔ آسمان سے زمین تک خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ گویا دنیا سو رہی ہے۔ چاندنی خوب بکھری ہوئی تھی۔

راجپوت نہایت خرم و احتیاط سے نصف فاصلہ طے کر گئے اور اب وہ ایسے ٹیلوں کے قریب سے گزر رہے جو لمبے تھے۔ دراصل یہ دریا کی ڈھلانیں تھیں۔ جن میں پانی کے بہاؤ نے شگاف پیدا کر دیئے تھے۔

کہیں تو یہ ڈھلانیں بالکل برہنہ، صاف اور چٹیل تھیں اور کہیں ان میں جھاڑیاں، گھاس اور پودے کھڑے تھے۔

جب راجپوتوں نے ان لمبے ٹیلوں کے پیچھے سے گزرنا شروع کیا۔ تو دفعتاً ان میں سے چند سپاہیوں کو ٹیلوں کے اوپر سے چند مسلمان۔ ۔ ۔ جھانکتے نظر آئے۔

ان راجپوتوں نے فوراً اشارہ سے دوسروں کو آگاہ کیا کہ دشمن کے کچھ سپاہی ٹیلوں پر موجود ہیں، جو ان کی نقل و حرکت دیکھ رہے ہیں۔

یہ سنتے ہی تمام راجپوتوں نے گھبرا کر نگاہیں اٹھائیں اور اوپر دیکھنا شروع کیا۔ اول اول تو چند ہی مسلمان جھانکتے نظر آئے تھے۔ لیکن اب سینکڑوں سر نظر آنے لگے۔ یہ منظر دیکھ کر راجپوتوں کے حواس باختہ ہو گئے۔ وہ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے ان کے افسر نے کہا، دلیرو ہمت ہارنے اور گھبرانے کا وقت نہیں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے محافظ دستہ نے تمہیں دیکھ لیا اور تمہیں نقصان پہنچانے کے لیے تمہارے سر پر آ کھڑا ہوا ہے۔ جرأت کرو اور اس دستہ کا خاتمہ کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔

ابھی وہ یہ تلقین کر ہی رہا تھا کہ اوپر سے تیروں کی باڑھ پڑی اور پندرہ بیس راجپوت ڈھیر ہو کر رہ گئے۔ چونکہ وہ زیادہ مجروح ہو گئے تھے۔ اس لیے چیخنے اور چلانے لگے۔ افسر نے انہیں ڈانٹتے ہوئے کہا۔ کم بختو! چپ رہو، شور نہ کرو۔ میرا خیال ہے یہ مسلمان تھوڑے سے ہیں۔ ورنہ ضرور سامنے آ کر مقابلہ کرتے اگر تم نے شور کیا تو ان کے لیے مدد پہنچ جائے گی تیزی سے بڑھ کر ان ٹیلوں کے درمیان سے نکل جاؤ اور دوسری طرف سے مسلمانوں پر حملہ کر دو۔

جو راجپوت زخمی ہوئے تھے۔ اس عرصہ میں وہ گر گئے تھے اور شدت کرب سے کراہ رہے تھے۔ ان زخمیوں کو ان کے ساتھیوں نے وہیں کس مپرسی کی حالت میں چھوڑ دیا

اور خود تیزی سے آگے بڑھے۔

لیکن ابھی چند ہی قدم چلے تھے کہ پھر اوپر سے تیروں کی باڑھ پڑی اور پھر کئی راجپوت مجروح ہو کر چیخ اٹھے اور راستہ ہی میں ڈھیر ہو گئے۔

اس دستہ میں بقیہ سپاہی زخمیوں کو روندتے ہوئے برابر بڑھتے رہے یہاں تک کہ وہ گلی کے نکڑ پر جا پہنچے۔ لیکن جوں ہی انہوں نے گلی سے باہر نکلنا چاہا فوراً ہی ادھر ادھر سے مسلمان جھپٹ کر سامنے آ گئے اور انہوں نے تلواروں سے ان بہادر راجپوتوں کا استقبال کیا۔

راجپوت جھک کر پھر پیچھے ہٹے۔ لیکن ان کے ہٹتے ہی اوپر سے تیسری باڑھ تیروں کی پڑی اور پھر بہت سے آدمی زخمی ہو کر گر گئے۔

اب راجپوت نہایت بدحواس ہو گئے تھے۔ سامنے سے گلی کی ناکہ بندی مسلمانوں نے کر رکھی تھی اور اوپر سے تیروں کا مینہ برسا رہے تھے۔ اب ان کے لیے سوائے بھاگنے کے اور کوئی مفر نہ تھا۔

چنانچہ وہ پشت کی طرف بھاگے۔ جو مسلمان ناکہ بندی کیے ہوئے تھے۔ وہ تلواریں سونت کر ان کے پیچھے دوڑے اور بھاگتے ہوئے راجپوتوں کے پاس پہنچ کر انہیں تلواروں کی دھاروں پر رکھ لیا۔

نہایت پھرتی سے حملے کر کے ان کی لاشوں سے گلی کو پاٹنا شروع کر دیا۔

راجپوت اس قدر گھبرا گئے تھے کہ وہ لوٹ کر مسلمانوں کا مقابلہ نہ کر سکے۔ بلکہ نہایت تیزی سے ٹیلوں کی درمیانی گلی سے نکلنے کی کوشش میں مصروف ہوئے۔ آخر وہ اس گلی سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔

لیکن جوں ہی انہوں نے میدان میں قدم رکھا۔ ان کی نگاہیں ان مسلمانوں پر پڑیں۔ جو ٹیلوں کے نیچے ہی ننگی تلواریں لیے کھڑے تھے۔

راجپوت یہ کیفیت دیکھ کر سہم گئے اور دم بخود ہو کر سکتہ کے عالم میں کھڑے رہ گئے۔

مسلمانوں نے فوراً ان پر حملہ کر کے انہیں قتل کرنا شروع کر دیا اور چشم زدن میں تقریباً سو راجپوتوں کا صفایا کر ڈالا۔

ادھر وہ مسلمان بھی آ گئے جو ان کا تعاقب کیے چلے آ رہے تھے اور انہوں نے پیچھے سے آ کر پر زور حملہ کر کے ان کی کثیر تعداد کو مار کر ڈال دیا۔

راجپوت بھی اب سنبھلے۔ لیکن اس وقت جب ان کے معدودے چند آدمی باقی رہ گئے انہوں نے بھی مسلمانوں پر وار کرنے شروع کر دیئے۔ لیکن ان کی تعداد ہی کتنی باقی رہ گئی تھی پھر وہ خوف زدہ اور ہراساں تھے۔ ان کے وار چھچھے پڑے۔

مسلمانوں نے ڈھال پر ان کے وار روک کر ان پر شدت سے حملہ کیا اور ایک ایک کر کے تمام راجپوتوں کو کاٹ کر ڈال دیا اس طرح راجپوتوں کے اس دستہ کا خاتمہ ہو گیا جو مسلمانوں کی مستورات کو گرفتار کرنے کے ارادہ سے آیا تھا۔

جب تمام راجپوت مار چکے تب مسلمانوں نے بڑھ کر ان کی کشتیوں پر قبضہ کر لیا برہان کی دانش مندی سے یہ خاموش فتح مسلمانوں کو حاصل ہوئی۔ اور اس سے راجپوتوں کو کافی نقصان پہنچا۔

سولھواں باب

حیرتناک گفتگو

دھرمپال نے چندر موہنی کو متنبہ کر دیا تھا کہ وہ کامنی اور سکھدیو دونوں بہن بھائی سے ہوشیار رہے۔ اس نے تنبیہ کر دیا تھا کہ وہ سکھدیو سے ذلیلے گی ہی نہیں اور کامنی کے ساتھ خواہ وہ کتنی بھی کیسے کہیں نہ جائے گی اور یہ اسے اطمینان تھا کہ دونوں الو اس میں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔
لیکن ایک فکر اسے لاحق ہو گیا تھا اور وہ یہ کہ کامنی جیسی نازنین اور پری چہرہ لڑکی ہی ہارون پر فریفتہ ہو گئی تھی۔ یہ وہ خوب جانتی تھی کہ کامنی اس سے زیادہ ہوشیار۔ زیادہ چالاک اور زیادہ بیباک ہے۔ اچھی خاصی حسین و شکیل بھی ہے۔
اسے یہ خیال تکلیف دینے لگا تھا کہ کہیں ہارون کامنی کے جال میں پھنس کر اسے نہ بھول جائے۔ لیکن اس نے خیال کیا کہ ہارون مسلمان ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ غیر کفو۔ بلیکش، ایک معمولی درجہ کا سردار اور وہ خود راجکماری ہے۔ مہاراجہ سومنات کی بیٹی۔ پھر حسین و جمیل مہ پارہ اس کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ اس کا خیال بھی دل میں نہ لائے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مانا اس کی صورت اچھی ہے۔ لیکن سیرت کی کیا خبر۔ اس کے علاوہ وہ اس سلطان کے ساتھ ہے جو محض اسے حاصل کرنے کے لیے آیا ہے اور اس کی قوم سے جنگ کر رہا ہے۔

اس خیال کے آتے ہی ایک دوسرا خیال اسے ستانے لگا وہ راجکماری نہیں ہے۔ اس کی ذات سے کوئی راز وابستہ ہے۔ سلطان کو وہ راز معلوم ہو گیا ہے اور اسی لیے وہ اسے حاصل کرنا چاہتا ہے۔
لیکن وہ راز کیا ہے۔ مہاراجہ کیوں اس راز کا انکشاف نہیں چاہتے۔ اس میں کیا مصلحت ہے۔ دیر تک وہ اس خیال میں غرق رہی۔ لیکن اس کے نازک دماغ میں کوئی بات نہ آئی اور

رفتہ رفتہ وہ پھر سب سے پہلے۔ خیال یعنی کامنی اور ہارون کی محبت کے معاملہ میں منہمک ہو گئی
کچھ دیر کے بعد ان خیالات سے تھک کر ان سے پیچھا چھڑانے کے لیے اس نے دل میں کہا اوہ اگر کامنی کو ہارون سے محبت ہے۔ تو ہوا اگر ہارون بھی اس سے محبت کرنے لگے۔ تو مجھے کیا۔ میں کیوں پریشان ہوں۔ ہارون سے مجھے کیا غرض ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس کا تو خیال بھی مجھے اپنے دل میں نہیں لانا چاہیے۔ ۔ ۔ وہ دشمن ہے میری قوم کا۔ میرے مذہب کا۔ میرے ایمان کا۔ میرے دیوتا کا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

"۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" اور سب سے بڑی بات۔ یہ کہ وہ مسلمان ہے سنتی ہوں۔ مسلمان غیر کفو کی لڑکیوں کو بڑی حقارت سے دیکھتے ہیں۔ مجھے بھی وہ ذلیل سمجھتا ہو گا۔ پھر میں کیوں اس کا خیال کروں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

یہاں وہ رکی اور اس نے اپنے دل کا جائزہ لیا اسے معلوم ہو گیا کہ وہ اس خیال سے اپنے دل کو فریب نہیں دے سکتی اس کے دل میں ہارون کی تصویر نقش ہے اور وہ آسانی سے اسے نہیں مٹا سکتی۔ بلکہ کوشش سے بھی اسے مٹا ڈالنا مشکل ہے۔
وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ آج ابھی تک وہ اپنی ماتا اور پتا کے سلام کو نہیں گئی تھی۔ چنانچہ ان کے پاس روانہ ہو گئی۔ اس کے رہنے کے کمرے اگرچہ قصر کے ایک جانب تھے۔ لیکن ان کمروں کا سلسلہ دور تک پھیلتا چلا گیا۔ جو مہارانی کے کمروں پر جا کر ختم ہوتا تھا۔
تمام کمرے نہایت درجہ آراستہ و پیراستہ تھے۔ وہ ان کمروں میں ہوتی ہوئی اس بڑے ہال میں داخل ہونے کے لیے دروازہ کی طرف بڑھی۔ جس میں صبح کے وقت اس کی والدہ مہارانی بیٹھا کرتی تھی۔

اس نے مہاراجہ اور مہارانی کو باتیں کرنے کی آواز سنی۔ وہ ٹھٹھک گئی اور واپس جانے کا خیال ہی کر رہی تھی۔ کہ اس نے اپنے متعلق ذکر ہوتے سنا وہ کھڑی رہ گئی۔ مہاراجہ کہہ رہے تھے۔
چندر موہنی کا راز سوائے چند آدمیوں کے اور کسی کو معلوم نہیں ہے۔ لیکن حیرت ہے کہ سلطان کو کیسے معلوم ہو گیا۔

مہارانی   مجھے بھی یہی تعجب ہو رہا ہے۔

مہاراجہ   میرے خیال میں سومنات کے اندر کوئی ایسا شخص ہے جو ہماری جاسوسی کر رہا ہے اور سلطان کو اس نے خبر دی ہے۔

مہارانی — یہ تو یقینی بات ہے۔ لیکن دیکھنا ہے کہ ایسا کون شخص ہو سکتا ہے۔

مہاراجہ — کوئی ہمارا ہی ہم قوم ہے۔ شاید سلطان نے اسے رشوت دی ہو۔

مہارانی — یا اس نے سلطان سے کوئی معاہدہ کر لیا ہو۔

مہاراجہ — ہاں ہو سکتا ہے۔ میں نے بہت سی راتیں اس غور و خوض میں گزار دی ہیں۔ لیکن میں اس معمہ کو حل نہیں کر سکا۔ یہ راز مجھے، تمہیں، دھرمپال اور شری بھادیوی چار آدمیوں ہی کو معلوم ہے اور یہ امید نہیں کہ ان چاروں میں سے کوئی بھی اس راز کو ظاہر کر سکتا۔ لیکن بارہ چودہ سال کے بعد.......

مہارانی نے جلدی سے کہا۔ ٹھہرو کوئی آ رہا ہے......

دراصل چندر موہنی کا ہاتھ غلطی سے دروازہ کے کواڑوں پر پڑ گیا۔ جس سے کھٹکا ہوا اور مہاراجہ اور مہارانی دونوں خاموش ہو کر دروازہ کی طرف دیکھنے لگے۔

چندر موہنی متاسف ہو کر کھڑی رہ گئی۔ مہارانی نے آواز سے پوچھا۔ "کون ہے؟"

اب چندر موہنی کو مناسب نہ معلوم ہوا کہ وہ چوروں کی طرح کھڑی رہے۔ وہ بڑھ کر وہ کمرہ میں داخل ہوئی۔ مہاراجہ اور مہارانی دونوں اسے دیکھ کر خوش ہوئے۔ دونوں کے چہروں پر مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ مہارانی نے کہا۔ "آؤ بیٹی......"

مہاراجہ نے نادانستگی میں بے ساختہ پن سے کہا۔ آؤ نور چشمی اس وقت ہم دونوں تمہارا ہی ذکر کر رہے تھے۔

چندر موہنی نے بڑھ کر دونوں کے پیر چھوئے اور ان کے برابر ہی زرنگار گدیلے پر جا بیٹھی اور ترنم خیز لہجہ میں بولی میرا کیا ذکر ہو رہا تھا۔ پتا جی.......

مہارانی نے معنی خیز نگاہوں سے مہاراجہ کو اور مہاراجہ نے مہارانی کو دیکھا۔ مہاراجہ نے کہا۔ یہی ذکر کہ تو آج اس وقت تک کیوں نہیں آئی۔

چندر موہنی نے بچپن کے پیار بھرے لہجہ میں کہا۔ کچھ اور بھی..... ذکر تھا پتا جی۔

مہاراجہ — اور ذکر یہ تھا کہ معلوم ہوا ہے کہ سلطان تجھے حاصل کرنے کے لیے یہاں آیا ہے۔

مہارانی نے جلدی سے کہا۔ یہ کیا کہنے لگے آپ!

مہاراجہ نے اپنی غلطی کا احساس کرتے ہوئے کہا۔ جو بات میں نہ کہنا چاہتا تھا۔ وہ آج نادانستگی سے نکل ہی گئی حالانکہ کئی مرتبہ ایسا کہ جب چندر موہنی میرے سامنے آئی میرے

دل نے تقاضا کیا کہ میں اسے یہ بات بتاؤں۔ لیکن ہر مرتبہ ضبط کر گیا۔ مگر آج کہہ ڈالی۔

چندر موہنی نے مصنوعی تعجب سے کہا۔ سلطان مجھے حاصل کرنے کے لیے یہاں آیا ہے؟

مہاراجہ — ہاں۔ اس کی ایک چٹھی بھی اس کے متعلق آ چکی ہے۔ اس نے صاف طور پر لکھ دیا ہے کہ اگر نوشابہ......... یا چندر موہنی اسے دے دی جائے تو وہ واپس لوٹ جائے گا

چندر موہنی نے معصوم نگاہوں سے مہاراجہ کو دیکھ کر کہا...

"لیکن پتا جی ......"

مہاراجہ نے پدرانہ محبت بھرے لہجہ میں کہا۔ اطمینان رکھو نور چشمی! میں اپنی زندگی میں کبھی تجھے اس کے حوالہ نہ کروں گا۔

چندر موہنی نے سنبھل کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ لیکن اگر پتا جی! ایک میری قربانی سے ملک اور قوم کے اوپر سے آفت ٹل جائے تو مجھے بھینٹ.... پڑھا دیجیے......

مہاراجہ اور مہارانی دونوں اس کا یہ ایثار دیکھ کر بہت متاثر ہوئے مہارانی نے اس کی چاندی سی پیشانی چوم کر کہا۔ میں اپنی بیٹی کا بلیدان (قربانی) کبھی نہ ہونے دوں گی۔

چندر موہنی — مگر سوچیے ملک تباہی کے کنارہ پر کھڑا ہے قوم کی کشتی منجدھار میں آ گئی ہے۔ ملیچھ سلطان اپنی ضد پر ڈٹا ہوا ہے ایک ہی دن کی جنگ میں سینکڑوں استریاں (عورتیں) ودھوا (بیوہ) ہو گئی ہیں۔ سینکڑوں بالک (بچے) یتیم ہو گئے ہیں کل ایشور جانے کیا ہو۔

مہاراجہ — فکر نہ کر بیٹی! ہزاروں نہیں لاکھوں راجپوت ملک اور قوم پر قربان ہونے کے لیے میرے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے ہیں۔ راجپوتوں کی آن دنیا میں مشہور ہے میں بھی راجپوت ہوں۔ میں ہرگز بھی یہ ذلت گوارا نہیں کر سکتا کہ تجھے سلطان کے حوالہ کر دوں۔

چندر موہنی — مگر ایشور نہ کرے ہمارے لشکر کو شکست......... ہو گئی تو......"

مہاراجہ — تو ہم سب وہ کریں گے جو ہمارے بزرگ کرتے چلے آئے ہیں۔

چندر موہنی — یعنی.... [1]

[1] راجپوتوں میں یہ رسم تھی کہ جب وہ یہ دیکھتے تھے کہ فتح کی امید کم ہے تو اپنی عورتوں اور معصوم بچوں کو زندہ آگ میں جلا ڈالتے تھے اور خود لڑ کر مر جاتے تھے۔ ستی کی ایک دوسری رسم بھی جاری تھی۔ وہ یہ تھی کہ جب کسی عورت کا شوہر مر جاتا تھا تو بیوہ کو شوہر کی لاش کے ساتھ ہی جلا دیتے تھے۔

مہاراجہ   یعنی تمام راجپوتنیاں ستی ہو جائیں گی اور سارے راجپوت لڑ کر مر جائیں گے

چندر موہنی   سوچیے کس قدر ہولناک منظر ہو گا وہ۔

مہاراجہ   بہادروں کی شان یہی ہے بیٹی! کہ مر جائیں۔ لیکن اپنی خاندانی عظمت اور اپنی آن پر دھبہ نہ لگنے دیں۔

چندر موہنی   لیکن پتا جی! آخر سلطان مجھے کیوں طلب کرتا ہے؟

مہاراجہ   یہ ایک راز ...... "

مہارانی نے جلدی ٹوکتے ہوئے کہا۔ کیسا راز ......؟

مہاراجہ اپنی غلطی پر متنبہ ہوئے۔ انہوں نے سنبھل کر کہا راز ہی کیا۔ یہ مسلمان بادشاہ اچھے خیالات کے نہیں ہوتے بیٹی تو ان باتوں کو ابھی نہیں جانتی۔

چندر موہنی سمجھ گئی کہ مہاراجہ راز کا ذکر کر کے اسے ظاہر کر دینا چاہتے تھے۔ لیکن مہارانی نے بروقت ٹوک کر انہیں منع کر دیا۔

اسے محسوس ہوا کہ مہارانی نہیں چاہتیں کہ یہ راز ظاہر ہو۔ حالانکہ وہ چاہتی تھی کہ کسی طرح راز کا پردہ اٹھ جائے اور اسے معلوم ہو جائے کہ دراصل وہ کون ہے اور کیوں سلطان اسے حاصل کرنا چاہتا ہے۔

لیکن اس کی الجھن میں کمی نہ ہوئی بلکہ اور اضافہ ہو گیا۔ کیونکہ یہ تیسرا موقعہ تھا کہ جو اس کے پتا مہاراجہ سومنات نے بھی اسے بتا دیا کہ سلطان محض اسے حاصل کرنے کے لیے جنگ کر رہا ہے۔

مہارانی نے کہا۔ جاؤ بیٹی! اب تم باغیچہ میں سیر کر آؤ۔

چندر موہنی بھی یہ سمجھ گئی کہ اب مزید اصرار فضول ہے اسے راز کے متعلق کچھ نہ بتایا جائے گا۔ اٹھی اور پرنام کر کے ہاتھ جوڑ کر اسلام کر کے چل کھڑی ہوئی۔

له لباس اور تمام زیورات پہنا کر زندہ آگ میں جلا ڈالا جاتا تھا۔ (صادق)

فرزندانِ توحید کی جرأت

جب صبح ہوئی تو سلطان کو معلوم ہو گیا کہ رات کو پہرہ داروں کی ہوشیاری سے نہ صرف ڈبائی راجپوتوں کو ٹھکانے لگا دیا گیا۔ بلکہ بہت سی کشتیاں بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئیں اس سے سلطان کو بڑی مسرت ہوئی اور یہ خیال ان کے دل سے دماغ تک بجلی کی طرح کوند گیا۔ کہ ان کشتیوں کے ذریعہ سے ساحل سمندر پر حملہ کر کے سب سے پہلے بندرگاہ پر قبضہ کر لینا چاہیئے۔

چنانچہ انہوں نے التونتاش اور امیر علی خویشاوند سے جب مشورہ کیا تو ان دونوں افسروں نے اول وقت بندرگاہ پر حملہ کرنے کی تائید نہیں کی قلعہ ہی پر یورش کرنے کی ترغیب دی۔

سلطان نے بھی ان کی رائے تسلیم کر لی اور ان دونوں افسروں کو آج پھر قلعہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ التونتاش اور امیر علی دونوں اپنے اپنے دستوں کو لے کر آہستہ آہستہ قلعے کی طرف بڑھے۔

راجپوت اسی وقت سے جب سے مسلمانوں نے صبح کی نماز پڑھی تھی۔ فصیل پر کھڑے ان کی نقل و حرکت کا بغور معائنہ کر رہے تھے۔

تمام بڑے بڑے افسران برجوں میں آ گئے تھے۔ جو فصیلوں میں جگہ جگہ بنے ہوئے تھے۔ مہاراجہ سومنات بھی اپنے مخصوص برج میں آ بیٹھے تھے۔ دھرم پال اور چندا ور راجے اور سکھدیو بھی اسی برج میں آ کر بیٹھ گئے تھے۔

دھرم پال نے کہا۔ میرے خیال میں کل دن بھر مسلمان کچھ تیاریاں کرتے رہے ہیں اور آج حملہ کا کوئی نیا طریقہ استعمال کریں گے۔

مہاراجہ   خیال تو میرا بھی یہی ہے مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ ہماری سپاہ اور افسر مسلمانوں کے برابر جفاکش مستقل مزاج، نڈر اور بہادر نہیں ہیں۔ کس قدر افسوس ناک بات ہے کہ راجپوتوں کی تعداد مسلمانوں سے کہیں زیادہ ہے اور پھر ہم محصور ہیں۔ میدان میں نکل کر مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

دھرم پال   مسلمان ایسی قوم نہیں ہے جس کا مقابلہ آسان ہو۔ اس قوم میں جہاد یعنی لڑائی ثواب میں داخل ہے۔ سنا ہے کہ ہر شخص مسلمان پر نماز کسی وقت بھی معاف نہیں ہے۔ لیکن لڑائی کے وقت نماز بھی معاف ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ موت کا وقت اور جگہ سب خدا نے مقرر کر دی ہے جو اپنے وقت پر اور اپنی جگہ ضرور آئے گی۔ کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی اور جس کی موت نہیں ہے کوئی اسے مار نہیں سکتا۔

اس لیے مسلمان دلیری سے لڑتے ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ اگر ان کی موت آگئی ہے۔ تو
گی نہیں اور اگر موت کا وقت ابھی نہیں آیا ہے تو وہ مریں گے نہیں بلکہ ماریں گے۔ اس پر
خیال کہ جنگ میں شہید ہو گئے تو ان کے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے۔ انہیں مکتی (نجات)
جائے گی اور وہ سورگ (فردوس) میں داخل ہو جائیں گے اور اگر زندہ رہے تو سب سے زیادہ
کے مستحق ہوں گے اور غازی کہلائیں گے۔ اس کے برعکس ہم ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ
جو کچھ کیا ہے۔ اس کی سزا ضرور پائے گا۔ خواہ کوئی کام کیسا بھی کیا جائے۔ لیکن کرموں کی سزا
گی۔ ایشور ہرگز معاف نہ کرے گا اور یہ سزا مختلف جونوں میں داخل ہو کر پیدا ہونے اور
کے ذریعہ سے ملے گی۔ ہماری جنگ مذہبی جنگ نہیں ہے۔ کیونکہ لڑ کر مرنے سے بھی
اعمالوں میں تخفیف نہ ہو گی۔ اس لیے ہم لڑنے سے جی چراتے ہیں اور مسلمان بے دھڑک
لڑتے ہیں۔

مہاراجہ آپ نے درست فرمایا۔ لیکن کیا یہ ہمارے مذہب میں خامیاں

دبر سپال جب دانش مند لوگ غور و فکر کرتے ہیں۔ تو انہیں خامیاں ضرور نظر آتی ہیں
لیکن اس وقت ذکر کو جانے دیجئے۔ دیکھیے وہ مسلمانوں نے یلغار شروع کر دی۔

سب کی نگاہیں میدان جنگ کی طرف اٹھ گئیں۔ مسلمان نہایت ضبط و نظام کے ساتھ
کی طرف بڑھے چلے آ رہے تھے۔ راجپوت فصیل پر کھڑے انہیں بڑھتے ہوئے دیکھ
جب مسلمان زیادہ قریب آ گئے۔ تو دفعتہً راجپوتوں نے شور کرنا شروع کیا۔ ان کے
پکارنے سے سومنات کے قلعہ، شہر اور مندر والوں کو معلوم ہو گیا کہ آج پھر مسلمانوں نے
کی ہے۔

پر امن شہری لوگ ہر حملہ کے وقت خوف و دہشت سے کانپنے لگتے۔ ان کا بیم
اس وجہ سے اور بڑھ جاتا تھا۔ کہ انہیں راجپوتوں کی بہادری پر اطمینان نہیں تھا۔
اطمینان کیسے ہوتا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ راجپوت مسلمانوں سے چھپ گئے ہیں۔
مسلمان کے مقابلہ میں چھ راجپوت ہیں اور پھر ان میں اس قدر جرات نہیں ہے کہ قلعہ
نکل کر مسلمانوں کا مقابلہ کر کے انہیں شکست دے کر بھگا دیں۔
راجپوتوں کا اتنا ٹڈی دل لشکر ہوتے ہوئے بھی وہ محصور رہتا۔ یہی بے اطمینانی
ہی خوف کی وجہ تھی۔ انہیں خیال ہی نہیں بلکہ یقین تھا کہ اگر کسی طرح سے مسلمان قلعہ کے اندر

راجپوتوں کا صفایا کر دیں گے اور جب قلعہ پر ان کا قبضہ ہو گیا تو شہر اور مندر کو فتح کر لیا
جائے گا۔

راجپوت شور و غل کر رہے تھے اور مسلمان آہستہ آہستہ بڑھ رہے تھے۔ جب وہ اتنے
قریب پہنچ گئے کہ تیروں کی باڑھ فصیل والوں پر مار سکیں۔ تو رک گئے اور انہوں نے جلدی
کمانیں شانوں پر سے اتار کر ہاتھوں پر لیں۔ ترکشوں میں سے تیر نکال کر کمانوں میں چڑھائے
دیکھنے والوں کو ایسا معلوم ہوا جیسے سارے تیر ایک ہی کمان سے نکلے ہوں۔
راجپوت فصیل کی چار دیواری سے لگے کھڑے چلا رہے تھے۔ جوں ہی انہوں نے تیروں
کو آتے دیکھا۔ ذرا جھک گئے۔ جو جھک گئے وہ تو بچ گئے۔ لیکن جو اجل رسیدہ کھڑے رہ
گئے تیر ان کی پیشانیوں اور چہروں میں آ کر پیوست ہو گئے۔
انہوں نے خوفناک چیخیں ماریں اور الٹ کر گرے۔ کچھ راجپوت تو زخمیوں کو اٹھانے
لگے۔ کچھ نا انہوں نے سنگریزے رکھ رکھ کر سنگباری کرنے لگے۔
راجپوتوں نے جوش اور غصہ میں آ کر نہایت پھرتی اور بڑی قوت سے سنگ اندازی شروع

مسلمان ایک ہی جگہ جمے تھے۔ پتھروں کو روکتے اور تیروں کی باڑھیں مارتے رہے
یہ سلسلہ جاری رہا۔
پتھروں اور تیروں سے راجپوت اور مسلمان دونوں ہی زخمی ہوتے رہے۔ لیکن پتھر
مسلمانوں کو اس قدر نقصان نہیں پہنچا رہے تھے۔ جس قدر تیر راجپوتوں میں حشر انگیزی کر رہے تھے
شروع میں تو مسلمانوں کے لشکر کی اگلی صفیں ہی تیر باری کرتی رہیں۔ لیکن رفتہ رفتہ اور صفوں
نے بھی برسانے شروع کر دیے اور کچھ ایسی پھرتی اور اس کثرت سے تیر افگنی کی کہ راجپوتوں
کا فصیل پر کھڑا ہونا یا فصیل کی چار دیواری سے سر ابھارنا مشکل ہو گیا۔
جو شخص ذرا بھی سر اونچا کرتا تھا تیر اس کے سر میں ترازو ہو جاتا تھا۔ تمام راجپوت بیٹھ گئے۔
مسلمانوں کو یہ اچھا موقعہ مل گیا۔ وہ تیزی سے بڑھ کر فصیل کے نیچے پہنچ گئے۔
لیکن کچھ مسلمان فصیل سے فاصلہ پر کھڑے برابر تیر برساتے رہے اور انھوں نے راجپوتوں
کو اتنی مہلت ہی نہ دی کہ وہ سر ابھار کر یہ دیکھ لیتے کہ مسلمان فصیل کے نیچے پہنچ گئے ہیں۔
آج مسلمان ریشم کی مضبوط کمندیں اور ریشمی رسوں کی سیڑھیاں بھی اپنے ساتھ لائے تھے۔

وہ فصیل کی دیوار سے پیچھے ہی پیچھے پھیل گئے اور متعدد سواروں نے گھوڑوں پر کھڑے [illegible] اور سیڑھیاں فصیل پر پھینکیں۔

چونکہ فصیل کی دیوار میں کنگورے نکلے ہوئے تھے اس لیے کئی کمندیں اور کئی [illegible] کنگوروں میں پھنس گئیں اور جانباز مسلمانوں نے ڈھالیں سروں پر رکھ کر اور تلواریں منہ [illegible] کمندوں اور سیڑھیوں کے ذریعہ سے اوپر چڑھنا شروع کیا۔

راجپوتوں کو مسلمانوں کی اس کارروائی کا کچھ بھی علم نہ تھا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ ابھی مس[illegible] سے فاصلہ پر کھڑے تیر برسا رہے ہیں۔

لیکن جب مسلمانوں کے سروں پر رکھی ہوئی سیاہ ڈھالیں فصیل کی دیوار سے ابھرتی ہو[illegible] ہوئیں تو پہلے تو وہ انہیں دیکھ کر خوف زدہ ہوئے۔ بادی النظر میں سمجھ ہی نہ سکے کہ یہ کیا [illegible] ابھرتی چلی آ رہی ہیں لیکن جب مسلمانوں کے چہرے نظر آئے تو نہایت شور سے چلائے [illegible] ملیکش۔ مسلمان ملیکش۔"

جو مسلمان کنگوروں سے سر ابھار چکے تھے وہ جلدی سے فصیل پر کود گئے اور [illegible] کودتے ہی انہوں نے منہ میں سے تلواریں نکال کر ہاتھوں میں لیں اور سروں پر سے [illegible] اتار کر سنبھالیں اور نہایت شدت سے حملہ آور ہوئے۔

انہیں اس طرح فصیل پر کود کر حملہ کرتے ہوئے دیکھ کر راجپوتوں کو بھی جوش [illegible] گیا۔ وہ بھی مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ جنگ شروع ہو گئی۔ تلواریں نہایت پھرتی سے [illegible] کھٹا کھٹ کی آواز سے فصیل گونج اٹھی۔

مسلمانوں کی بہت تھوڑی تعداد فصیل پر پہنچی تھی۔ زیادہ سے زیادہ پچاس ساٹھ آ[illegible] پہنچنے پائے تھے کہ راجپوت پل پڑے اور انہوں نے یہ بھی کوشش کی سیڑھیوں [illegible] کو کاٹ ڈالیں تاکہ مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ ہی بند ہو جائے۔

ہزاروں راجپوتوں کے مقابلہ میں گنتی کے چند مسلمان ڈٹ گئے تھے اور شیروں [illegible] ادھر ادھر اور سامنے کی جانب جھپٹ جھپٹ کر حملے کر رہے تھے اور ہر شخص ہر حملہ [illegible] کم ایک راجپوت کو مار ڈالتا تھا۔

انہوں نے جب یہ بات دیکھی کہ راجپوت کمندوں اور سیڑھیوں کو کاٹنا چاہتے [illegible] تو وہ ان کی طرف جھپٹے اور نہایت پرجوش حملے کر کے انہیں مار کاٹ کر یا تو گرا دیا یا ڈ[illegible]

[illegible] کمندیں یا سیڑھیاں کاٹ ڈالی جائیں تو وہ مسلمان جو ان کے ذریعے سے چڑھے پہلے آ[illegible] پڑتے اور چونکہ فصیل سطح زمین سے تقریباً پچاس ساٹھ فٹ بلند تھی۔ اس لیے ان کی [illegible] ریزہ ہو جاتیں۔

[illegible]پوتوں کو پھر طرارہ آیا اور انہوں نے پھر پرجوش حملہ کر کے مسلمانوں کو دبانا اور پیچھے ہٹانا [illegible]

[illegible] اپنی قوت و طاقت سے زیادہ جد و جہد سے لڑ رہے تھے وہ حملہ آوروں کو پیچھے [illegible] کے لیے نہایت پرزور حملے کر رہے تھے۔ ان کی تلواریں راجپوتوں کو برابر کاٹ [illegible] لیکن افسوس ان کی تعداد بہت ہی کم تھی۔ اتنی کم کہ آٹے میں نمک کی مثال بھی نہیں [illegible]

اور چونکہ ابھی تک چند ہی سیڑھیاں اور کمندیں کنگوروں میں آ کر پھنسی تھیں۔ اس لیے مسلمانوں [illegible] واجبی ہی تھا۔

[illegible] بڑھتے بڑھتے وہ سو یا ڈیڑھ سو کے قریب ہو گئے تھے اور انہوں نے اپنی بے مثل [illegible] راجپوتوں کو روک رکھا تھا اور ان کا مقابلہ نہایت دلیری سے کر رہے تھے۔

[illegible] ہزاروں راجپوت ان پر ٹوٹے پڑتے تھے اور ہر طرف سے ان پر تلواروں کا مینہ [illegible] وہ کیا بہادری دکھا سکتے تھے۔ پھر بھی کمال جوش و جرأت سے لڑ رہے تھے۔ انہوں [illegible] راجپوتوں کو ہلاک کر ڈالا اور آٹھ سو کے قریب زخمی کر دیئے تھے۔

[illegible] ان میں سے بھی اکثر شدید طور پر مجروح ہو گئے تھے اور وہ اس قابل ہی نہ رہے [illegible] جانباز درکنار حملے بھی روک سکیں۔ ان میں سے کئی تو بیٹھ گئے تھے۔ کئی گر پڑے [illegible]ید ہو گئے تھے۔

[illegible] زیادہ تعداد میں فصیل پر پہنچ جاتے تو قلعہ فتح ہو ہی گیا تھا۔ لیکن کوئی ذریعہ مسلمانوں [illegible] پہنچنے کا نہ تھا۔ اس لیے جو مسلمان فصیل پر پہنچ گئے تھے۔ وہ سب زخمی ہو گئے تھے [illegible] چار پیچھے جاتے تھے۔ وہ بھی زخمی ہوتے جاتے تھے۔

[illegible] کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت [illegible] کہ گنتی کے چند مسلمان بھی ان کے قابو میں نہ [illegible] پرجوش حملے کر کے انہیں بے دریغ قتل کر رہے تھے۔

آخر انہوں نے جوش میں آکر حملہ کیا۔ اگرچہ مسلمانوں نے ان کا حملہ روکنے میں پوری قوت صرف کر دی۔ لیکن ہزاروں راجپوتوں کے مقابلہ میں ان کی ایک بھی نہ چلی اور وہ پسپا ہو کر فصیل سے جا لگے۔

یہ خیال ہو گیا تھا کہ مسلمان عنقریب قتل کر ڈالے جائیں گے لیکن انہیں بھی طرارہ آگیا انہوں نے غضبناک شیروں کی طرح بڑھ کر ایک پرجوش حملہ کر کے بہت سے راجپوتوں کو مار ڈالا مگر راجپوتوں نے بھی جوابی حملہ کر کے مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ کچھ مسلمان مقابلہ کی تاب نہ لا کر کمندوں اور سیڑھیوں کے ذریعہ سے نیچے کود گئے۔

اس معرکے میں تقریباً ڈیڑھ سو مسلمان شہید ہو گئے اور راجپوت سترہ سو کے قریب مارے گئے اور دو ہزار کے قریب زخمی ہو گئے۔

شام کے وقت یہ مہم ناکامی پر ختم ہو گئی اور مسلمان واپس لوٹ گئے۔

سترھواں باب

پُراسرار سیاہ پوش

چندر موہنی نے ایک دوسے تین متعدد افراد سے یہ بات سنی تھی کہ اس کی ذات سے کوئی گہرا راز وابستہ ہے۔ لیکن کوئی بھی اس راز کو بتانے پر آمادہ نہ ہوا۔ اگر شوبھا دیوی نے انکشاف کا ارادہ بھی کیا تو ایسا اتفاق پیش آیا کہ وہ ظاہر نہ کر سکی۔

چندر موہنی کی الجھن بڑھتی جاتی تھی۔ خصوصاً اس وقت سے اس کی حیرت اور بھی بڑھ گئی تھی۔ جب سے اس نے یہ سنا تھا کہ سلطان محض اس کی ہی وجہ سے سومنات پر حملہ آور ہوئے ہیں۔

چند روز سے کامنی چندر موہنی کی خدمت میں زیادہ حاضر باش رہنے لگی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ پچھلی غلطیوں کی تلافی کر رہی ہے۔

مگر چندر موہنی اس کی طرف سے کچھ کھٹکی ہوئی تھی دھرم پال کا یہ کہنا اس کے ذہن نشین ہو گیا تھا کہ کامنی اور سکھدیو دونوں سے ہوشیار رہے اس لیے وہ اس سے ہوشیار رہتی تھی۔

اگرچہ کامنی نے کوئی ایسی حرکت نہ کی تھی جس سے چندر موہنی کو مزید شبہ ہوتا لیکن پھر بھی وہ اس کی طرف سے مشکوک تھی۔

ایک روز دن چھپے کے قریب کامنی اور چندر موہنی دونوں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں کہ کامنی نے کہا راجکماری تم نے ایک نئی بات بھی سنی ہے۔

چندر موہنی نے کہا عجیب سے یہ ملیکش سومنات کا محاصرہ کیے پڑے ہیں۔ اس وقت سے نئی نئی باتیں سننے میں آتی ہیں لیکن میں تو سمجھتی ہوں وہ زیادہ تر افواہیں ہوتی ہیں۔

کامنی: میں نے بھی اس افواہ کو افواہ ہی سمجھا تھا۔ لیکن رات اس کی تصدیق ہو گئی۔

چندر موہنی: کیا کوئی نئی افواہ مشہور ہوئی ہے؟

کامنی: جی ہاں۔

چندر موہنی   کیا

کامنی   جب سے مسلمان فصیل پر چڑھ آئے تھے سنا تھا۔ کچھ لوگ چھپ کر قلعہ میں رہ گئے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

چندر موہنی نے حیرت بھری نظروں سے کامنی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ یہ کیسے ممکن ہے!

کامنی   جب میں نے سنا تھا تو مجھے بھی اس کا یقین نہیں آیا تھا۔ لیکن ۔ ۔ ۔ ۔

چندر موہنی   لیکن کیا۔

کامنی   اپنی آنکھوں سے دیکھ کر یقین کرنا پڑا۔

چندر موہنی   تم نے کیا دیکھا۔

کامنی   رات میں تمہارے پاس آ رہی تھی چاندنی کھلی ہوئی تھی۔ مجھے ایک سیاہ پوشش نظر آیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔

چندر موہنی   سیاہ پوشش۔

کامنی   جی ہاں۔ سر سے پاؤں تک سیاہ لبادہ میں لپٹا ہوا تھا۔ میں نے سنا تھا کہ جو مسلمان قلعہ میں رہ گئے ہیں وہ سیاہ لباس میں ملبوس ہیں اور اندھیری رات میں اِدھر اُدھر گھومتے ہیں۔

چندر موہنی   لیکن اس سے ان کا منشا کیا ہے۔

کامنی   ان کا منشا تم نے اب تک نہیں سمجھا

چندر موہنی   میں نے تو یہ افواہ ہی اس وقت تم سے سنی ہے۔

کامنی   میں نے خیال کیا تھا کہ جس طرح یہ افواہ میں نے اور دوسری لڑکیوں نے سنی ہے تم بھی سن لی ہوگی۔

چندر موہنی   مجھ سے آج تک بھی کسی نے اس کا ذکر نہیں کیا۔

کامنی   شاید اس وجہ سے نہ کیا ہو کہ مہاراجہ نے سب کو منع کر دیا تھا۔

چندر موہنی   لیکن یہ ممانعت کیوں کی گئی۔

کامنی   اس لیے کہ تم خوفزدہ نہ ہو جاؤ۔

چندر موہنی   کیا ان سیاہ پوش مسلمانوں کا تعلق بھی میری ذات سے ہے؟

کامنی   جی ہاں سنا یہ ہے کہ وہ تمہیں رات کو اٹھا لے جانا چاہتے ہیں۔

یہ بات سن کر چندر موہنی کچھ متفکر ہو گئی۔ اس نے کچھ وقفہ کے بعد کہا۔ مگر کیا مسلمان ایسی جرأت کر سکتے ہیں۔

کامنی   ان سے کوئی بات بعید نہیں ہے۔

چندر موہنی   اچھا جب تم نے اس سیاہ پوش کو دیکھا تو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

کامنی   میں ڈر گئی اور مجھ پر کچھ ایسا خوف طاری ہوا کہ گلا خشک ہو گیا۔ آواز نہ نکل سکی۔ جسم میں تھرتھری پڑ گئی۔

اس وقت دو اور لڑکیاں بھی آ گئیں۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ تم شاید سیاہ پوش مسلمان کا ذکر کر رہی ہو۔

کامنی   ہاں تم نے بھی اس کے متعلق کچھ سنا ہے؟

وہی لڑکی   صرف اس قدر کہ کئی عورتوں میں زیادہ تر باندیاں ہیں۔ اس سیاہ پوش کو دیکھا تھا۔

کامنی   بھلا کس وقت دیکھا تھا انہوں نے۔

وہی لڑکی   آدھی رات تک مختلف اوقات میں دیکھا گیا تھا۔ نہایت دراز قد انسان تھا۔

کامنی   بالکل سچ ہے۔ پہلی نظر میں تو میں اسے بھوت ہی سمجھتی تھی۔

وہی لڑکی   سب نے اسے بھوت ہی سمجھا تھا۔ جب میں نے دن میں سنا تو خوف سے تھرتھری میرے جسم میں دوڑ گئی اور تم نے رات کے وقت اسے دیکھا تھا۔

کامنی   اور اس وقت جب کہ میں تنہا تھی۔

چندر موہنی   تم نے اسے کس طرف جاتے دیکھا تھا۔

کامنی   اس نے شاید میرے پیروں کی چاپ سن لی تھی کیونکہ وہ میری طرف گھوما۔ سیاہ نقاب سے اس کا چہرہ ڈھکا ہوا تھا۔ میں خوف و دہشت سے لرز گئی۔ مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے وہ جھپٹ کر مجھ پر حملہ کرنے والا ہے۔ میری آنکھیں بند ہو گئیں اور جب کچھ وقفہ کے بعد ڈرتے ڈرتے میں نے آنکھیں کھولیں۔ تو وہ غائب ہو چکا تھا۔

چندر موہنی   کاش تم غل مچا دیتی۔

کامنی   اتنی ہمت اور طاقت ہی بدن میں باقی نہ رہی تھی۔

ایک لڑکی   لیکن ان مسلمانوں کی جرأت تو دیکھو قلعہ کے اندر چھپے ہوئے ہیں۔ دن میں

ایشور جانے کہاں رہتے ہیں۔ رات کو نکل آتے ہیں۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ کھاتے کیا ہیں اور کہاں سے کھانے کے لیے لاتے ہیں۔

کامنی — جب میں نے اس افواہ کو سنا تھا تو مجھے یقین نہیں آیا تھا۔ لیکن رات کو جب سے دیکھا ہے بڑا خوف پیدا ہو گیا ہے۔ معلوم نہیں مہاراجہ اور مہارانی نے کیا انتظام کیا ہے۔

دوسری لڑکی — سنا ہے خاموشی سے انتظام کیا جا رہا ہے۔ چونکہ انہیں خیال ہے کہ کہیں راج کماری ڈر نہ جائیں، اس لیے انہوں نے سب کو ہدایت کر دی ہے کہ راج کماری سے اس کا ذکر نہ کیا جائے۔

کامنی — میں نے یہ ذکر اس لیے کیا ہے کہ راج کماری رات کو ہوشیار رہا کریں۔ دشمن ان کی تاک میں ہے اور اندر اس کے اندر موجود ہے۔

اس وقت دن چھپ گیا تھا اور کنیزوں نے تمام کمروں اور سارے صحن میں روشنی کر دی تھی۔

چندر موہنی نشست گاہ کے کمرہ میں بیٹھی تھی۔ اس کے دل پر سیاہ پوشوں کی ہیبت چھانے لگی۔ اس نے کہا۔ لیکن سیاہ پوش مجھے لے کر قلعہ سے باہر نہیں نکل سکتے۔

کامنی — اس بھروسہ پر نہ رہنا۔ جس طرح وہ کمندیں اور ریشم کی ڈوری کی سیڑھیاں قلعہ کے کنگوروں میں اٹکا کر نیچے سے اوپر آئے تھے۔ اسی طرح اوپر سے نیچے جانے میں کون سی بات مانع ہو سکتی ہے۔

دوسری لڑکی — یہ مسلمان بڑے چنڈال ہیں۔ ان کی ساری باتیں حیرت ناک ہیں۔ اب یہی بات کیا کچھ کم تعجب خیز ہے کہ وہ قلعہ کے اندر موجود ہیں اور کسی کے ہاتھ نہیں آتے۔

اس وقت ایک خادمہ آئی اس نے کہا۔ راج کماری جی! آپ کو مہارانی یاد فرما رہی ہیں۔

چندر موہنی — میں خود ان سے ملنا چاہتی تھی۔ چلو۔

چندر موہنی اٹھی۔ کامنی نے التجائی نگاہوں سے اسے دیکھ کر کہا۔ کہیں سیاہ پوشوں کا ذکر ان سے نہ کر دیجیے گا۔

چندر موہنی — یہ ذکر تو میں ضرور کروں گی لیکن تم میں سے کسی کا نام نہ لوں گی۔

کامنی — ہاں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن بہتر تو یہی تھا کہ ذکر نہ کرتیں مگر خیر ذکر بھی کیجیے تو کسی کا نام نہ لیجیے گا ورنہ ہم سب پر عتاب نازل ہو جائے گا۔

چندر موہنی — اطمینان رکھو میں کسی کا نام نہ لوں گی۔

چندر موہنی چلی اور کنیزوں کے جھرمٹ میں مہارانی کے پاس پہنچی۔ اس نے حسب دستور دونوں ہاتھ جوڑ کر مہارانی کے پیر چھوئے۔ مہارانی نے خوش ہو کر اسے دعا دی اور اپنے پاس بٹھا کر کہا آج نہ معلوم کیوں میری طبیعت پریشان ہے جیسے کوئی افتاد پڑنے والی ہے جی چاہتا ہے تجھے آج خوب جی بھر کے پیار کروں۔

یہ کہتے ہی اس نے چندر موہنی کو اپنی آغوش میں کھینچ کر اس کی پیشانی چومی۔ چندر موہنی نے کہا۔ ماتا جی۔ آپ نے بھی سیاہ پوش مسلمانوں کا تذکرہ سنا ہے۔

مہارانی کے چہرے سے فکر و تشویش کی علامتیں ظاہر ہوئیں۔ اس نے پوچھا۔ کیا تو نے بھی کچھ سنا ہے؟

چندر موہنی — جی ہاں سنا ہے۔ مگر مجھے یقین نہیں آیا۔

مہارانی — ایسی افواہوں پر یقین بھی نہیں کرنا چاہیے۔ مگر تجھ سے کس نے کہا۔

چندر موہنی — میرے خیال میں اندر اس کی تمام کنیزوں کو یہ بات معلوم ہے ۔ ۔ ۔ ۔

مہارانی — عورتیں پیٹ کی ہلکی ہوتی ہیں۔ وہ کسی بات کو سن کر ضبط نہیں کر سکتیں۔ بیٹی! سنا میں نے بھی ہے۔ لیکن دیکھا نہیں۔ اس لیے میں اس افواہ کا یقین نہیں کرتی۔ تو بھی یقین نہ کر۔

چندر موہنی سمجھ گئی کہ ضرور اس افواہ کی اصلیت ہے۔ اس نے کہا، آپ کنیزوں کو ہدایت کر دیجیے کہ رات کو زیادہ ہوشیار اور خبردار رہیں۔

مہارانی — میں نے پہلے ہی سے ہدایت کر دی ہے۔ ساری رات پہرہ رہتا ہے دس دس اور پندرہ پندرہ کنیزوں کے غول بنا دیئے گئے ہیں اور وہ ہر کمرہ۔ ہر برآمدہ اور صحن کے ہر گوشہ میں گھومتی رہتی ہیں۔

چندر موہنی — تب تو کوئی اندیشہ نہیں ہے۔

مہارانی — فکر نہ کر بیٹی! اندیشہ کیا ہوتا ہے۔

کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کر کے چندر موہنی اپنے کمرہ میں آئی چونکہ کھانے کا وقت ہو گیا تھا اس لیے وہ اس کمرہ میں پہنچی جہاں کھانا کھایا کرتی تھی۔ کھانا کھا کر باغیچہ میں نکل گئی اور چاندنی رات

میں روشنوں پر گھومنے لگی اس کے ساتھ اس وقت بھی پندرہ بیس کنیزیں اور سہیلیاں تھیں۔

کچھ دیر چہل قدمی کرنے کے بعد واپس آئی اور خواب گاہ میں چلی گئی۔ کنیزوں نے شب خوابی کا لباس پہنایا اور وہ بستر پر دراز ہو گئی۔

روزانہ وہ رات کو پڑتے ہی سو جایا کرتی تھی۔ لیکن آج اس نے کچھ ایسی باتیں سنی تھیں۔ جس سے طبیعت یکسو نہ تھی۔ اس لیے نیند نہ آئی۔ دیر تک پڑی کروٹیں بدلتی رہی۔

اسے رہ رہ کر یہ خیال آ رہا تھا کہ کہیں سیاہ پوش اسے اٹھا کر نہ لے جائیں۔ اسی خیال نے اس کی نیند اڑا دی تھی۔

لیکن آخر رفتہ رفتہ اسے نیند آنے لگی اور اس کی ہوش ربا آنکھیں بند ہونے لگیں۔ تقریباً نصف شب گزرنے پر وہ غافل ہو کر سو گئی۔

نہ معلوم کتنی دیر سوئی ہو گی کہ دفعتاً اس کی آنکھ کھل گئی۔ دیکھا تو ایک سیاہ پوش اس کے اوپر جھکا ہوا تھا۔ خوف و دہشت سے اس کے جسم میں تھرتھری پیدا ہو گئی۔ آنکھیں خود بخود بند ہونے لگیں۔

کمرہ میں اس وقت بھی خاصی روشنی ہو رہی تھی اور روشنی ہی میں اس نے سیاہ پوش کو اپنے اوپر جھکے ہوئے دیکھا تھا۔ اسے حوصلہ نہ ہوا کہ وہ حرکت کرے یا غل مچائے۔

اسے سیاہ پوش کی مضبوط گرفت اپنے جسم پر محسوس ہوئی۔ جیسے وہ اسے اپنی گود میں اٹھا رہا ہو۔ اس نے ہلکی سی چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئی۔

مہارانی کا اضطراب

صبح کو جب چندر موہنی کی کنیزیں بیدار ہوئیں تو حسب معمول خواب گاہ کے باہر کھڑی ہو کر انتظار کرنے لگیں کہ کب راج کماری بیدار ہو کر انہیں طلب کرتی ہے۔ وہ نہایت خاموشی سے کھڑی تھیں۔

آفتاب طلوع ہونے سے قبل چندر موہنی انہیں طلب کر لیا کرتی تھیں۔ کیونکہ اس کا معمول تھا کہ اٹھتے ہی شب خوابی کا لباس اتار کر ضروریات سے فراغت کرنے جاتی تھی اور وہاں سے آتے غسل کیا کرتی تھی۔

لیکن آج سورج نکل آیا تھا اور راج کماری نے ابھی تک بھی انہیں طلب نہیں کیا تھا۔ چونکہ آج سے پہلے کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اس لیے تمام کنیزیں حیران ہو ہو کر ایک دوسری کا منہ تک

رہی تھیں۔ گفتگو اس لیے نہ کر سکتی تھیں کہ کہیں راج کماری سو نہ رہی ہو اور ان کی آواز سن کر بیدار نہ ہو جائے۔ جس سے وہ معتوب ہو جائیں۔

انہیں کھڑے کھڑے کئی گھنٹے گزر گئے۔ سورج کافی اوپر آ گیا۔ دھوپ تمام قصر میں پھیل گئی۔ اب کنیزوں کو تشویش بڑھنے لگی۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ کہیں نصیب دشمناں کچھ طبیعت تو خراب نہیں ہو گئی ہے۔

دوسری — بڑی ضرور کوئی خاص بات ہوئی ہے۔ ورنہ اب تک وہ کبھی کی بیدار ہو گئی ہوتیں۔

تیسری — کچھ کھٹکا کرنا چاہیئے۔

چوتھی — نہیں۔ ممکن ہے رات کو دیر میں نیند آئی ہو اور اب تک استراحت فرما رہی ہوں

پانچویں — لیکن ان کے مہارانی جی کو سلام کے لیے جانے کا وقت بھی ہو گیا ہے۔ اگر وہ ان کے سلام کو نہ گئیں۔ تب کیا ہو گا۔

چھٹی — لیکن ہم انہیں بیدار کرنے کی جرات بھی تو نہیں کر سکتیں۔

غرض اس قسم کی گفتگو میں اور بھی وقت گزر گیا اور راج کماری نے انہیں اب بھی طلب نہ کیا اب تمام کنیزوں کو فکر ہوا اس وقت چند سہیلیاں وہاں آ گئیں۔ ان میں کامنی بھی تھی کامنی نے آتے ہی دریافت کیا کہ راج کماری کہاں ہیں؟

ایک کنیز نے لبوں پر انگشت شہادت رکھ کر آہستگی سے کہا۔ ابھی سو رہی ہیں۔

کامنی — ابھی سو رہی ہیں۔ تعجب ہے تم نے جا کر بیدار کیوں نہ کر دیا۔

دوسری کنیز — اس لیے کہ کہیں خفا نہ ہو جائیں۔

کامنی — ٹھہرو! میں اندر جا کر دیکھتی ہوں حیرت ہے۔ اب تک سونے کی کیا وجہ۔

کامنی نے قدم بڑھایا ہی تھا کہ مہارانی آ گئی۔ سب اس کی تعظیم کے لیے جھک گئیں۔ مہارانی نے پوچھا۔ چندر موہنی کہاں ہے۔

کامنی نے جواب دیا۔ معلوم ہوا ہے آج ابھی تک سو رہی ہیں۔ . . .

مہارانی نے حیران ہو کر کہا۔ ابھی تک سو رہی ہے کیوں؟

جی تو اچھا ہے۔

کامنی — ایشور ہی جانے۔

مہارانی — اور یہ کنیزیں یہاں کھڑی کیا کر رہی ہیں۔ انہوں نے کمرہ میں اندر جا کر کیوں

نہیں دیکھا۔

ایک کنیز نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ مہارانی جی! ہم میں سے کسی کو اندر جانے کی جرأت نہیں ہوئی کہ کہیں راج کماری جی برہم نہ ہو جائیں۔

مہارانی   تم سب احمق ہو۔

یہ کہتے ہی وہ بڑھ کر خواب گاہ میں داخل ہوئی۔ سب سے پہلے اس کی نظر چندر موہنی کے بستر پر پڑی۔ بستر خالی تھا۔ یہ دیکھ کر مہارانی کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں وہ کنیزوں اور سہیلیوں کی طرف گھوم گئی۔ اس کے چہرے سے فکر و تشویش کی علامتیں ظاہر ہو رہی تھیں۔ اس نے تھراتے ہوئے لبوں سے کانپتے ہوئے لہجہ میں کہا۔

"یہاں کہاں ہے چندر موہنی"

کنیزوں اور سہیلیوں نے بھی پہلی ہی نظر میں دیکھ لیا تھا۔ بستر خالی پڑا تھا اور کمرہ میں کوئی نہ تھا۔ وہ سب انگشت بدنداں رہ گئیں۔

مہارانی نے پھر کہا۔ کیا بہری ہو تم نے سنا نہیں چندر موہنی کہاں ہے؟
کوئی بھی نہ جانتا تھا کہ چندر موہنی کہاں ہے۔ جواب ہی کوئی اور کیا دیتا۔
لیکن کنیزوں کو کچھ نہ کچھ کہنا ضروری تھا۔ ایک کنیز بولی۔
حضور! ہم میں سے کسی کو بھی کچھ خبر نہیں ہے۔

مہارانی   تم کب سے دروازہ سے باہر کھڑی تھیں۔

دوسری کنیز   سورج نکلنے سے پہلے سے ـــ

مہارانی   لیکن اگر وہ بیدار ہو جاتی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

مہارانی کی نظر اس وقت اس سفید چاندنی پر پڑی جو کمرہ کے فرش پر بچھی ہوئی تھی۔ اسے اس پر مردانہ قدموں کے نشان نظر آئے وہ جلدی سے بڑھی اور اس نے جھک کر ان نشانوں کو دیکھا۔ ایک نامعلوم خوف اس پر طاری ہو گیا۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا دیکھنا یہ پیروں کے نشان کیسے ہیں۔

تمام کنیزوں اور سہیلیوں کی فوج بڑھ کر جھکی اور بہ غور دیکھنے لگیں۔ پیروں کے نشان صاف تھے اور اس قدر بڑے تھے کہ چندر موہنی کے کسی طرح بھی نہیں کہے جا سکتے تھے۔

کامنی نے کہا۔ یہ نشانات مردانہ پیروں کے ہیں۔ کم بخت سیاہ پوش مسلمان تو اپنے ارادہ میں کامیاب نہیں ہو گئے۔

مہارانی کا چہرہ سُست ہو گیا۔ آنکھوں سے وحشت اور بشرہ سے پریشانی ٹپکنے لگی تھی۔ اس کا جسم تھرتھرا رہا تھا۔ ہونٹ کانپ رہے تھے۔ اس نے مری ہوئی آواز میں کہا۔ شاید ـــ ـــ آہ شاید پاپی ملیکش ہی میری بچی کو لے گئے۔ پرماتما ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پرماتما میری سہایتا (مدد) کرو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

یہ کہتے ہی وہ بے ہوش ہو گئی۔ چندر موہنی کی سہیلیوں نے اسے بڑھ کر سنبھالا۔ لیکن وہ فرش پر دراز ہو گئی تھی۔

فوراً کنیزوں نے سہیلیوں کی مدد سے اسے اٹھا کر چندر موہنی کے بستر پر لٹایا اور اسے ہوش میں لانے کی فکر کرنے لگیں۔

جب کہ یہ عورتیں مہارانی کو ہوش میں لانے کی فکر کر رہی تھیں اس وقت مہاراجہ اور سکھدیو آ گئے۔ مہاراجہ نے خواب گاہ کے باہر ہی سے دریافت کیا۔ چندر موہنی کہاں ہے؟
ساری کنیزیں مہاراجہ کی آواز سنتے ہی جلدی سے باہر نکل آئیں۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ راج کماری غائب ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

مہاراجہ نہایت متعجب ہوئے۔ انہوں نے حیرت ناک لہجہ میں کہا۔ غائب ہے کب سے۔

کنیز ان داتا اسے کوئی نہیں جانتا۔

اس کے بعد کنیزوں اور سہیلیوں کے آنے اور راج کماری کے بیدار ہونے کے انتظار کرنے کا اور مہارانی کے آنے کا اور پیروں کے نشانات دیکھ کر بے ہوش ہو جانے کا سنایا مہاراجہ جلدی سے خواب گاہ میں گھس گئے۔ دیکھا تو مہارانی اس وقت تک بے ہوش پڑی تھی۔ وہ اس کی بالیں پر بیٹھ گئے اور متوحش نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولے۔ کوئی جلدی سے وید جی بلا کر فوراً لاؤ۔ چند کنیزیں دوڑ گئیں۔ سکھدیو نے کہا۔ میں نے اپنا شبہ پہلے ہی ظاہر کیا تھا۔ دیکھئے وہی ہوا۔

مہاراجہ   لیکن تم نے سیاہ پوش کو کس وقت دیکھا تھا؟

سکھدیو   تقریباً ایک تہائی رات گذر جانے پر۔

مہاراجہ   کاش تم اس کا تعاقب کر کے اسے گرفتار کر لیتے۔

سکھدیو: میں نے عرض کیا کہ مجھے یہ خیال ہوا کہ میری نگاہ نے دھوکا کھایا۔ چونکہ وہ جلدی سے غائب ہوگیا۔ اس لیے میں سمجھا کہ میں نے کوئی سایہ دیکھا تھا۔

مہاراجہ: مگر یہ تو سوچنا چاہیے تھا کہ سایہ کس کا ہو سکتا تھا۔

سکھدیو: جب میں اپنے بستر پر جا کر پڑا۔ تب یہ خیال ہوا چنانچہ میں فوراً واپس آیا اور میں نے قصر کا گوشہ گوشہ چھان ڈالا۔ لیکن وہ نہ ملا۔ اب مجھے اور بھی یقین ہو گیا کہ ضرور وہ فریب نظر ہی تھا۔

اس عرصہ میں وید آ گئے۔ یہ بزرگ صورت انسان تھے ان کی داڑھی سکھوں کی داڑھی کی طرح لمبی اور گاؤدمی تھی۔ سن رسیدہ آدمی تھے۔ داڑھی اور سر کے بال سفید تھے۔ البتہ بھویں سیاہ تھیں۔ چہرہ پر جھریاں پڑی ہوئی تھیں۔

انہوں نے آتے ہی مہاراجہ کو سلام کیا۔ مہاراج نے کہا۔ ویدجی! ذرا مہارانی کو دیکھیے!

ویدجی مسہری کے نیچے چاندنی پر بیٹھ گئے۔ انہوں نے مہارانی کی نبض دیکھی اور پھر چہرہ بغور دیکھ کر کہا۔ کوئی قلبی صدمہ مہارانی کو پہنچا ہے۔

مہاراجہ: آپ نے درست فرمایا۔ راجکماری کو سیاہ پوش ملیکش اٹھا کر لے گئے مہارانی اس صدمہ سے بے ہوش ہو گئی ہیں۔

وید: دوا فوراً دینی چاہیے۔ ورنہ اندیشہ ہے کہیں قلب کی حرکت بند نہ ہو جائے

مہاراجہ، سکھدیو، کنیزیں اور چندر موہنی کی سہیلیاں ویدجی کی بات سن کر نہایت پریشان اور غمزدہ ہوئیں۔

اس وقت تھوڑی دیر کے لیے چندر موہنی کا خیال سب کے دلوں سے نکل گیا اور سب مہارانی کی تیمارداری میں مصروف ہو گئے۔

ویدجی ایک جھولا لٹکائے ہوئے تھے۔ انہوں نے جھولا اتار کر چاندنی پر رکھا اور اس میں سے شیشیاں نکال نکال کر پھیلانے لگے۔

ایک چھوٹی شیشی انتخاب کر کے انہوں نے اٹھائی اور اس کی ڈاٹ کھول کر چند قطرے رقیق دوا کے مہارانی کے حلق میں ٹپکا دیئے اور شیشی بند کر کے علیحدہ رکھی اور مہارانی کے چہرہ کی طرف ٹکٹکی لگا دی۔

مہاراجہ کبھی مہارانی کے چہرہ کو اور کبھی ویدجی، کو دیکھ رہے تھے۔

انہوں نے ویدجی سے پوچھا۔ کہیے کیا خیال ہے۔ اب آپ کا، ویدجی۔ دوا رفتہ رفتہ اپنا کام کر رہی ہے۔ یقین ہے انہیں جلد ہوش آ جائے گا۔ فکر کی کوئی بات نہیں۔

مہاراجہ کو قدرے اطمینان ہوا اور وہ مہارانی کی طرف غور سے دیکھنے لگے۔

اٹھارواں باب

در پردہ الزام

تھوڑی دیر میں مہارانی کو ہوش آگیا۔ اس نے آنکھیں کھولیں اور ادھر ادھر تجسس آمیز نگاہوں سے دیکھا۔ مہاراجہ، سکھدیو، وید جی اور تمام لڑکیاں مہارانی کو ہوش میں دیکھ کر خوش ہو گئے۔

مہاراجہ نے مہارانی سے کچھ کہنا چاہا۔ وید جی نے فوراً اشارہ سے منع کرتے ہوئے کہا ان داتا! ابھی مہارانی کے دماغ میں سوچنے اور سمجھنے کی اہلیت پیدا نہیں ہوئی ہے۔ وہ بے مدعا ادھر ادھر دیکھ رہی ہیں۔ اتنی دیر توقف کیجئے کہ یہ خود کچھ بولیں۔

مہاراجہ خاموش ہو گئے۔ مہارانی کا چہرہ سفید پڑا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے غم نے سارا خون چوس لیا ہو۔ آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے تھے۔ کچھ دیر وہ چند ماہ کے بچوں کی طرح بغیر نظر کسی چیز پر ٹھہرائے دیکھتی رہی۔ آخر رفتہ رفتہ اس کی نگاہ ٹھہرنے اور دماغ کام کرنے لگا۔ کافی وقفہ کے بعد اس نے کراہنا شروع کیا۔ مہاراجہ بے چین ہونے لگے۔ وید جی نے ان کے چہرہ سے ان کے قلب کی کیفیت معلوم کر کے کہا۔ ان داتا! مطلق فکر نہ کیجئے۔ مہارانی کی طبیعت درست ہوتی جا رہی ہے۔ اب وہ بولنے ہی والی ہیں۔ لیکن انہیں آرام کی سخت ضرورت ہے۔

مہارانی — کے لب کھلے۔ اس نے کہا میں کہاں ہوں۔

مہاراجہ — تم اپنی پتری (بیٹی) کی خوابگاہ میں ہو۔

دفعتہً مہارانی کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ اس نے کہا، میری چندر موہنی کہاں ہے۔

مہاراجہ — وہ بخیریت ہے تم غم نہ کرو۔

مہارانی — بخیریت ہے ...... لیکن ہے کہاں؟

مہاراجہ — یہیں اس قصر میں۔

مہارانی نے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ بلاؤ۔ میری چندر موہنی کو بلاؤ ..... آہ مجھ سے اٹھا کیوں نہیں جاتا۔

مہاراجہ — پران پیاری! ابھی اٹھنے کی کوشش نہ کرو جب تمہاری طبیعت ٹھیک ہو جائے گی تب ....

دفعتہً مہارانی کو سب کچھ یاد آگیا۔ اس نے لمبی آہ بھر کر کہا۔ نہیں نہیں۔ وہ قصر میں نہیں ہے۔ اسے سیاہ پوش ملیکش لے گئے۔

پتی دیو — کیا میں اپنی پتری سے اب نہ مل سکوں گی۔ .... بولو جواب دو۔ مہاراجہ سوچ رہے تھے۔ اسے کیا جواب دیں۔ جب مہارانی کا اصرار دیکھا تو کہا ضرور مل سکو گی ملیکش اسے نہیں لے جا سکتے میری اور تمہاری زندگی میں یہ نہیں ہو سکتا۔

مہارانی — لیکن کون سورما اسے ان سے چھین کر لائے گا۔

مہاراجہ نے سکھدیو کی طرف دیکھا گویا وہ مہارانی کی بات کا جواب اس سے چاہتے تھے۔ سکھدیو نے کہا تمہارا یہ سیوک (خادم) لائیگا۔

مہارانی نے سکھدیو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا کون سکھدیو تم .... بیشک تم اسے لا سکتے ہو تم سورما ہو۔ دلیر اور نڈر ہو۔ وعدہ کرو کہ تم اسے لاؤ گے۔

سکھدیو — مہارانی جی۔ میں چندر موہنی کو پاپی ملیکش سلطان سے چھین کر لانے میں اپنی جان کی بازی لگا دوں گا۔

مہارانی — وہ تمہاری منگیتر ہے سکھدیو اگر تم اسے نہ لا سکے تو خاندان مہاراجہ سومنات کی عزت تو خاک میں مل جائے گی لیکن خاندان انہلواڑہ کی آبرو بھی جاتی رہے گی۔

سکھدیو — میں ان باتوں کو خوب سمجھتا ہوں۔

اب وید جی نے ایک اور دوا مہارانی کو پلائی۔ اس کے پینے سے اس کے جسم میں توانائی آگئی۔ اور وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے کچھ کہنا چاہا تھا کہ دھرم پال آگئے۔ مہارانی نے جلدی سے ان سے مخاطب ہو کر کہا، مہا گروجی! آپ کی چندر موہنی کو ظالم ملیکش پکڑ کر لے گئے۔

دھرم پال نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ میں نے ابھی یہ واقعہ سنا ہے لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ مسلمان ایوان شاہی میں گھس کر چندر موہنی کو لے جاتے ....

مہارانی نے دھرم پال کو دیکھتے ہوئے کہا۔ کیا آپ نے یہ نہیں سنا تھا کہ کچھ [illegible]

مسلمان قلعہ میں گھس آئے ہیں ۔

دھرم پال ——— سُنا تھا۔ اور میں اس بات کی تفتیش میں لگا ہوا تھا ۔

مہاراجہ اور مہارانی نے اشتیاق بھری نظروں سے دھرم پال کو دیکھا۔ مہاراجہ نے دریافت کیا۔ آپکی تفتیش کا کیا نتیجہ ہوا۔

دھرم پال ——— ابھی تک میں صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچ سکا ہوں کیونکہ میری تفتیش نامکمل ہے لیکن یہ بات میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ مسلمان نہ قلعہ میں رہے اور نہ قصر شاہی میں آئے ۔

مہاراجہ ——— پھر یہ سیاہ پوش کون تھے جنہیں اکثر خادماؤں اور دوسرے لوگوں نے دیکھا

دھرم پال ——— میں بھی بات عرض کر رہا ہوں ۔ سیاہ پوش اور کوئی ہوں لیکن مسلمان نہیں ہو سکتے۔

مہاراجہ ——— آپ یہ بات کس بنا پر کہتے ہیں !

دھرم پال ——— مسلمان کبھی کسی کی بہو بیٹی کو چوری چھپے سے اغوا کر کے نہیں لے جاتے یہ بات مجھے تحقیق طور پر معلوم ہے اور اسی بنا پر میں یہ کہہ رہا ہوں۔

مہاراجہ ——— لیکن کیا آپ کو یہ بات معلوم نہیں ہے کہ سلطان محمود غزنی سے چندر موہنی کو حاصل کرنے کے لیے آیا ہے۔

دھرم پال ——— مجھے معلوم ہے ۔ میں اور آپ اس کی وجہ بھی جانتے ہیں ۔ جو راز اس میں پنہاں ہے اسے بھی . . . .

مہاراجہ نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ راز کے ذکر کو رہنے دو ۔ میں تو یہ پوچھتا ہوں کہ جب کہ سلطان اتنی مسافت طے کر کے آیا ہے۔ تو کیوں اس کے آدمی چندر موہنی کو اٹھا کر نہیں لے جا سکتے۔

دھرم پال ——— اس لیے کہ وہ اس بات کو سخت معیوب سمجھتے ہیں۔ اگر اس طرح چوری سے سلطان چندر موہنی کو لے جانا چاہتے تو اپنے چند آدمی بھیج دیتے اور وہ اس خاموشی سے لے جاتے کہ کسی کو معلوم بھی نہ ہوتا۔

مہاراجہ ——— مگر پھر آپ کا کیا خیال ہے۔

دھرم پال ——— میرا خیال ہے . . . . لیکن نہیں ابھی میں اپنا خیال ظاہر کرنا مصلحت نہیں سمجھتا میری تفتیش کی چند کڑیاں باقی رہ گئی ہیں ۔ جب وہ مل جائیں گی

تب میں عرض کروں گا۔

سکھدیو ——— لیکن مہاگرو جی ! اتنے آپ کی تحقیقات مکمل ہو گی اتنے ظالم سلطان اسے لیکر چلا بھی جائیگا۔

دھرم پال ——— پھر تمہارا کیا ارادہ ہے راج کمار ۔

سکھدیو ——— میں نے مہارانی جی سے وعدہ کیا ہے کہ میں راج کماری کو لاؤں گا . . .

دھرم پال ——— اور وہ وعدہ کس طرح پورا کرنا چاہتے ہو۔

سکھدیو ——— میری رائے ہے کہ کل صبح ہوتے ہی قلعہ اور شہر کے دروازے کھول دیئے جائیں۔ اور مسلمانوں پر اچانک حملہ کر دیا جائے۔

دھرم پال ——— لیکن جانتے ہو کہ مسلمان آسانی سے قابو میں آنے والے نہیں ہیں۔

سکھدیو ——— میرا خیال ہے کہ اگر تمام لشکر ایک ساتھ حملہ کر دے تو یقیناً مسلمان شکست کھا کر فرار ہو جائیں گے

مہاراجہ ——— تمہاری تجویز نہایت مناسب معلوم ہوتی ہے ۔ میں آج تمام افسروں کو بلا کر اس کے متعلق مشورہ کروں گا۔

وید جی ——— مہارانی جی کو آرام کی ضرورت ہے یہ گفتگو یا یہ مشورہ اس وقت ملتوی رکھا جائے تو زیادہ مناسب ہو گا۔

مہاراجہ ——— آپ نے درست کہا۔ اب ہم اس بحث کو بند کرتے ہیں۔

مہارانی ——— نہیں آپ اس معاملہ کو ابھی طے کیجئے۔ مجھے اس سے دلچسپی ہے۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ میری بچی کے لیے کیا تجویز کی جاتی ہے۔

مہاراجہ ——— طے وہی کیا جائے گا جو تم چاہتی ہو۔

مہارانی ——— کیا حملہ . . . .

مہاراجہ ——— ہاں حملہ جوش اور غصہ میں آکر یہ سومنات کے مہاراجہ کی عزت کا سوال ہے۔ راج کماری کو اس طرح سے چرا کر لے جانا کچھ ہنسی کھیل نہیں ہے۔ راجپوت کا بچہ بچہ اپنے مہاراجہ کی حرمت پر اپنی قوم کے ناموس پر کٹ مرے گا۔

دھرم پال ——— لیکن جو جوش آپ اپنی قوم . . . . یعنی ہندو جاتی میں پیدا کرنا چاہتے ہیں کہیں وہی جوش ان کی تباہی کا باعث نہ ہو جائے۔

مہاراجہ ——— کچھ پرواہ نہیں۔ گروجی مہاراج میرے سینہ میں جوش انتقام کی آگ دہک رہی ہے۔ میں خود اس حملہ میں شرکت کروں گا۔ اور یا تو چندر موہنی کو واپس لاؤں گا یا سلطان کا سر لے کر آؤں گا۔

دھرم پال ——— لیکن مہاراج! چندر موہنی اسلامی کیمپ میں نہیں ہے۔ اسے باور کیجئے۔

مہاراجہ ——— کیسے باور کروں۔ اور کون اسے یہاں سے لے جانے کی جرات کرسکتا ہے؟

دھرم پال ——— وہ جس کی امید ٹوٹ گئی ہو۔

مہاراجہ ——— وہ کون ہوسکتا ہے۔

دھرم پال ——— آپ غور کریں۔ ممکن ہے آپ معلوم کرلیں۔

مہاراجہ ——— میں نے غور کرلیا۔ میں نے سمجھ لیا۔ چندر موہنی سلطان کے پاس پہنچ گئی۔ وہ جیت گیا۔ مگر اسے یہ جیت بہت مہنگی پڑے گی۔

دھرم پال ——— خیال کیجئے قوم کا کیا حال ہوگا۔ جنگ کی آگ بھڑکتے ہی ہزاروں سورما مارے جائیں گے۔ ہزاروں بچے یتیم ہوجائیں گے ہزاروں عورتیں بیوہ ہوجائیں گی۔

مہاراجہ ——— میں جانتا ہوں آپکو یہی خیال جنگ سے روکتا ہے لیکن جبکہ سلطان آگیا ہے وہ بغیر لڑے بھڑے واپس نہ جائیگا ایک نہ ایک دن ضرور خونریز جنگ ہوگی۔ جب جنگ ہونی ہی ہے تو پھر کل ہی کیوں نہ ہوا اور کل ہی کیا .... رات ہی کو کیوں نہ حملہ کیا جائے۔ سکھدیو! تمہارا کیا خیال ہے؟

سکھدیو ——— ان داتا! یہ تجویز نہایت ہی مناسب ہے رات کو جبکہ مسلمان راج کماری کو پکڑ لانے کی خوشی منا کر غفلت کی نیند سو جائیں۔ اس وقت ان پر حملہ کرکے انہیں کچل ڈالا جائے ان کے ناپاک خون سے میدان کو سیراب کردیا جائے۔

دھرم پال ——— مگر میں کہتا ہوں کہ مسلمان ہر وقت ہوشیار رہتے ہیں۔ ان پر شبخون مارنا مناسب نہ ہوگا۔ ممکن ہے تدابیر الٹ جائے۔ اور لینے کے دینے پڑ جائیں۔

مہارانی ——— نہیں مہا گورو جی! یہ تجویز ٹھیک پڑے گی۔ رات کو راجپوتوں کا حملہ مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے خاموش کردے گا۔

دھرم پال ——— اور یا راجپوتوں کو خاموش کردے گا۔

مہاراجہ ——— آپ اندیشہ نہ کریں۔ مسلمان یہ بات جانتے ہوئے کہ ہم محصور ہیں۔

کسی وقت بھی قلعہ سے باہر نہیں نکلتے۔ پہرہ چوکی کا معقول انتظام نہیں کرتے ہیں۔ ہمارا حملہ اچانک اور پرزور ہوگا۔ آپ صبح کو دیکھیں گے کہ مسلمانوں کی لاشوں سے میدان پٹ گیا اور چندر موہنی آگئی۔

دھرم پال ——— ایشور ایسا ہی کرے۔ اگر آپ نہیں مانتے تو نہ مانیئے۔ جو آپ نے سوچا ہے وہی کیجئے۔

مہاراجہ ——— سکھدیو شبخون مارنے کے لیے تیار ہوجاؤ۔

سکھدیو ——— میں تیار ہوں۔

مہارانی کی طبیعت کیونکہ اب درست ہوگئی تھی۔ اس لیے مہاراجہ اسے اپنے ساتھ لے گئے۔

مخبری

رات کا وقت تھا۔ چونکہ چاند پچھلی رات کو نکلنے والا تھا۔ اس لیے اس وقت ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ اسلامی کیمپ میں خاموشی طاری تھی۔ اور تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔

چونکہ رات زیادہ آگئی تھی۔ اس لیے مجاہدین اسلام نہایت آرام اور اطمینان سے خیموں اور چھولداریوں میں پڑے سو رہے تھے۔

لیکن اسلامی لشکر میں ہمیشہ سے یہ قاعدہ رہا ہے کہ رات کو ایک دستہ لشکر کی محافظت پر متعین ہوکر ساری رات لشکر گاہ کے گرد گشت لگاتا رہتا ہے۔ اس لیے حسب دستور آج بھی ایک طلایہ گرد دست روند کر رہا تھا۔

اس دستہ کا افسر التونتاش تھا۔ ڈھائی ہزار سواروں کا دستہ اس کے جلو میں تھا۔ چونکہ دشمن کے حملہ کا اندیشہ قلعہ کی جانب سے تھا۔ اس لیے یہ دستہ اسی طرف گھوم رہا تھا۔

ابھی تہائی رات ہی گزری تھی۔ اندھیرا اس قدر پھیلا ہوا تھا کہ زمین سے آسمان تک سیاہ چادر تنی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ نیلگوں آسمان کا رنگ بھی آبنوسی ہوگیا تھا۔ اور ستارے اس میں اس کثرت سے جگمگا رہے تھے۔ جیسے طشت میں جواہرات انڈیل دیئے ہوں۔

چونکہ اسلامی لشکر دور تک فرو کش تھا اور التونتاش کے ذمہ سارے لشکر کی حفاظت تھی اس لیے ڈھائی ہزار دستہ کے پانچ حصے کرکے ہر حصہ میں پانچسو سوار تقسیم کردیئے تھے اور انہیں اس طرح پھیلا دیا تھا۔ جس سے تمام لشکر کی حفاظت میں آسانی ہوگئی تھی۔

التونتاش نہایت ہوشیار اور تجربہ کار افسر تھا۔ اسلام کا بہی خواہ مسلمانوں کا خیر طلب اور سلطان کا فرمانبردار تھا اس کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ وہ رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر قلعہ تک پہنچے۔ اور اگر ممکن ہو تو فصیل تک رسائی کرنے کی کوشش کرے۔

چنانچہ وہ سو سواروں کو ساتھ لے کر آہستہ آہستہ قلعہ کی کیجانب چلا۔ ابھی قلعہ دور تھا کہ کسی کی آواز آئی۔ "اس دستہ کا افسر کون ہے؟"

التونتاش نے گھوڑا بڑھا کر کہا۔ میں ہوں التونتاش۔

جب التونتاش بڑھ کر آواز دینے والے کے قریب پہنچا تو وہ ایک سادھو کو اپنے سامنے کھڑا دیکھ کر حیران رہ گیا۔

اسے اس وجہ سے اور بھی حیرت ہوئی کہ سادھو نے ترکی زبان میں گفتگو کی تھی۔

ابھی التونتاش حیران ہی ہو رہا تھا کہ سادھو نے کہنا شروع کیا "خوب ہوا مجھے آپ مل گئے میں ایک ضروری بات کہنا چاہتا ہوں۔

التونتاش —— مجھے حیرت ہے کہ آپ ہندی النسل سادھو ہوتے ہوئے ترکی کس روانی سے بول رہے ہیں۔

سادھو —— مجھے آپ نے پہچانا نہیں خیر ......

التونتاش —— ٹھہریئے۔ پہلے آپ اپنا نام بتایئے

سادھو —— میرا نام دھرم پال ہے۔

التونتاس —— اوہ میں سمجھ گیا۔ معاف کیجئے میں اندھیرے میں مطلق نہ پہچان سکا۔ یہ کہتے ہی وہ گھوڑے سے نیچے کود پڑا۔ اور بولا۔ "فرمایئے کیا حکم ہے؟"

دھرم پال —— آپ سلطان کے ذی عزت افسر ہیں میرے ساتھ اس طرح پیش نہ آیئے۔ میں ایک تارک الدنیا فقیر ہوں۔

التونتاش —— مگر فقیر بھی وہ جس کی عزت و عظمت خود سلطان کے دل میں ہے۔

دھرم پال —— یہ سلطان کی مہربانی ہے۔

التونتاش —— ہر مسلمان کو آپ سے محبت ہے۔

دھرم پال —— یہ مسلمان کا حسن اخلاق ہے۔

التونتاش —— کیا آپ اعلیٰ حضرت سے شرف ملاقات حاصل نہ کریں گے۔

دھرم پال —— جی چاہتا ہے لیکن ابھی موقع نہیں ہے۔ میں اس وقت چھپ کر ایک نہایت ضروری اطلاع دینے آیا ہوں۔

التونتاش —— فرمایئے۔

دھرم پال —— پہلے میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔

التونتاس —— پوچھئے

دھرم پال —— کیا کچھ مسلمان قلعہ کے اندر رہ گئے ہیں یا پہنچا دیئے گئے ہیں۔

التونتاس —— میرے علم میں ایسا نہیں ہوا ہے۔

دھرم پال —— کیا جلالتمآب آپ کو ہر بات کی اطلاع دے دیتے ہیں؟

التونتاش —— نہیں۔ جو بات مشتہر کرنے کی نہیں ہوتی اس کی اطلاع کسی کو بھی نہیں کی جاتی۔

دھرم پال —— تب میرا خیال ہے کہ شاید سلطان نے اس بات کو چھپایا ہو۔

التونتاش —— میں سمجھا نہیں۔ کیا آپ اس بات کی کچھ وضاحت کریں گے۔

دھرم پال —— کچھ مضائقہ نہیں۔ قلعہ میں اور خصوصاً قصر شاہی کے اندر یہ بات مشہور رہی ہے کہ کچھ مسلمان قصر میں چھپے ہوئے ہیں اور وہ سیاہ لبادے پہن کر رات کو نکلتے ہیں۔

التونتاش —— مسلمان ایسا کیوں کرتے۔

دھرم پال —— قصر والوں کا یہ خیال ہے کہ راج کماری کو اٹھا لانے کے لیے ایسا کیا گیا ہے

التونتاش —— یہ خیال نہایت مضحکہ خیز ہے۔ مسلمانوں کو قلعہ اور قصر کے اندر کی گلیوں کا حال کیا معلوم اس کے علاوہ ہم ایسی بندلانہ کارروائی کیوں کریں۔ ہم چندر موہنی کو بزور شمشیر حاصل کریں گے

دھرم پال —— لیکن ممکن ہے کہ جہاں پناہ نے قلعہ کے حالات معلوم کرنے کے لیے کچھ جانباز مسلمان بھیج دیئے ہوں۔

التونتاش —— ہاں یہ بات ممکن ہے۔ لیکن یہ ناممکن ہے کہ چندر موہنی کو اٹھا لانے کے لیے بھیجے ہوں۔

دھرم پال —— اگر مسلمان قلعہ کے اندر گئے ہیں تو وہ ضرور چندر موہنی کو اٹھا لائے ہیں۔

التونتاش ــــ کیا چندر موہنی قصر میں سے غائب ہو گئی ہے؟

دھرم پال ــــ جی ہاں۔

التونتاش ــــ کب۔

دھرم پال ــــ گذشتہ رات کو میں نے اس معاملہ کی از خود تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ ...... کئی روز سے آدھی رات کے وقت کچھ سیاہ پوش قصر میں منڈلاتے دیکھے گئے۔ اور جب انہیں پکڑنے اور گرفتار کرنے کی کوشش کی گئی۔ تو وہ حیرتناک طریقہ پر غائب ہو گئے ایسا مسلمان ہی کر سکتے ہیں۔

التونتاش ــــ آپ خوب جانتے ہیں۔ کہ نہ مسلمان جادوگر ہیں۔ نہ انہیں کوئی ایسا علم آتا ہے جس سے وہ انسان سے بلی، چوہا، مکھی یا اور کچھ بن جائیں۔ پھر قلعہ میں اور قصر کے اندر جس کے چپہ چپہ سے راجپوت ہی واقف ہیں۔ اور مسلمان ناواقف ہیں۔ وہ کہاں چھپ سکتے ہیں۔ اس میں کوئی بھید ہے۔

دھرم پال ــــ عقل حیران ہے۔ آخر کیا راز ہے۔ اگر۔ آج کماری اسلامی کیمپ میں نہیں آئی تو کہاں گئی۔ کون لے گیا؟

التونتاش ــــ ہو سکتا ہے کہ خود مہاراجہ نے یہ چال کھیلی ہو۔ اس نے اپنے آدمیوں کو اس کام پر لگایا ہو۔ اور انہوں نے راج کماری کو کہیں چھپا دیا ہو۔ تاکہ جب مسلمانوں کو یہ بات معلوم ہو جائے تو وہ ناامید اور دل شکستہ ہو کر واپس لوٹ جائیں۔

دھرم پال ــــ میرے خیال میں ایسا نہیں ہوا کیونکہ مہاراجہ اور مہارانی دونوں نہایت غمگین اور پریشان ہیں مہارانی کو تو غش آ گیا تھا۔ میں یہ وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ کم سے کم مہاراجہ اور مہارانی کو راج کماری کے غائب کرنے کا کچھ بھی علم نہیں ہے۔

التونتاش ــــ تب کسی نے قصر کے اندر ہی سازش کا جال پھیلایا ہے۔

دھرم پال ــــ یہ ہو سکتا ہے۔ لیکن آپ اعلیٰ حضرت سے اس کے متعلق دریافت کر لیں۔

التونتاش ــــ ضرور دریافت کروں گا۔

دھرم پال ــــ اگر چندر موہنی کیمپ میں آگئی ہو تو اس کی حفاظت کی خاص طور پر تاکید کر دیجئے۔

التونتاش ــــ بہتر ہے۔ کیا یہی اطلاع کرنے آئے تھے آپ؟

دھرم پال ــــ یہ بات تو مجھے آپ سے دریافت کرنی تھی۔ جو اطلاع میں دینے آیا ہوں وہ یہ ہے کہ آج رات آپ کو شبخون مارا جائے گا۔

التونتاش نے گھبرا کر پوچھا۔ کس وقت؟

دھرم پال ــــ بہت ممکن ہے کہ قلعہ کا پھاٹک کھل گیا ہو۔ اور راجپوت سیلاب کی طرح بہے چلے آ رہے ہوں ......

التونتاش ــــ آپ کی اس اطلاع دہی کا شکریہ۔ انشاء اللہ اب ہم انتظام کر لیں گے۔

دھرم پال ــــ انتظام بھی ایسا کیجئے جس سے راجپوتوں کو ....

التونتاش ــــ آپ اطمینان رکھیں۔ اگرچہ وقت کم ہے۔ لیکن پھر بھی جو کچھ کیا جا سکتا ہے کیا جائیگا۔

دھرم پال ــــ اچھا اب میں رخصت ہوتا ہوں۔

التونتاش ــــ میں ایک مرتبہ پھر تمام مسلمانوں کی طرف سے آپکا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

دھرم پال ــــ شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں اپنا فرض ادا کر رہا ہوں۔ اچھا خدا حافظ۔

التونتاش ــــ فی امان اللہ۔ لیکن ایک بات سنتے جائیے۔

دھرم پال ــــ کہیئے۔

التونتاش ــــ اگر واقعی کچھ مسلمان قلعہ کے اندر داخل ہو گئے ہیں تو ان کی حفاظت کا انتظام ہو جانا چاہیئے۔

دھرم پال ــــ میں ان کی تلاش میں ہوں۔ ان کی حفاظت کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔ دھرم پال نے سلام کیا۔ اور چلے گئے۔ التونتاش گھوڑے پر سوار ہو کر واپس لوٹے اور اپنے دستہ کے سواروں کو ساتھ لے کر بڑی عجلت سے کیمپ کی طرف روانہ ہوئے۔

انیسواں باب

ناکام شبخون

جس وقت دھرم پال قلعہ کے قریب پہنچے تو انہوں نے گھوڑوں کے ٹاپوں، باگوں اور ہتھیاروں کے کھڑکنے کی آواز سنی۔ وہ سمجھ گئے کہ راجپوتی رسالے قلعہ سے نکل رہے ہیں چونکہ اندھیرا اس قدر پھیلا ہوا تھا کہ پاس کی چیز بھی نظر نہ آتی تھی۔ اس لیے کوئی سوار بھی نظر نہ آ رہا تھا۔

دھرم پال نہیں چاہتے تھے کہ کوئی انہیں دیکھے اس لیے وہ ایک ٹیلہ کی آڑ میں چھپ گئے۔ اور انہوں نے غور سے سامنے میدان میں دیکھنا شروع کیا۔

ہر چند آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ لیکن کچھ بھی نظر نہ آیا۔ البتہ مختلف آوازیں ضرور آ رہی تھیں۔ لیکن کسی انسان کے بولنے کی آواز نہ آ رہی تھی معلوم ہوتا تھا کہ سوار خاموشی سے چلے جا رہے ہیں۔

دیر تک دھرم پال چھپے رہے۔ وہ چاہتے تھے کہ اس شبخون مارنے والے لشکر کا جب آخری سپاہی بھی گزر جائے تب وہ اپنی کمین گاہ سے نکل کر روانہ ہوں۔

آخر کچھ عرصے کے بعد قلعہ کی طرف سے آوازیں آنی بند ہو گئیں اور یہ آوازیں اسلامی کیمپ کی طرف بڑھتی اور دور ہوتی گئیں۔

جب دھرم پال کو یہ اطمینان ہو گیا کہ لشکر دور نکل گیا ہے۔ تب وہ ٹیلہ کی آڑ سے نکلے اور قلعہ کی طرف چلے۔ لیکن چند ہی قدم چل کر کچھ سوچا اور پھر واپس لوٹ پڑے۔

انہوں نے پھر اسلامی کیمپ کی طرف چلنا شروع کر دیا اس وقت بے چین اور مضطرب ہو گئے تھے۔ تیزی سے قدم بڑھائے چلے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ اس جانے والے لشکر کے اس قدر قریب پہنچ گئے کہ گھوڑوں کے ٹاپوں، باگوں کے کھڑکھڑانے اور ہتھیاروں

کے کھڑکنے کی آوازیں صاف طور پر سنائی دینے لگیں اب انہوں نے یہ سمجھ کر کہ وہ لشکر کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ اپنی رفتار کم کر دی۔

حقیقت میں وہ راجپوت سواروں کے قریب پہنچ گئے تھے اس قدر قریب کہ اگر وہ کسی کو آواز دیتے تو فوراً ان کی آواز سن لی جاتی۔ لیکن اندھیرا اس غضب کا پھیلا ہوا تھا کہ انہیں نظر کچھ نہ آتا تھا۔

اگرچہ ہزاروں راجپوت سوار چند ہی قدم کے فاصلہ سے جا رہے تھے لیکن نظر ایک سوار بھی نہ آ رہا تھا۔ تاریکی کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ اور دھرم پال ان پردوں کو چاک کرتے بڑھے چلے جا رہے تھے۔

راجپوت کا لشکر نہایت اطمینان سے بڑھا چلا جا رہا تھا۔ اس نے بہ عافیت تمام وہ میدان طے کر لیا تھا جو قلعہ اور اسلامی کیمپ کے درمیان واقع تھا۔

اگرچہ دھرم پال کو معلوم نہ تھا کہ راجپوت اسلامی لشکر سے کتنے فاصلہ پر رہ گیا ہے لیکن وہ یہ ضرور سمجھ رہے تھے کہ ان کا ہر قدم انہیں اسلامی لشکر کے قریب لیے جا رہا ہے اور چونکہ مسلمانوں کے جاگنے اور بیدار ہونے کے آثار نظر نہ آتے تھے۔ اس لیے دھرم پال کی بے چینی بڑھتی جاتی تھی۔ انہیں خیال ہی نہیں بلکہ یقین ہو گیا تھا کہ راجپوتوں کا شبخون کامیاب رہے گا۔ ۔ ۔ ۔ وہ مسلمانوں پر اچانک جا پڑیں گے اور انہیں ہلاک کر ڈالیں گے۔

نہ معلوم کیوں انہیں اس خیال سے بڑی تکلیف ہو رہی تھی وہ چاہتے تھے کہ اڑ کر مسلمانوں کے کیمپ میں پہنچ جائیں۔ اور انہیں بیدار کر کے دشمنوں کے آنے کی اطلاع کر دیں۔

لیکن اب یہ بات ناممکن ہو گئی تھی۔ کہ وہ راجپوتوں کے رسالوں کو چیر کر اسلامی لشکر گاہ میں پہنچ سکیں۔ انہیں حیرت تھی کہ التوناس کہاں گئے۔ اور انہوں نے دشمنوں کی مدافعت کا کوئی انتظام کیوں نہیں کیا۔ کیوں اسلامی لشکر میں جمود و سکون طاری ہے۔ کیا التوناس کسی اور طرف نکل گئے۔

ابھی وہ یہ سوچ ہی رہے تھے۔ کہ ان کے قریب ہی اللہ اکبر کی پُرشکوہ اور دل ہلا دینے والی آواز آئی۔ وہ اس آواز کو سن کر مسکرائے اور قلعہ کی طرف واپس لوٹے۔ ابھی تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ سکھ دیو گھوڑے پر سوار آتا ہوا ملا۔ اس نے انہیں دیکھ کر کہا آپ کہاں گئے جی مہاراج! دھرم پال نے کہا۔ یہاں میں ہوں۔

سکھدیو ـــــ میں جانتا تھا آپ یہاں آئیں گے۔

وہ چلا گیا۔ دھرم پال بھی چل دیئے۔

راجپوت اسلامی لشکر میں داخل ہو چکے تھے۔ اور چونکہ اسلامی لشکر گاہ میں سناٹا طاری تھا۔ اس لیے وہ خاموش تھے۔ اور سمجھ رہے تھے کہ غافل اور سونے والے مسلمانوں پر اچانک یلغار کر کے انہیں سوتے ہی ہلاک کر ڈالیں گے۔

لیکن جب انہوں نے اپنے پشت کی طرف اللہ اکبر کی پرزور آواز خلاف توقع سنی تو گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگے۔

التونتاش نے دھرم پال سے رخصت ہوتے ہی اپنے دستہ کے سواروں کو بیدار کرا دیا تھا اور امیر علی خویشاوند کو بھی اطلاع کرا دی تھی۔ امیر علی کا دستہ بھی مستعد ہو گیا تھا۔ اور امیر علی نے کئی سوار دوڑا کر سلطان کو خبر کرا دی تھی۔

اتنے راجپوت اسلامی لشکر کے قریب آئیں اتنے ایک طرف التونتاش اور دوسری طرف امیر علی خویشاوند اپنے اپنے لشکر لے کر کھڑے ہو گئے تھے۔ انہوں نے میدان خالی چھوڑ دیا تھا۔ جو لشکر گاہ اور قیام کے درمیان واقع تھا۔

گویا اسلامی لشکر راجپوتوں کے لشکر کے بازوؤں پر پھیل گیا تھا۔ اور جیسا کہ ہم بار بار لکھ چکے ہیں کہ اندھیرا ہونے کی وجہ سے نظر کچھ نہ آتا تھا۔ مسلمانوں کو بھی راجپوتوں کے رسالے نظر نہ آ رہے تھے البتہ لشکر کے کوچ کی آواز ضرور سن رہے تھے۔

جب انہوں نے دیکھا کہ راجپوتوں کا لشکر ان سے آگے بڑھ گیا ہے تو انہوں نے بازوؤں سے بڑھ کر راجپوتوں کے پیچھے پھیلنا شروع کر دیا اور جب راجپوت اسلامی فرودگاہ میں داخل ہوئے تو دفعتاً مسلمانوں نے انہیں خبردار متنبہ کرنے کے لیے پرشور اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔

راجپوت یا تو آگے بڑھے چلے جا رہے تھے یا رک گئے تھے اور پشت کی طرف گردنیں پھیر پھیر کر دیکھنے لگے۔ لیکن بڑھے ہوئے اندھیرے کی وجہ سے انہیں کچھ بھی نظر نہ آیا۔

ابھی وہ خائف و ترساں دیکھ ہی رہے تھے کہ پھر اللہ اکبر کی پرشور آواز آئی اور ساتھ ہی برق وش تلواریں چمکیں۔

راجپوتوں کی پچھلی صف اپنے پشت کی طرف پلٹ گئی مسلمان ان کے سروں پر جا پہنچے تھے۔ راجپوتوں کے گھومتے ہی مسلمانوں نے پرزور حملہ کیا۔

راجپوتوں نے ڈھالوں پر ان کے وار کو روکا۔ لیکن مسلمانوں نے اس زور سے حملہ کیا کہ تلواروں نے ڈھالوں کو پھاڑ ڈالا۔ اور ڈھالوں سے گذر کر سروں پر پڑیں۔ بہت سے راجپوتوں کے بھنڈارے کھل گئے بہت سواروں کے سر کٹ کر دور جا پڑے۔

راجپوتوں نے بھی نہایت سختی سے حملہ کیا۔ ان کے بھی کھانڈوں اور چوڑی چوڑی تلواروں نے مسلمانوں کی ڈھالیں کاٹ ڈالیں اور اکثر مجاہدین کو زخمی کر دیا۔

اب راجپوت مسلمانوں پہ اور مسلمان راجپوتوں پہ ٹوٹ پڑے نہایت زور شور سے جنگ شروع ہو گئی تلواریں تیزی اور قوت سے چلنے لگیں سر و تن کے فیصلے ہونے لگے ہاتھ اور سر کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ دھڑ زمین پہ گر گر کر گھوڑوں کے ٹاپوں میں روندے جانے لگے۔ خون کی بارش ہونے لگی۔

لیکن خلاف معمول آج راجپوت بھی مسلمانوں کی طرح خاموشی سے مصروف دغا تھے جنگ نہایت خاموش مگر بڑی سختی سے ہو رہی تھی۔ راجپوت مسلمانوں کی صفوں میں اور مسلمان راجپوتوں کی صفوں میں گھس گئے تھے۔ اور ہر فریق بڑی جانبازی سے لڑ رہا تھا۔ رات کی خوفناک خاموشی ہتھیاروں کی جھنکار اور زخمیوں کی چیخ پکار سے دور ہو گئی تھی۔

اندھیرا ہونے کی وجہ سے نہ راجپوتوں کو معلوم تھا کہ کس قدر مسلمانوں نے ان پر حملہ کیا ہے اور نہ مسلمانوں کو علم تھا کہ کس قدر راجپوت ان پہ حملہ آور ہوئے ہیں۔ تنتجا میں تاریکی کی چادر میں لپٹے ہوئے . . . . . . جوش و خروش سے جنگ کر رہے تھے۔

ہندوستان میں راجپوتوں کی قوم بڑی جنگجو ہے وہ لڑتے ہیں اور جی توڑ کر لڑتے ہیں۔ چنانچہ بڑی بے باکی سے جنگ کر رہے تھے۔ چاہتے تھے کہ کسی طرح مسلمانوں کی صفوں کو چیر کر باہر نکل جائیں مگر مسلمان ایسے کب تھے جو آسانی سے نکل جانے دیتے۔ وہ قدم قدم پر انہیں روک رہے تھے۔ ان کی تلواریں نہایت پھرتی سے اٹھ رہی تھیں بڑی تیزی سے جدال و قتال میں مصروف تھیں۔ سروں پر سر اچھل رہے تھے۔ دھڑوں پہ دھڑ گر رہے تھے۔ خون کے فوارے ابل رہے تھے۔

مسلمان سد سکندری کی طرح جم گئے تھے۔ ہٹنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔ راجپوتوں کے جان لیوا حملے بڑے استقلال اور نہایت دلیری سے روک رہے تھے۔

بیس ہزار راجپوتوں نے یہ حملہ کیا تھا جن مسلمانوں نے ان کے پشت کی طرف سے

سے اذان دینی شروع کی۔ اذان کی پرکیف آواز سے ایک عجیب و دلکش سماں بندھ گیا۔
ساکت و صامت ہو گیا۔ طائران خوش الحان بھی جو نغمہ سنجی کر رہے تھے خاموش ہو کر اذان
سننے لگے۔

اذان ختم ہوتے ہی سب نے اول سنتیں پڑھیں۔ اور پھر فرض جماعت کے سامنے
کے لیے صفیں مرتب کیں۔ سلطان نے خود امامت کی۔ اور صبح کی نماز ادا کی گئی۔ نماز سے
کر کے سلطان نے شہیدوں کو ایک جگہ جمع کرنے کا حکم دیا۔ اور کافروں کی لاشوں کو
جنگل میں پھینکنے اور ان کے ہتھیار جمع کرنے کے احکام جاری کیے۔

بہت جلد یہ سب کام انجام دیئے گئے۔ راجپوتوں کی لاشیں جنگل میں ڈال کر ان
لکڑیاں چن کر آگ لگا دی گئی۔ اور مسلمانوں کی لاشیں جمع کر کے ان پر جنازہ کی نماز پ
انہیں دفن کر دیا گیا۔

سلطان اپنے فرودگاہ میں لوٹ گئے۔ اور سالار تاش اور امیر علی خویشاوند اپنے
کیمپوں میں چلے گئے۔

اس وقت سورج کافی اونچا ہو گیا تھا۔ اور دھوپ ہر طرف پھیل گئی تھی۔ سرا
خواتین اسلام قرآن خوانی سے فارغ ہو چکی تھیں۔ جس جگہ رات لڑائی ہوئی اس جگہ
جگہ اتنی دور تھی کہ ان عورتوں کو شبخون کی بابت کوئی اطلاع نہ ہو سکی۔

اسلامی دوشیزاؤں کا یہ دستور تھا کہ وہ تمام کاموں سے فراغت کر کے سرا
دوسری طرف دریائے عمان کی جانب ٹیلوں کی آڑ میں چلی جاتیں اور تیر اندازی اور شمشیر
کی مشق کیا کرتیں۔

چنانچہ آج بھی کمسن لڑکے اور لڑکیاں اس میدان میں گئے۔ اور تھوڑی دیر مش
کے واپس لوٹ آئے لیکن انیسہ وہیں رہ گئی تنہا۔ وہ شمشیر ہاتھ میں لیے کر آزمود
جوڑل کی طرح تلوار کے ہاتھ نکالنے لگی۔

ایک تو آفتاب کی حرارت سے دوسرے جسمانی مشقت کرنے کی وجہ سے اسے
پسینہ آ گیا۔ اور اس کے گلابی رخسار تیز شہابی ہو کر ایسے معلوم ہونے لگے۔ جیسے گلاب
پھول شبنم پڑنے سے شاداب ہو جاتے ہیں۔ اس کے لب لعلیں احمری بن گئے۔ وہ
اور کھڑی ہو کر سانس لینے لگی۔ اس کی نگاہ دریا کی طرف تھی۔ جو اس سے فاصلہ پر قدرت

ہو رہا تھا۔ اور آفتاب میں اس کا سفید پانی سانپ کی طرح بل کھاتا ہوا نہایت آہستگی
اں تھا۔

وہ بے خبری کے عالم میں شمشیر بکف کھڑی تھی۔ اس کے خوبصورت سر سے دوپٹہ کا آنچل
کی پشت پر جا پڑا تھا۔ اور زلف شبگوں اولاً اس میں ناگن بنی ہوئی جاذب نظر بن

چونکہ اس نے کافی مشق کی تھی اس لیے سانس تیزی سے چل رہی تھی اس کا سینہ عجیب
انداز پر ابھر اور دب رہا تھا۔ اور سینہ کا یہ زیر و بم قیامت ڈھا رہا تھا۔

اس نے دفعتہً کسی کی آواز سنی۔ جو کہہ رہی تھی پیاری لڑکی مجھے ایک بات بتاؤ گی۔
اس نے حیران ہو کر اس طرف نگاہ کی جس طرف سے آواز آئی تھی وہ جوگن کو اپنے سامنے
دیکھ کر حیرت و استعجاب میں غرق ہو گئی۔

یہ جوگن شوبھادیوی تھی۔ اس کے چہرہ سے عظمت و جلال ظاہر ہو رہا تھا۔ انیسہ جستہ
سے چلی اور بل کھاتی اس کی طرف بڑھی اور اس کے قریب پہنچ کر نہایت شیریں
بولی۔ آپ نے مجھے حیران کر دیا ہے۔ آپ ہندو جوگن معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن ترکی جا
ہیں یہ کیا بات ہے۔

شوبھادیوی ——— بیٹی! میں نے ترکی زبان حاصل کی ہے اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔

انیسہ ——— کیا سومنات کی اور عورتیں بھی ترکی زبان سے واقف ہیں؟

شوبھادیوی ——— نہیں۔

انیسہ ——— پھر تم نے کس سے ترکی زبان سیکھی۔

شوبھادیوی ——— پیاری بیٹی! تم بڑی فرزانہ معلوم ہوتی ہو یہ بات کہ میں نے
زبان کہاں کب اور کس سے سیکھی شاید تمہیں ایک راز معلوم ہو جائے۔

انیسہ ——— اب کیوں نہیں بتا دیتی ہو۔

شوبھادیوی ——— یہ میرا راز ہے اور میں اس راز کو اس وقت ظاہر کروں گی
جب اس کا وقت آ جائیگا۔

انیسہ ——— اور وہ وقت کب آئے گا۔

شوبھادیوی ——— جب سومنات فتح ہو جائے گا۔

انیسہ ——— کیا آپ کو یقین ہے کہ سومنات فتح ہو جائیگا۔

شوبھا دیوی ——— ہاں مجھے یقین ہے۔ آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ غازی سلطان محمود نے کسی ملک یا شہر یا قلعہ پر حملہ کیا ہو اور اسے بغیر فتح کئے چھوڑ دیا ہو۔

انیسہ ——— بیشک۔ اچھا آپ مجھ سے کیا پوچھنا چاہتی ہیں

شوبھا دیوی ——— کیا چندر موہنی کو مسلمان اٹھا لائے ہیں۔

چندر موہنی کا نام تمام مسلم عورتوں، مردوں حتیٰ کہ بچوں تک نے سنا تھا انیسہ بھی جانتی تھی۔ اس نے کہا۔ نہیں چندر موہنی کو مسلمان اٹھا کر نہیں لائے۔

شوبھا دیوی ——— اور اگر لاتے تو سراپردہ میں ہی لے کر آتے۔

انیسہ ——— بے شک۔ لیکن کیا چندر موہنی قلعہ میں سے غائب ہو گئی ہے؟

شوبھا دیوی ——— ہاں۔ نہایت پراسرار طریقہ پر۔

انیسہ ——— اور تم اس کی تلاش میں ہو۔

شوبھا دیوی ——— میں نے اسے قلعہ میں، شہر میں، مندر میں۔ غرض ہر جگہ تلاش کیا جب وہ وہاں نہیں ملی تب اسلامی لشکر میں ڈھونڈنے آئی ہوں۔

انیسہ ——— لیکن میں اطمینان دلاتی ہوں۔ وہ اسلامی لشکر میں نہیں لائی گئی۔

شوبھا دیوی ——— مجھے اطمینان ہو گیا۔ اچھا بہن خدا حافظ پھر آؤں گی اور پھر ملوں گی

شوبھا دیوی چلی گئی اور انیسہ اسے حیرت بھری نظروں سے دیکھتی رہ گئی۔

پچیسواں باب

شریر حسینہ

انیسہ شوبھا دیوی کو اس وقت تک دیکھتی رہی جب تک وہ نظر آتی رہی۔ جب وہ نظروں کی آڑ میں غائب ہو گئی تو اس نے اپنے دل میں کہا کس قدر نڈر اور جری ہے یہ جوگن بے دھڑک اسلامی لشکر میں چلی آئی۔ اس کا چہرہ کس قدر خوشنما اور پر جلال معلوم ہو رہا تھا۔ زبان کس قدر صفائی اور روانی سے بول رہی تھی۔ تلفظ کتنا درست تھا......۔ ایک غیر مسلم عورت اور ایسی شگفتگی سے بولے تعجب ہے....۔ چندر موہنی کو دریافت کرتی تھی۔ وہ غائب ہو گئی ہے۔ اس کا شبہ مسلمانوں پر ہے......۔ سنا ہے اکثر ہندو عورتیں جادوگر ہوتی ہیں....۔ کہیں یہ جادوگرنی تو نہ تھی"۔

وہ پھر خوف زدہ ہو کر دیکھنے لگی جس طرف شوبھا دیوی گئی تھی۔ لیکن اس کا پتہ نہ تھا۔ پھر اس نے خود ہی کہا "میں کس قدر ڈرپوک ہوں۔ جادو کا نام آتے ہی سے خوفزدہ ہو گئی۔ اول تو جادو کوئی چیز ہی نہیں۔ اور اگر ہے بھی تو قرآن شریف کی آیتیں اور حدیثیں پڑھنے سے زائل ہو جاتا ہے"........

وہ خیالات کے رو میں ہی جا رہی تھی۔ کہ کسی نے پکارا "انیسہ! کیا کھڑی سوچ رہی ہو"۔ وہ چونکی اور جب نگاہ اٹھا کر دیکھا تو برہان سامنے کھڑے تھے وہ شوخی سے ان کی طرف گھوم گئی۔ برہان آہستہ آہستہ اس زرفام کی طرف بڑھے۔ انیسہ کے ہاتھ میں اب بھی تلوار تھی۔ برہان نے کہا "شمشیر زنی کی مشق ہو رہی ہے"۔

انیسہ نے متبسم ہو کر کہا "جی ہاں.......۔ آپ اس وقت یہاں آ نکلے۔

برہان ——— اس سیم تن کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔ اور للچائی ہوئی نگاہوں سے اس کے رخ زیبا کو دیکھتے ہوئے بولے "اتفاقیہ آ نکلا"۔

انیسہ نے تبسم کے پھول برساتے ہوئے کہا۔ اور اتفاق دیکھئے کہ آپ ہمیشہ اتفاقاً ہی آ نکلتے ہیں۔ اس روز بھی اتفاقیہ ہی آگئے تھے جس روز۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن خیر
اس کی نازبھری چتون سے شرارت اور جوش رہا آنکھوں سے شوخی ٹپکنے لگی۔ لب لعلیں پر تبسم کھیلنے لگا۔ سرخ و سفید عارض پر حسن کی لہر دوڑ گئی۔

برہان۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس حشر بدوامان دوشیزہ کو محبت پاس نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے کہا۔ کہئے کہئے کس روز میں اتفاقیاً آ نکلا تھا۔

انیسہ ـــــ جس روز کفار نے کشتیوں کے ذریعہ سے حملہ کرنے کا قصد کیا تھا۔ وہاں حسن اتفاق سے آپ آ گئے ورنہ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

برہان ـــــ ورنہ وہ تمہیں پکڑ کر لے جاتے انیسہ۔

انیسہ ـــــ نہ صرف مجھے بلکہ تمام لڑکیوں اور ساری خواتین کو۔ سب آپ کی بہت زیادہ مشکور ہیں۔ اکثر آپ کا تذکرہ سراپردہ میں ہوتا رہتا ہے۔

برہان ـــــ مگر مجھے اس سے کیا۔

انیسہ ـــــ تب آپ کیا چاہتے ہیں۔

برہان ـــــ وہ بت سنگدل ہی میرا تذکرہ کرے جو میری خیالوں کی دنیا ہے۔

انیسہ نے ہنس کر دریافت کیا۔ اور وہ کون ہے۔

برہان ـــــ وہ تم ہو انیسہ۔ جب تک جاگتا رہتا ہوں تمہارے خیال میں محو رہتا ہوں اور جب سو جاتا ہوں تو خواب میں دیکھتا ہوں۔ انیسہ شرما گئی۔ اس کی بڑی بڑی رسیلی آنکھیں جھک گئیں۔ برہان نے کہا۔ تم تو شرما گئیں۔ اس میں شرمانے کی کیا بات تھی۔

انیسہ نے شرمیلی نظروں سے برہان کو دیکھتے ہوئے کہا۔ آپ اس قسم کا تذکرہ کیوں کرتے ہیں۔

برہان ـــــ اس لیے تاکہ تمہیں میری کیفیت معلوم ہوتی رہے۔

انیسہ ـــــ مہربانی کر کے اس قسم کا ذکر۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

برہان نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ نہ کیا کروں۔ ۔ ۔ ۔ ۔
بہت چاہتا ہوں کہ ضبط کروں حال دل نہ کہوں۔ لیکن نہیں رہا جاتا۔ مگر تم اسے پسند نہیں کرتی ہو تو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

انیسہ ـــــ اس میں پسند اور ناپسند کا سوال نہیں ہے بلکہ بدنامی کا خوف ہے۔ ۔ ۔
انیسہ نہیں چاہتی تھی کہ برہان یہ اقرار کر لے کہ وہ اپنی کیفیت کا اظہار اس پر نہ کیا کرے گا۔ چونکہ اس کو بھی دل لگاؤ تھا۔ وہ بھی اس ذکر سے محظوظ ہو جایا کرتی تھی۔ اور اسی پر کیا منحصر ہے۔ ہر لڑکی اور ہر عورت اپنی تعریف سن کر خوش ہو جایا کرتی ہے۔ اور اکثر خود غرض اور سیہ کار مرد بھولی بھالی اور معصوم لڑکیوں اور عورتوں کو ان کی تعریفیں کر کے اپنی ہوس رانیوں کا شکار بنا لیتے ہیں۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عورتیں فساد کی جڑ ہیں۔ جیسا بہادر شاہ نے جن کا تخلص ظفر تھا کہا ہے ؎

نہ ہو جہاں میں ظفر کوئی مفسد پیدا
نہ ہوں زمین و زن و زر اگر فساد کی جڑ

اگرچہ ان کا یہ مفہوم نہ تھا کہ عورت فساد کی جڑ ہے بلکہ ان کا مقصد یہ نہ تھا کہ زمین، عورت اور دولت پر فساد ہوتے ہیں۔ اگر سچ پوچھو تو مرد فسادی ہے۔ وہ خود بھی ڈوبتا ہے اور اپنے ساتھ عورت کو بھی لے ڈوبتا ہے۔ عورت معصوم ہوتی ہے۔ لیکن سیہ کار مرد اسے بھی گنہگار بنا دیتا ہے۔ عورتیں اور خصوصاً نوخیز لڑکیوں کو چاہیے۔ کہ وہ مردوں کے دام فریب میں نہ آئیں۔ مرد کو معلوم ہے کہ عورت میں سب سے بڑی کمزوری یہی ہے کہ وہ اپنی تعریف سن کر خوش ہو جاتی ہے۔ اس لیے وہ مبالغہ آمیز تعریفیں کر کے اسے مکر کے جال میں پھانس لیتا ہے۔
عورت کائنات کا دلکش پھول ہے۔ دنیا کی معصوم اور محبوب ترین ہستی ہے مرد کی دنیا کا راحت آفریں خواب ہے۔ پیکر عصمت اور مجسمہ ناز ہے۔ وہ نکہت ہے جس سے دنیا جہاں معطر ہے۔

لیکن اس کا اصلی جوہر۔ اس کی اصلی خوبصورتی اس کی عصمت ہے۔ بے عصمت عورت وہ کانٹا ہے جسے نکال کر پھینک دینا ہی بہتر ہے۔ اور عصمت مآب خاتون وہ دلکش پھول ہے جسے سر آنکھوں پر چڑھانا زیبا ہے۔

برہان نے کہا۔ بدنامی اس وقت ہو سکتی ہے جب میں تمہارا تذکرہ کسی اور سے کروں۔
انیسہ ـــــ اگر آپ دانستہ ایسا نہ کریں۔ تو نادانستگی میں ہو سکتی ہے۔
برہان ـــــ اس وقت جب میں اپنے ہوش و حواس میں نہ رہوں۔

انیسہ نے بات ٹالنے کے لیے کہا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس روز آپ نے خوب کام کیا۔ کشتی والے راجپوتوں کو کچھ بھی خبر نہ ہوئی۔ اور آپ نے ان کے لیے جال بچھا دیا۔ پھر ایسا جال جس میں سب ہی بیچارے پھنس کر رہ گئے۔

برہان ــــ اگر تم میری اس ادنیٰ خدمت کی اس قدر مداح ہو تو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

انیسہ نے شوخی سے کہا: "میں تعریف نہیں کر رہی ہوں کہیں آپ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

وہ مسکرا کر خاموش ہو گئی۔ برہان نے کہا۔ انیسہ! آخر تم کیا ہو۔

انیسہ ــــ ایک مسلم دوشیزہ ہوں۔

برہان ــــ نہیں بلکہ شوخ و شریر حسینہ ہو۔ حسین و جمیل حور ہو۔ گلشن عصمت کی عفت مآب کلی ہو۔

انیسہ ــــ آپ نے یہ نہیں پوچھا میں خاموش کھڑی کیا دیکھ رہی تھی۔

برہان ــــ دیکھ نہیں بلکہ تم کچھ سوچ رہی تھیں۔

انیسہ ــــ ہاں سوچ رہی تھی۔ مگر کیا؟

برہان ــــ یہی کہ جب شادی ہو جائے گی تو یہ آزادی۔ اور آزادانہ کود پھاند ۔ ۔ ۔

انیسہ نے برا سا منہ بنا کر کہا چھی چھی۔ کیا واہیات خیال ہوا ہے آپ کا۔

برہان ــــ پھر کیا سوچ رہی تھیں تم!

انیسہ ــــ آپ کے آنے سے چند لمحہ پہلے ایک ہندو جوگن یہاں آئی تھی۔

برہان نے متحیر ہو کر اس گل تر کی طرف دیکھ کر کہا "جوگن ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" اور وہ بھی ہندو جوگن یہاں آئی تھی۔ بچی رہنا انیسہ ان جادوگرنیوں سے وہ ضرور تمہاری فکر میں آئی ہو گی تمہیں قلعہ یا شہر میں لے جانے کے لیے اور شاید چندر موہنی سے تمہارا مقابلہ کرنے کے لیے۔

انیسہ ــــ وہ چندر موہنی ہی کا پوچھنے آئی تھی۔ راج کماری غائب ہو گئی ہے۔ اس جوگن کا خیال تھا۔ کہ مسلمان اسے اٹھا لائے ہیں۔

برہان ــــ چندر موہنی غائب ہو گئی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ کہاں جا سکتی ہے۔ اسے کون اٹھا کر لے جا سکتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

وہ کچھ سوچنے لگے۔ اور کچھ وقفہ کے بعد بولے میں سمجھ گیا۔ اس میں مہاراجہ سومنات اور ان کے مشیروں کی چال ہے۔ چندر موہنی کہیں نہیں گئی۔ وہ قصر میں ہے۔ اس کے غائب ہونے کی خبر اس لیے مشہور کی گئی ہے۔ تاکہ سلطان محمود اس کے ملنے سے ناامید ہو کر واپس لوٹ جائیں یہ ان کا فریب ہے۔ یہ ان کی چال ہے۔ لیکن اس طرح وہ مسلمانوں اور سلطان کو دھوکہ نہیں دے سکتے۔

انیسہ برہان کی صورت تک رہی تھی۔ جب وہ خاموش ہوئے تو اس نے کہا۔ آپ کا خیال درست معلوم ہوتا ہے۔ ضرور مہاراجہ سومنات نے چندر موہنی کو کہیں چھپا دیا ہے۔ اور یہ مشہور کرایا ہے کہ وہ غائب ہو گئی ہے۔ یہ بات اگر میری سمجھ میں اس وقت آ جاتی جب جوگن یہاں تھی۔ تو میں اس سے کہہ دیتی۔

برہان ــــ اس سے مہاراجہ کے دو مقاصد معلوم ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ مسلمان سن کر واپس لوٹ جائیں۔ اور دوسرا یہ کہ راجپوتوں میں چندر موہنی کی گم شدگی کی خبر مشہور کر کے اور انہیں یہ کہہ کر کہ مسلمان اسے پکڑ کر لے گئے۔ ان میں جوش و غضب پیدا کرا دینا تاکہ وہ ٹوٹ کر لڑیں۔

انیسہ ــــ آپ کے دونوں خیال درست ہیں۔

برہان ــــ مجھے خوف ہے کہیں راجپوت اچانک مسلمانوں پر نہ آ پڑیں۔

برہان کو شبخون کا واقعہ معلوم نہ ہوا تھا۔ وہ سمندر کے کنارے پر اتنے فاصلہ پر مقیم تھے کہ جنگ کا شور بھی ان تک نہ پہنچ سکا تھا۔ انہوں نے کہا۔ انیسہ اب دھوپ تیز ہو گئی ہے تم واپس سراپردہ میں جاؤ۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ تنہا نہ آیا کرو۔ لیکن تم نہیں سمجھتی ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی فساد پڑ جائے۔

انیسہ ــــ اب میں زیادہ دور نہیں جاتی ہوں۔ آئندہ اور بھی احتیاط رکھوں گی۔

وہ سراپردہ کی طرف چل پڑی۔ برہان اسے دیکھتے رہے۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ تو وہ بھی ساحل سمندر کی طرف چل پڑے۔

دھرم پال کی گرفتاری

راجپوتوں کا شبخون ناکامیاب رہا تھا۔ انہیں زبردست ہزیمت ہوئی تھی۔ ہزاروں راجپوت قتل و زخمی ہو گئے تھے۔ ہزاروں جنگل میں گھس کر بھاگ گئے تھے۔ بہت کم سپاہی ایسے تھے۔ جو صحیح اور سالم قلعہ میں واپس آئے تھے۔ ان میں سکھدیو بھی تھا۔

سکھدیو جنگ میں شریک ہی نہیں ہوا تھا کیونکہ جب وہ دہرم پال سے گفتگو کر کے بڑھا تو مسلمانوں نے اچانک راجپوتوں پر حملہ کر کے انہیں نرغہ میں لے لیا تھا۔ اور اسی لیئے سکھدیو مسلمانوں سے اس طرف قلعہ کی جانب خاموش کھڑا ہو کر جنگ گاہ کی طرف دیکھنے کی ناکام کوشش کرتا رہا تھا۔

جب چاند نکل آیا تھا تو وہ چاندنی میں ہولناک جنگ ہوتے دیکھتا رہا۔ اور جب صبح کے وقت راجپوت شکست کھا کر تتر بتر ہوئے تو سب سے پہلے وہی بھاگ کر قلعہ میں داخل ہوا تھا۔ اور اس نے ہی ان قلعہ والوں کو جو جاگ رہے تھے۔ اور شبخون کا نتیجہ معلوم کرنے کے منتظر تھے۔ یہ بد خبر سنائی تھی کہ راجپوتوں کو شکست فاش ہوئی۔ مسلمان کامیاب ہوئے اور شبخون ناکامی پر ختم ہو گیا۔

اس خبر کو سن کر راجپوتوں میں مایوسی کی لہر دوڑ گئی۔ ان کے دلوں پر مسلمانوں کی ہیبت طاری ہو گئی۔ اور وہ یہ سمجھ گئے کہ اگر جنگ کا یہی حال رہا تو مسلمان ضرور ایک دن سومنات کے قلعہ، شہر اور مندر پر قابض ہو جائیں گے۔

جب دن نکل آیا تو مہاراجہ سومنات قصر سے برآمد ہو کر دربار خاص کے کمرہ میں آ بیٹھے انہیں راجپوتوں کی ہزیمت کا حال ابھی تک معلوم نہیں ہوا تھا۔ وہ خوشخبری سننے کے منتظر تھے۔ کہ سکھدیو آیا اور نہایت ادب اور تعظیم سے سلام کر کے بیٹھ گیا۔

مہاراجہ نے اس کی صورت دیکھی۔ اس کے چہرہ سے مایوسی اور رنج و غصہ کی علامتیں ظاہر ہو رہی تھیں۔ مہاراجہ نے بھانپ لیا کہ معاملہ شاید نوع دگر ہو گیا ہے۔ انہوں نے دریافت کیا۔ کہیے شبخون کا کیا حشر ہوا۔

سکھدیو گویا بھرا بیٹھا تھا۔ اس نے کہا۔ ناکامی ہوئی راجپوتوں کو شکست فاش اٹھانی پڑی۔

مہاراجہ کو اس خبر کے سننے سے ملال ہوا۔ انہوں نے افسوس کرتے ہوئے کہا۔ کس قدر افسوسناک امر ہے کہ مہادیو سومنات جی دیکھ رہے ہیں کہ پاپی ملیکش ان کے پوتر (پاک استھان (جگہ) کو نجس کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ ان کے پجاریوں کو قتل و برباد کر رہے ہیں لیکن وہ ان کا ناس نہیں کرتے۔ اپنے سیوکوں کو ان کے ظالم ہاتھوں سے نہیں بچاتے . . . . ہاں کس قدر لشکر نے شبخون مارا تھا۔

سکھدیو ——— بیس ہزار راجپوتوں نے حملہ کیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ ہمارا خونخوار لشکر

لشکر مسلمانوں کو پیس کر رکھ دے گا۔ لیکن افسوس یہ تمام لشکر تباہ ہو گیا۔

مہاراجہ کو بڑی صدمہ ہوا۔ انہوں نے کہا۔ بیس ہزار راجپوت تباہ و برباد ہو گئے۔ اتنی عظیم تعداد فنا ہو گئی۔ یہ کیسے ہوا . . . .

سکھدیو ——— اب اگر میں یہ بیان کروں کہ شبخون کیوں ناکامیاب ہوا۔ اتنا عظیم الشان لشکر کیسے برباد ہو گیا۔ تو شاید حضور کو یقین نہ آئے گا۔

سکھدیو کو دھرم پال سے کد ہو گئی تھی۔ یہ عداوت اس وقت سے اور بھی بڑھ گئی تھی جب سے اسے معلوم ہوا تھا کہ دھرم پال نے چندر موہنی سے اس کے عقد کی مخالفت کر کے شادی کے معاملہ کو کھٹائی میں ڈلوا دیا ہے۔ وہ اب تک اس دشمنی کو دل میں لیے رہا اور آج اس مخاصمت کو نکالنے پر آمادہ ہو گیا۔

مہاراجہ نے دریافت کیا۔ مجھے یقین کیوں نہ آئے گا کیا میں نہیں جانتا کہ تم ملک و قوم کے بہی خواہ ہو۔ سومنات جی کے پجاری ہو میرے اور میری قوم کے خیر اندیش ہو۔

سکھدیو ——— یہ درست ہے۔ حضور یہ سب باتیں جانتے ہیں۔ لیکن جن کی شکایت میں کرنے لگا ہوں۔ شاید آپ . . . . . . ایک لفظ بھی ان کے خلاف سننا پسند نہ کریں گے

مہاراجہ کو ملال بھی تھا اور غصہ بھی۔ انہوں نے کہا۔ تم کہو سب کچھ کہو۔ میں سنوں گا۔ . . . . میں سننا چاہتا ہوں کس نے غداری کی۔ کس نے ہندو جاتی کو نقصان پہنچایا۔

سکھدیو ——— تو سنیئے۔ انہوں سے غداری کی کبھی امید نہیں کی جا سکتی۔ جو ملک و قوم کے بہی خواہ سمجھے جاتے ہیں۔ جن کا احترام نہ صرف حضور ہی کرتے ہیں۔ بلکہ ساری ہندو قوم ان کی تعظیم کرتی ہے۔

مہاراجہ ——— معموں بی باتیں نہ کرو۔ صاف صاف کہو وہ کون ہے۔

سکھدیو ——— وہ دھرم پال ہیں۔ مہا گرو جی . . . .

مہاراجہ کی آنکھیں اور منہ فرط حیرت سے کھلے رہ گئے۔ چند لمحے تو ان کی باتیں کرنے کی قوت ہی جاتی رہی۔ کچھ توقف کے بعد انہوں نے حیرت بھرے لہجہ میں کہا۔ کیا دھرم پال نے غداری کی؟

سکھدیو ——— میں سنی ہوئی باتوں پر یقین نہیں کرتا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے اسلامی لشکر کی طرف سے آتے ہوئے دیکھا . . . .

مہاراجہ ــــــ وہ اسلامی لشکر میں کیوں گئے تھے۔

سکھدیو ــــــ مسلمانوں کو شب خون کی اطلاع دینے۔ اور ان کا کیا کام ہو سکتا تھا۔ دیکھئے حضور کو یقین نہیں آیا۔ میں نے پہلے ہی اس بات کو کہا تھا۔

مہاراجہ ــــــ یقین آنے والی بات ہی نہیں ہے۔ اگر انہوں نے ایسا کیا۔ تو گویا خود میں نے ایسا کیا۔ صرف میں ہی نہیں بلکہ ساری قوم ان کا احترام کرتی ہے۔ وہ ہندوؤں کے ہمدرد اور ہندوستان کے بہی خواہ ہیں۔ وہ ہرگز ایسا نہیں کر سکتے۔

سکھدیو نے مسکرا کر کہا۔ لیکن انہوں نے ضرور ایسا کیا۔ آپ بلا کر دریافت کر لیں۔ وہ سچ بولتے ہیں ممکن ہے اقبال کر لیں۔

مہاراجہ ــــــ میں ابھی انہیں بلواتا ہوں۔

مہاراجہ نے دستک دی۔ ایک چوبدار حاضر ہوا۔ مہاراجہ نے کہا۔ مہا گرو جی کو حاضر کرو۔

چوبدار چلا گیا۔ سکھدیو نے کہا۔ ان داتا کو یاد ہو گا کہ جب شب خون مارنے کی تجویز کی جا رہی تھی تو گرو جی نے مخالفت کی تھی۔

سکھدیو ــــــ اور یہ بات بھی حضور نے سنی ہو گی کہ جب راجکماری مہا گرو جی سے ملنے گئی تھی تو دو تین گرو جی سے ملنے آئے تھے۔

مہاراجہ ــــــ یہ بھی سنا تھا۔

سکھدیو ــــــ اور گرو جی نے راجکماری کو شکست سلطان کے حوالے کر دینے کا مشورہ بھی دیا تھا۔

مہاراجہ ــــــ بیشک مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ انہوں نے ایسا مشورہ دیا تھا۔

سکھدیو ــــــ کیا ان تمام باتوں کو ملا کر غور کرنے سے یہ بات واضح نہیں ہو جاتی ہے کہ وہ دشمنوں سے سازش کئے ہوئے ہیں۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا۔ کہ راجکماری کو غائب کرنے میں بھی ان کا ہی ہاتھ ہے۔

مہاراجہ ــــــ تم نے سچ کہا سکھدیو! اس وقت کی تمہاری گفتگو سے میرے دل اور آنکھوں پر پڑا ہوا پردہ اٹھ گیا ہے۔ میں اب تک مغالطہ میں رہا۔ میں نے انہیں...

... اس وقت چوبدار نے حاضر ہو کر مہا گرو جی کی باریابی کی اطلاع دی۔ مہاراج نے انہیں حاضر ہونے کی اجازت دے دی۔ دھرم پال نے آ کر سلام کیا۔ انہوں نے پہلے ہی

نظر میں پہچان لیا۔ کہ مہاراج کے تیور بدلے ہوئے ہیں۔ وہ ایک طرف بیٹھ گئے۔ سکھدیو نے دھرم پال سے مخاطب ہو کر کہا۔ گرو جی مہاراجہ! آپ ہمیشہ سچ بولتے رہے ہیں۔ یقین ہے جو کچھ کہوں گا۔ آپ سچ سچ جواب دیں گے

دھرم پال ــــــ مجھے جھوٹ سے سخت نفرت ہے۔ ہمیشہ سچ بولتا رہا ہوں آئندہ بھی سچ بولوں گا۔

سکھدیو ــــــ آپ رات اسلامی لشکر میں گئے تھے۔

دھرم پال ــــــ ہاں گیا تھا۔

مہاراج چونک پڑا۔ اور حیرت سے دھرم پال کو دیکھنے لگے۔ لیکن دھرم پال نے ان کی یہ کیفیت نہیں دیکھی۔ وہ سکھدیو کی طرف دیکھ رہے تھے۔ سکھدیو نے کہا۔ اور آپ نے مسلمانوں کو راجپوتوں کے شب خون مارنے کی اطلاع دی۔

دھرم پال نے دلیری سے کہا۔ جی ہاں میں نے انہیں اطلاع دی مہاراجہ کو سخت ناگوار گذرا۔ انہیں غصہ آ گیا۔ انہوں نے غضب ناک لہجہ میں کہا۔ آپ نے اطلاع دی۔ آپ نے غداری کی۔

دھرم پال ــــــ بیشک میں نے ایسا کیا۔ میں شب خون مارنے کو اس لیے ناپسند کرتا تھا کہ یہ بزدلی کی بات تھی۔ راجپوت اس دغابازی کی جنگ کو کبھی پسند نہیں کرتا۔

مہاراج ــــــ لیکن لڑائی میں دھوکہ دینا اور فریب کرنا ہر مذہب میں جائز و درست ہے۔

دھرم پال ــــــ مگر بہادر آدمی اسے کبھی پسند نہیں کر سکتا۔

مہاراج ــــــ افسوس گرو جی! تم نے بیس ہزار راجپوتوں کو برباد کرا کے قوم کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا دیا........ لیکن میں آپ کی اس نازیبا حرکت اور ناقابل معافی قصور سے چشم پوشی کر لوں گا۔ بشرطیکہ آپ چندر موہنی کو مجھے دے دیں۔

دھرم پال ــــــ مگر چندر موہنی میرے پاس ہے کہاں۔

مہاراج ــــــ اسے آپ نے غائب کرایا ہے۔ آپ ہی کا یہ کام ہے کہ اسے میرے پاس لے آئیں۔

دھرم پال ــــــ یہ بالکل جھوٹ ہے۔ کہ چندر موہنی کو میں نے غائب کرایا۔ آپ نہیں جانتے کہ مجھے اس سے کیوں اور کس قدر محبت ہے۔ میرے خیال میں اس کے راز کھلنے کا وقت آ گیا ہے..........

مہاراجہ —— آپ راز کھلنے کی دھمکی دے کر مجھے چپ رہنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ اگر ضرورت پڑی تو میں خود ہی ایک دن اس راز کو سب پر ظاہر کر دوں گا.......

دھرم پال —— لیکن آپ جس راز کو سمجھے ہیں اس کی طرف اشارہ نہیں کر رہا ہوں۔ میں اپنے متعلق کہہ رہا ہوں۔ میری ذات سے بھی ایک راز تعلق رکھتا ہے۔

مہاراجہ —— مجھے آپ کے راز سے کوئی سروکار نہیں۔ میں چندر موہنی کو چاہتا ہوں اسے میرے حوالے کر دیجئے۔

دھرم پال —— میں سچ کہتا ہوں کہ چندر موہنی میرے پاس نہیں ہے میں سراغ لگا رہا ہوں کہ اسے کس نے غائب کیا ہے۔

مہاراجہ —— تو گرو جی آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں آپ کے ساتھ سختی کروں؟

دھرم پال —— میرے ساتھ سختی کرنا ملک اور قوم کو تباہ کر دے گا۔

مہاراجہ —— آپ دھمکیاں دینے لگے ہیں.........

مہاراجہ کو طیش آ گیا۔ انہوں نے دستک دی۔ چوبدار حاضر ہوا۔ مہاراجہ نے کہا۔ چند سپاہیوں کو بلاؤ۔

چوبدار چلا گیا۔ دھرم پال نے کہا۔ دیکھئے غصہ برا ہوتا ہے۔ غضبناک ہو کر ایسی حرکت نہ کیجئے جس سے بعد میں پچھتانا پڑے۔

مہاراجہ —— میں جو کچھ کر رہا ہوں۔ اسے خوب سمجھتا ہوں۔

اسی وقت چند سپاہی حاضر ہوئے مہاراجہ نے حکم دیا کہ گرو جی دھرم پال کو گرفتار کر لو۔

سپاہی دھرم پال کو گرفتار کرنے کے لیے بڑھے۔ سکھ دیال کی آنکھوں سے فتح مندانہ مسکراہٹ کی چمک ظاہر ہوئی۔ دھرم پال نے دیکھ لیا۔ انہوں نے کہا۔ سکھ دیال تم نے آج فساد کا جو بیج بویا ہے وہ زہریلا پھل لائے گا۔ سومنات تباہ ہو جائے گا۔ میں اس فکر میں تھا کہ صلح و آشتی ہو جائے ملک برباد نہ ہو لیکن.........

مہاراجہ نے غصہ بھرے لہجہ میں کہا۔ جو کچھ ہونا ہے ہو کر رہے گا۔ لیکن ایک غدار کو اس کی غداری کی سزا ضرور دی جائے گی۔

دھرم پال نے سنجیدگی سے کہا۔ اب میں ایک لفظ بھی نہ کہوں گا۔ لیکن میری بے گناہی ضرور ایک دن ظاہر ہو کر رہے گی۔
مہاراجہ نے سپاہیوں کو کچھ اشارہ کیا۔ اور وہ دھرم پال کو پابہ جولاں کر کے لے گئے۔

اکیسواں باب

ایک مخبر سادھو

جب امیر برہان کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ تو وہ بندرگاہ کی طرف اپنے دستر کی جانب روانہ ہوئے۔ وہ سوچتے جاتے تھے کہ کیا واقعی چندر موہنی غائب ہو گئی ہے یا مہاراجہ نے اسے چھپا لیا ہے۔ اور اعلیٰ حضرت غازی الملت عالم پناہ سلطان محمود کو دھوکہ میں ڈالنے کے لیے یہ بات مشہور کی ہے۔

ان کا دل یہ گواہی دیتا تھا کہ وہ غائب نہیں ہوئی بلکہ اس کی مفقود الخبری کی خبر غلط اڑائی ہے۔

اسی غور و خوض میں وہ سمندر کے ساحل پر جا پہنچے۔ لیکن وہ کچھ ایسے خیالات میں محو ہو رہے تھے کہ انہیں خبر ہی نہ ہوئی کہ کس طرف نکل آئے ہیں۔

خدا جانے وہ کب تک اور غریق خیال رہتے۔ کہ انہوں نے ایسی آواز سنی جیسے کوئی پانی میں تیر رہا ہے۔ اس آواز کے سنتے سے ان کا سلسلہ خیال ٹوٹ گیا۔ اور انہوں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا۔

سامنے سمندر تھا۔ نیلگوں پانی حد نگاہ تک پھیلا ہوا تھا۔ انہوں نے دل میں کہا کیا غلطی کی ہے میں نے۔ یہ میں کہاں چلا آیا......... دشمنوں کے عین سامنے۔ اگر وہ دیکھ کر گرفتار کر لیں تو...... اور حملہ کر دیں۔ کرنے دو۔ جہاد ہی تو کرنے کے لیے میں آیا ہوں۔ شہادت میری عین تمنا ہے.... لیکن تیرنے کی آواز کس کی آئی تھی۔

انہوں نے پھر نگاہ اٹھا کر ادھر ادھر دیکھا۔ بائیں جانب قصر شاہی کے دو بڑے برج تھے جو ان سے قدرے فاصلہ پر تھے۔ دونوں برج سمندر میں واقع تھے۔ بحر بیکراں کا پانی برجوں کی پابوسی کر رہا تھا۔

کی پا بوسی کر رہا تھا۔

ان دونوں برجوں میں تقریباً ساٹھ گز کا فاصلہ تھا۔ اور اس درمیانی فاصلے میں سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ ہر سیڑھی نو فٹ چوڑی تھی۔

برہان سمجھ گئے کہ قلعہ یا قصر شاہی سے آنے والوں کے لیے برج بنائے گئے ہیں اور سیڑھیاں اس لیے ہیں تا کہ جب کشتی یا جہاز میں کوئی سوار ہونا چاہے۔ تو ان سیڑھیوں کے ذریعے سے پانی تک پہنچ جائے۔

دونوں برجوں کے متصل سیڑھیوں کے اختتام پر نارئیل کے درختوں کے جھنڈ تھے۔ اس طرف کشتیاں اور جہاز سمندر میں پڑے ہوئے تھے۔ اور راجپوت ان کی حفاظت کر رہے تھے۔ لیکن ان سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک جٹا دھاری سادھو پانی سے نکل کر ساحل پر آنے کی کوشش کر رہا تھا۔ انہوں نے حیرت سے سادھو کو دیکھا۔

ابھی وہ اسے دیکھ ہی رہے تھے۔ کہ پانی کی زبردست موج نے سادھو کو ساحل سے دور سمندر میں پھینک دیا۔

برہان کی نگاہ سادھو کی طرف تھی۔ مطلع صاف تھا۔ اور سورج نہایت تیزی سے چمک رہا تھا۔ قدرے ہوا چل رہی تھی۔ سمندر میں موجیں اٹھ رہی تھیں اور بڑھ بڑھ کر ساحل سے ٹکرا رہی تھیں۔

برہان نے دیکھا کہ سادھو پھر اپنی پوری قوت سے تیرتا ان کی طرف بڑھا چلا آ رہا ہے۔ جب وہ کنارے سے آ لگا تو پھر موج نے اسے ہٹا دیا۔ برہان سمجھ گئے کہ سادھو کی طاقت جواب دے چکی ہے اگر پھر کوئی لہر کھینچ کر اسے سمندر میں لے گئی تو وہ ڈوب جائے گا۔

انہوں نے جلدی سے اپنا عمامہ اتار کر آواز دی "خبردار! گھبراؤ نہیں۔ لو میرا عمامہ پکڑ لو"۔

یہ کہتے ہی انہوں نے عمامہ پھینکا۔ اتفاق سے اس کا پلہ سادھو تک پہنچ گیا۔ جسے اس نے جلدی سے پکڑ لیا۔ اور اس کے سہارے سے ساحل پہ آ گیا۔

جب وہ سمندر سے نکل کر کھڑا ہوا تو پانی میں تر تھا۔ اس نے مشکور نظروں سے برہان کو دیکھتے ہوئے ترکی زبان میں کہا "آپ کا بے حد شکر گزار ہوں۔ آج آپکی وجہ سے میری جان بچ گئی"۔

برہان نے حیرت ناک نظروں سے دیکھ کر کہا شکریہ کی ضرورت نہیں۔ انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ انسان کو بچانے کی کوشش کرے۔ لیکن تم ترکی زبان کیسے جانتے ہو؟

سادھو۔۔۔۔ اس کی نہ پوچھو۔ ہم سادھو ہیں۔ اکثر زبانیں جانتے ہیں تمہارا نام کیا ہے جوان؟

برہان۔۔۔۔ مجھے برہان کہتے ہیں۔

سادھو۔۔۔۔ آپ کوئی افسر معلوم ہوتے ہیں۔

برہان۔۔۔۔ ہاں ایک دستہ میرے تحت بھی ہے۔

سادھو۔۔۔۔ میں ایسے ہی شخص کی تلاش میں تھا۔ سنو! میں سلطان تک ایک خبر پہنچانا چاہتا ہوں۔ کیا آپ اقرار کرتے ہیں۔ کہ جو میں آپ سے کہوں گا آپ سلطان تک پہنچا دیں گے۔؟

برہان کی حیرت بڑھتی جاتی تھی۔ انہوں نے کہا۔ اطمینان رکھو۔ جو کچھ تم کہو گے میں سلطان تک پہنچا دوں گا۔

سادھو۔۔۔۔ تم ان سے کہہ دو کہ دھرم پال کو مہاراجہ نے قید کر دیا ہے۔ برہان کو یہ بات سن کر بڑا رنج ہوا۔ انہوں نے کہا۔ دھرم پال کو قید کر دیا۔ کیوں؟

سادھو۔۔۔۔ ان پہ مسلمانوں سے ساز باز کرنے کا الزام لگایا گیا ہے۔ اندیشہ ہے کہیں انہیں قتل نہ کر دیا جائے۔

برہان۔۔۔۔ غالباً تم یہ چاہتے ہو کہ سلطان حملے میں عجلت کریں۔

سادھو۔۔۔۔ ہاں میرا یہی مطلب ہے حملے کی سختی کو دیکھ کر راجپوت اور مہاراجہ سب لڑائی کی طرف متوجہ رہیں گے۔ دھرم پال کے متعلق کوئی فیصلہ جلد نہ کر سکیں گے۔

برہان۔۔۔۔ یقین ہے سلطان اس خبر کو سنتے ہی سختی سے حملہ کر دیں گے۔

سادھو۔۔۔۔ اب آپ مجھ پر حملہ کریں تا کہ وہ راجپوت جو مجھے اور آپ کو باتیں کرتے دیکھ رہے ہیں مشکوک ہو کر مجھے بھی گرفتار نہ کر لیں۔

برہان۔۔۔۔ لیکن تم اب قلعہ میں جاتے ہی کیوں ہو۔

سادھو۔۔۔۔ میرا واپس جانا ضروری ہے۔ میں دھرم پال کی رہائی کی فکر میں ہوں۔

برہان۔۔۔۔ اچھا ایک بات اور بتا دیجیے۔

سادھو —— کیا؟

برہان —— کیا چندر موہنی غائب ہو گئی ہے؟

سادھو —— ہاں پر اسرار طریقہ پر غائب ہو گئی ہے۔ تمام راجپوتوں کا یہ خیال ہے کہ اسے اٹھا کر لے گئے ہیں۔

برہان —— لیکن وہ اسلامی لشکر میں نہیں لائی گئی۔

سادھو —— مجھے اور دھرمپال جی کو اس کا یقین پہلے ہی سے ہے۔ اچھا اب آپ پر حملہ کریں۔

برہان نے تلوار کھینچ لی۔ سادھو زقند لگا کر پیچھے کودا۔ برہان نے بڑھ کر تلوار کا ہاتھ مارا۔ سادھو پینترا بدل کر پھر کودا، اور سمندر میں جا پڑا۔ برہان نے بھی پائینچے چڑھائے۔ اور کچھ دور تک پانی میں بڑھے۔ لیکن اس عرصہ میں سادھو تیر کر دور تک نکل گیا۔ اور برہان بلند آواز سے کہتے جھکتے پانی سے نکل آئے۔ اور اپنے لشکر کی طرف پہنچے۔

اب وہ دھرمپال کے قید ہو جانے کے متعلق سوچنے لگے۔ سوچتے ہوئے چلے جا رہے تھے۔ کہ کسی نے پکارا۔ خوب آپ اس طرف سے کہاں سے آ رہے ہو۔

برہان چونک پڑے۔ انہوں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ تو ہارون سامنے کھڑے مسکرا رہے تھے۔ برہان نے کہا۔ دوست آج عجیب باتیں معلوم ہوئی ہیں۔

ہارون —— میں باتیں پھر سنوں گا پہلے یہ بتاؤ کہ صبح سے تھے کہاں؟

برہان —— میں ذرا سرپردہ کی طرف چلا گیا تھا۔۔۔۔۔۔

ہارون نے ہنس کر کہا۔ اللہ رے اضطرا۔ اللہ رے شوق دیدار ضبط نہ ہوا۔ اچھا دیدار بھی ہوا یا نہیں۔

برہان —— ہوا۔ دوست آپ کے لیے ایک کیا دو خبریں لایا ہوں پہلی تو یہ کہ چندر موہنی قصر شاہی سے غائب ہو گئی۔

ہارون کو یہ سن کر ملال ہوا۔ انہوں نے پوچھا۔ کچھ معلوم ہوا کہاں گئی۔

برہان نے انیس کے جوگن سے ملنے اور جوگن کے باتیں کرنے کی تمام روئیداد سنادی۔ ہارون غور سے سنتے رہے۔ انہوں نے کہا۔ میں سمجھ گیا۔ چندر موہنی کو سکھدیو نے غائب کیا ہے۔

برہان نے چندر موہنی جتنے خیالات قائم کئے تھے۔ ہارون کا خیال ان سب سے جدا تھا۔ انہوں نے پوچھا۔ آپ کا یہ خیال کیوں ہے۔

ہارون —— سکھدیو کو غالباً یہ خیال ہوا کہ چندر موہنی کی شادی اس کے ساتھ نہ ہوگی۔ اس کی وجہ کچھ بھی ہو لیکن اسے غائب کس مکار نے کیا ہے۔ میں اس سے نمٹ لوں گا۔ اسے چندر موہنی کو دینا ہو گا۔ ورنہ اس کا سر کچل ڈالوں گا۔

ہارون کا چہرہ جوش سے سرخ ہو گیا۔ فرط غیظ سے آنکھوں سے چنگاریاں جھڑنے لگیں۔ برہان نے کہا۔ طبیعت پر قابو حاصل کیجئے۔ ضبط ہر حالت میں اچھا ہوتا ہے۔

ہارون —— برہان میں ضبط کروں گا۔ اچھا دوسری خبر کیا ہے۔

برہان —— مہاراجہ نے دھرمپال کو مسلمانوں سے سازش کرنے کے الزام میں گرفتار کیا ہے۔

اس کے بعد برہان نے سادھو کی تمام گفتگو سنادی۔ اب ہارون کو فکر و تشویش ہوئی۔ انہوں نے کہا۔ یہ برا ہوا۔ بہت برا ہوا۔ ہمیں فوراً یہ خبر سلطان کے گوش گذار کرنی چاہیئے۔

برہان —— میں اسی لیے آپ کے پاس آیا ہوں۔

ہارون —— بس تو ایک لمحہ ضائع نہ کرو۔ فوراً چلو۔ کیا تیار ہو؟

برہان —— آؤ ابھی چلیں۔

دونوں دوست اسی وقت شاہی لشکر کی طرف روانہ ہو گئے۔

سلطانی احکامات

ہارون اور برہان دونوں شاہی خیمہ کے سامنے جا کر رکے۔ انہیں دیکھتے ہی خیمہ کے محافظ دستہ نے سلام کیا اور اس دستہ کے افسر نے بڑھ کر کہا۔ آپ کو جہاں پناہ یاد فرما رہے تھے۔

ہارون —— میں حاضر ہو گیا ہوں۔ اعلیٰ حضرت سے اطلاع کر دو۔ افسر خیمہ کی طرف بڑھا ہارون نے اسے روک کر پوچھا۔ کیا اس وقت جہاں پناہ تنہا ہیں۔

افسر —— تنہا نہیں ہیں۔ بلکہ التونتاش اور امیر علی خویشاوند بھی موجود ہیں۔

ہارون —— یہ دونوں کب آئے ہیں؟

افسر —— ابھی، آپ کے تشریف لانے سے چند لمحے ہی پہلے۔

ہارون —— اچھا تم اطلاع کرو۔

افسر خیمہ کے اندر داخل ہوا اور تھوڑی دیر کے بعد آکر بولا۔ چلیے جہاں پناہ آپ کے منتظر ہیں

ہارون اور برہان دونوں عالیشان خیمہ میں داخل ہوئے۔ اس خیمہ میں چاروں طرف کشادہ برآمدے تھے۔ اور برآمدوں کے درمیان نہایت وسیع اور خوشنما ہال تھا۔ جب یہ دونوں دوست برآمدہ کو طے کر کے ہال میں پہنچے۔ تو ان کی نگاہیں سلطان پر پڑیں اس وقت سلطان کے چہرہ سے غیظ و غضب کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ جوش و جلال ٹپک رہا تھا۔ یہ دونوں نہایت ادب سے سلام کر کے ایک طرف خاموشی سے بیٹھ گئے۔

سلطان نے سلام کا جواب کچھ سرسری طور پر دیا۔ ہارون نے دیکھا کہ سلطان کے سامنے وہی بدرنگا خط کھلا پڑا ہے جسے وہ ایک مرتبہ پہلے بھی دیکھ چکے ہیں۔ اور جس کے متعلق سلطان نے فرمایا تھا کہ اس خط سے وابستہ کوئی راز ہے۔

ہارون کو حیرت ہوئی کہ یہ خط کس کا ہے اس سے کیا تعلق ہے سلطان اسے اکثر کیوں سامنے کھول کر رکھ لیتے ہیں۔

ابھی وہ یہ سوچ ہی رہے تھے۔ کہ سلطان نے سر اٹھا کر کہا۔ تمہیں معلوم ہوا ہارون! کہ چندر موہنی قلعہ کے اندر سے غائب کر دی گئی ہے۔

ہارون نے سر جھکائے ہوئے جواب دیا۔ عالم پناہ میں نے بھی ابھی سنا ہے اور اطلاع دینے اس وقت حاضر خدمت اقدس ہوا ہوں۔

سلطان —— تو تمہیں بھی یہ بات معلوم ہو گئی۔ تم نے کس سے سنا؟

ہارون —— اپنے دوست برہان سے۔

سلطان نے برہان سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ تمہیں برہان کس سے معلوم ہوا۔؟

اب برہان پس و پیش میں پڑ گئے انہوں نے پہلی مرتبہ چندر موہنی کی گمشدگی کا حال انیسہ کی زبان سے سنا تھا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ انیسہ کا ذکر کریں۔ لیکن جھوٹ بھی نہیں بول سکتے تھے وہ کچھ غوطے میں آ گئے۔

سلطان ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے چند لمحے انتظار کرنے کے بعد کہا۔ کیا تم اس کا نام لینا نہیں چاہتے جس سے یہ ذکر سنا ہے۔

التونتاش وہاں موجود تھے۔ اور انیسہ التونتاش کی چہیتی بیٹی تھی۔ وہ کیسے اس کا نام لے لیتے لیکن سلطان دریافت کر رہے تھے۔ اور نام بتانا ضروری تھا۔ انہوں نے کہا۔ عالم پناہ مجھے بتانے میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ جہاں پناہ نے سنا ہو گا۔ کہ ایک شب کو میں سراپردہ کے طرف دریائے جمنا کے کنارہ پر جا نکلا تھا۔ ادھر سے کشتیاں آ رہی تھیں میں نے دیکھ لیا تھا۔

سلطان نے کہا۔ "ہاں ہم یہ روئیداد سن چکے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس وقت ایک لڑکی بھی دریا کے کنارہ پر موجود تھی۔

برہان —— جہاں پناہ نے درست سنا تھا جب سے وہ واقعہ پیش آیا تھا میں اکثر جب ہی مجھے شائع ملتا ہے سراپردہ کے دوسری جانب نکل جاتا ہوں۔ اتفاق سے آج بھی گیا۔ دیکھا تو وہی لڑکی جو اس شب کو دریا کے کنارہ پر کھڑی ملی تھی جب میں نے کشتیاں اور راجپوتوں کو گرفتار کرایا تھا۔ کچھ سراسیمہ اور پریشان وہاں کھڑی تھی۔ ...... میں نے اس سے دریافت کیا کیا واقعہ ہوا وہ کیوں متعجب اور پریشان ہے تو اس نے بتایا کہ ابھی ایک جوگن وہاں آئی تھی ....

سلطان —— کیا ہندو جوگن؟

برہان —— جی ہاں ہندو جوگن اس نے انیسہ .... اس لڑکی کو بتایا۔

برہان کی زبان سے اتفاقیہ انیسہ کا نام نکل گیا۔ التونتاش نے چونک کر برہان کو دیکھا۔ سلطان نے پوچھا۔ کیا اس لڑکی کا نام انیسہ ہے؟

برہان —— جی ہاں یہی نام بتایا تھا مجھے۔

سلطان —— تم شاید نہیں جانتے کہ انیسہ کس کی لڑکی ہے ہم بتاتے ہیں۔ ہم بتاتے ہیں سنو۔ انیسہ التونتاش کی بیٹی ہے۔

برہان خود اس بات سے واقف تھے۔ انہوں نے کہا۔ جی انیسہ سے جوگن نے کہا کہ چندر موہنی قلعہ کے اندر اور قصر شاہی کے درمیان سے پراسرار طریقہ سے غائب ہو گئی ہے وہ اس کی تلاش میں آئی تھی ....

سلطان —— جوگن وہی خاتون ہو گی۔ ضرور وہی ہو گی۔ میرا دل گواہی دیتا ہے۔

برہان اور ہارون دونوں حیران رہ گئے۔ ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ سلطان کس خاتون کا ذکر کر رہے ہیں اور جوگن اور خاتون .... یہ کیسے ممکن ہے خاتون

کوئی مسلمان عورت ہو سکتی ہے۔ اور جوگن ہندو استری۔ وہ یہ سوچ ہی رہے تھے کہ
سلطان نے جوش میں آکر کہا۔ کاش اسے روک لیا جاتا۔ اس جانب کوئی خبر کر د...
ہارون نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ عالم پناہ! وہ کون خاتون تھی۔ سلطان سنبھل کر...
"تم نہیں جانتے ہارون! سومنات کی فتح پر ایک راز کھلے گا جس کا کئی شخصیتوں سے تعلق
ہے اور جسے سن کر سننے والے حیران رہ جائیں گے۔ یہ خط تم دیکھ رہے ہو؟"
سلطان نے اسی بدرنگ کاغذ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ جسے ہارون نے...
دوسری مرتبہ دیکھا تھا۔ ہارون نے کہا دیکھ رہا ہوں سرکار عالم!

سلطان —— اس خط میں وہ راز بند ہے جو مجھے یہاں تک لانے کا باعث ہوا۔
لیکن اس کے اظہار کا ابھی وقت نہیں آیا۔ ہاں تو جوگن چندر موہنی کو تلاش کرنے آئی تھی
وہ غائب ہوگئی یا غائب کر دی گئی ہے۔

برہان —— غالباً غائب کر دی گئی ہے۔

سلطان —— یہ کچھ نہیں۔ مہاراجہ کی چال ہے۔ وہ ہمیں مغالطہ میں ڈالنا چاہتا ہے۔
اس کی گم شدگی محض ایک فریب ہے۔

برہان —— لیکن ایسا نہیں ہے عالم پناہ۔

سلطان —— کیا تمہیں کوئی اور بات معلوم ہے۔

برہان —— مجھے اسی وقت ایک سادھو سمندر کے کنارے پر ملا تھا۔ اس نے بتا...
کہ چندر موہنی واقعی گم ہوگئی ہے۔

سلطان —— اگر اس طرح اس کی گم شدگی کی تشہیر نہ کی جاتی تو لوگوں کو یقین کیسے
آتا اور ہم تک اطلاع ہوتی۔

برہان —— لیکن وہ سادھو ایک خبر اور بھی سنا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ
چندر موہنی کی مفقود الخبری کی کچھ اصلیت ضرور ہے۔

سلطان —— وہ کیا خبر ہے۔

برہان —— مہاراجہ نے دھرمپال کو قید کر لیا ہے ۔۔۔۔۔۔۔

سلطان کے چہرہ سے تردد پریشانی کی علامتیں ظاہر ہوئیں۔ انہوں نے کہا! "یہ
کب ہوا؟"

برہان —— میں سادھو سے یہ دریافت نہ کر سکا۔

سلطان —— میں اس سادھو کو بھی سمجھ گیا ہوں۔ مگر تم نے اسے روک کیوں نہ لیا۔

برہان —— وہ دھرمپال کی بہبودی کے لیے قلعہ میں واپس چلا گیا ہے۔

سلطان —— افسوس یہ تو بہت برا ہوا۔ کہ میری تمام محنت غارت ہونے
والی ہے۔ (آسمان کی طرف دیکھ کر) خدایا تو کیا میں نامراد رہوں گا۔ کیا تیرے دوستوں پر
مصیبت کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں گے۔ میرے مولا! میرے آقا! میری مدد کر۔ مجھے شاد کام کر اور اپنے
ان بندوں کی جو عرصہ سے تکلیفیں اٹھا رہے ہیں۔ اعانت کر!

سب سلطان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ سلطان نے دعا مانگ کر دریافت کیا۔ کچھ اور
کہا تھا اس سادھو نے۔

ہارون نے جواب دیا جی ہاں یہ کہا تھا کہ اعلیٰ حضرت کو آج ہی اس سانحہ کی اطلاع
کر کے عرض کرو کہ وہ فوراً یورش کر دیں۔ ایسی سخت یورش جس سے مہاراجہ کی تمام تر توجہ
بچانے کی طرف لگ جائے۔ اور وہ دھرمپال کے متعلق کوئی فیصلہ نہ کر سکے۔

سلطان —— شاید مہاراجہ کو کچھ تصدیق کرنا ہے۔ اگر اسے اصلیت معلوم ہوگئی تو وہ
ضروری بلکہ فرض ہے۔ میں ضرور کروں گا۔ فوراً ہی اور اس قدر سخت حملہ جس سے راجپوت
سراسیمہ ہو جائیں۔ اور مہاراجہ خود پریشانی میں ڈوب جائے۔ التونتاش! تم نے تمام بات
سن لی ہے کل صبح ہوتے ہی اس شدت سے حملہ کرو۔ جس سے دشمن بدحواس ہو جائے۔

التونتاش نے قدرے خم ہو کر کہا۔ عالم پناہ یہ خانہ زاد سلطانی حکم کی تعمیل کرے گا۔

سلطان —— اور امیر علی خویشاوند تم التونتاش کے ساتھ رہو۔ میں تمہارے عقب
میں رہوں گا۔ اور ہارون تم اور برہان دونوں بندرگاہ پر حملہ کرو۔ اس قرار داد میں سرمو
فرق نہ آئے۔ ہمیں دھرمپال کو بچانا ہے۔

ہارون —— اعلیٰ حضرت کل اس احقر کی کارگذاری کے متعلق سن لیں گے۔

سلطان —— ابھی سے جا کر تیاریاں شروع کر دو۔ خدا سے فتح و نصرت کی دعا مانگو۔
میں بھی پاک پروردگار سے التجا کروں گا۔

اس وقت تمام حاضرین اٹھ کر خیمہ سے نکلے اور اپنے اپنے کیمپ کی جانب روانہ
ہو گئے۔ سلطان سجدہ میں گئے۔ اور خدا سے نہایت عاجزی خلوص اور خضوع سے دعا مانگنے لگے۔

بائیسواں باب

شدید حملہ

چونکہ اگلے روز قلعہ پر حملہ کرنے کی اطلاع تمام اسلامی لشکر میں پہنچ گئی تھی۔ اس لیے مجاہدین اسلام نے رات ہی سے تیاریاں شروع کر دی تھیں۔

صبح جب ہر دستہ نے جماعت کے ساتھ فجر کی نماز ادا کر لی تو مسلح ہو ہو کر میدان جنگ میں آنے اور صفیں مرتب کرنے لگے۔

جب ان راجپوتوں نے جو فصیل پر کھڑے تھے مسلمانوں کو مسلح اور صف بستہ ہوتے دیکھا تو وہ سمجھ گئے۔ کہ آج ان کا ارادہ دھاوا کرنے کا ہے۔

انہوں نے فوراً سنکھ پھونکا اور جب اس کی پر شور آواز قلعہ میں گونجی تو ہر ہندو کو معلوم ہو گیا۔ کہ آج پھر مسلمان قلعہ پر یورش کرنے والے ہیں۔

فوراً افسر فصیل پر آ گئے اور راجپوتوں کے فوجی دستے تمام قلعہ میں نقل و حرکت کرنے لگے وہ تمام راجہ اور مہاراجہ جو سومنات کو مسلمانوں سے بچانے کے لیے معہ لشکروں کے آئے تھے برجوں میں بیٹھے۔ سومنات کا مہاراجہ بھی مخصوص شاہی برج میں آ کر متمکن ہو گئے۔

فوجی افسروں نے فصیل پر چل پھر کر یہ دیکھ لیا کہ تیروں کے گٹھے اور سنگریزوں کے انبار کافی تعداد میں موجود ہیں یا نہیں جس طرف کمی معلوم ہوئی۔ اس طرف اور منگوا کر ڈھیر کر دیئے گئے۔

تمام اہل قلعہ فصیل کے جھروکوں اور دیوار کے اوپر سے جھانک کر مسلمانوں کو دیکھ رہے تھے۔

جب آفتاب طلوع ہو کر افق مشرق سے قدرے بلند ہو گیا اور اس کی ترچھی شعاعیں سرزمین سومنات میں پھیلنے لگیں۔ تو مسلمانوں نے اللہ اکبر کا پر شور نعرہ لگایا۔

یہ نعرہ اس زور سے لگایا گیا۔ کہ باوجودیکہ مسلمان قلعہ سے ایک میل کے فاصلہ پر تھے لیکن راجپوتوں کو ایسا معلوم ہوا جیسے قلعہ کے نیچے ہی سے نعرہ کی آواز بلند ہوئی ہے۔

اب اسلامی دستے آہستہ آہستہ بڑھنے لگے۔ راجپوتوں نے انہیں بڑھتے ہوئے دیکھتے ہی جے کارے لگانے شروع کئے۔ ان کے جے کاروں کی آواز گونجتے ہی مندروں میں سنکھ اور گھڑیال بجائے جانے لگے۔ ان مختلف آوازوں سے تمام قلعہ کے قرب و جوار گونج اٹھے راجپوت نہایت خشم آلودہ نگاہوں سے مسلمانوں کو قلعہ کی طرف بڑھتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ ان کے چہروں سے کینہ اور غصہ ٹپکا پڑتا تھا۔ اگر ان کا بس ہوتا تو وہ فصیل سے کود کود کر مسلمانوں کا تیا پانچا کر ڈالتے۔ لیکن جانتے تھے۔ کہ مسلمان میدان جنگ میں خونخوار شیر بن جاتے ہیں۔ اس لیے فصیل پر ہی کھڑے اظہار غیظ و غضب کر رہے تھے۔

مسلمان نہایت اطمینان سے بڑھے چلے آ رہے تھے۔ دور سے ایسا معلوم ہو رہا تھا۔ جیسے انسانوں کے مجمع میں لہریں اٹھ رہی ہیں۔

قلعہ سے کچھ فاصلہ پر آ کر اسلامی دستے رک گئے۔ اور مسلمانوں نے حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ شانوں پر سے کمانیں اتاریں۔ ترکشوں میں سے تیر نکالے۔ تیروں کو چلوں میں جوڑا اور اپنے سردار کے حکم کے منتظر ہو گئے۔

سب سے آگے التونتاش کا دستہ تھا۔ التونتاش دستہ کے وسط میں تھے۔ انہوں نے بلند آواز سے تیر افگنی کا حکم دیا۔ فوراً مسلمانوں نے اس طرح تیر چھوڑے جیسے ایک ہی کمان سے نکلے ہوں۔

تیر ہوا کو چیر کر سنسناتے ہوئے فضا میں تیرتے فصیل کی اونچی دیواروں سے جا ٹکرائے۔ راجپوت جو دیوار کے اوپر سے جھانک رہے تھے جلدی سے نیچے بیٹھ گئے۔ چند تیر دیوار کو پھلانگ کر فصیل پر آ گرے۔

راجپوتوں نے بھی فصیل کے سوراخوں میں سے تیروں کی باڑھ ماری۔ لیکن یہ تیر مسلمانوں تک نہ پہنچے بلکہ راستہ ہی میں گر رہے۔

اب مسلمانوں نے قدم قدم بڑھنا شروع کیا اور جگہ جگہ رک رک کر تیر برسانے لگے۔ ان کے تیر یا تو فصیل سے جا ٹکراتے تھے۔ اور یا فصیل کی قد آدم دیوار سے گذر کر فصیل پر جا پڑتے تھے۔ اگر کوئی آفت رسیدہ راجپوت سپاہی ان تیروں کی زد پر آ جاتا تھا تو زخمی ہو کر چلاتے

اور مسلمانوں کو گالیاں دینے لگتا تھا۔

ایک طرف میدان کی جانب سے مسلمان تیر چلا رہے تھے۔ اور دوسری طرف قلعہ کے اوپر سے راجپوت تیر برسا رہے تھے۔ اور یہ تیر اس کثرت سے چلائے جا رہے تھے کہ بعض اوقات آفتاب کو ڈھک لیتے تھے۔

چونکہ آج راجپوتوں کو یہ حوصلہ نہ ہوا کہ وہ فصیل کی دیوار کے اوپر سے تیر افگنی کریں بلکہ دیوار کے سوراخوں میں تیر برسا رہے تھے۔ اس لیے مسلمانوں کو ان کے تیروں سے کوئی قابل تذکرہ نقصان نہ پہنچ رہا تھا۔ اسی طرح مسلمانوں کے تیروں سے بھی راجپوتوں پر زیادہ زیادہ زد نہ پڑ رہی تھی۔

لیکن مسلمانوں کو پیش قدمی کا موقعہ مل رہا تھا۔ اور وہ بڑھتے جا رہے تھے۔

التونتاش نے آج اس طرح صف بندی کی تھی۔ کہ ایک صف سے دوسری صف بیس گز پیچھے تھی۔ اس جہت سے کہ لشکر کی تعداد اصل سے دگنی معلوم ہونے لگی تھی۔

التونتاش کے دستے کے پیچھے امیر علی خویشاوند کا دستہ تھا۔ اور اس دستہ کی صفیں بھی برابر بڑھتی چلی آ رہی تھیں۔

امیر علی کے دستہ کے عقب میں کچھ فاصلہ پر شاہی فوج کے رسالے جوش و غضب میں بھرے ہوئے چلے آ رہے تھے۔

گویا آج مسلمانوں نے تہیہ کر لیا تھا۔ کہ وہ قلعہ پر سختی سے حملہ کر کے یا تو اسے فتح کر لیں گے یا اس کی فتح میں جانیں لڑا دیں گے۔

اسلامی دستے نہایت ضبط و انتظام کے ساتھ بڑھ رہے تھے لیکن ان کی رفتار اس قدر دھیمی تھی کہ دوپہر تک قلعہ کے قریب پہنچ سکے۔

راجپوتوں نے انہیں زد پر دیکھ کر ایک دم سنگ اندازی شروع کر دی۔ خاردار پتھروں کے ٹکڑے اولوں کی طرح برسنے لگے۔ ان سنگریزوں سے مسلمان زخمی ہونے اور گھوڑے چٹیل ہو ہو کر بھڑکنے لگے۔

مسلمان اس سے دوگونہ مصیبتوں میں پھنس گئے۔ ایک سنگریزے انہیں زخمی کرنے لگے دوسرے ان کے گھوڑے ان کے قابو سے باہر ہونے لگے۔

انہوں نے حیرت انگیز چابکدستی سے اپنی بڑی بڑی سیاہ ڈھالیں اٹھائیں اور انہیں اپنے

سروں پہ گھوڑوں کے سامنے اس طرح پھیلا دیا کہ وہ انسانوں اور جانوروں کے لیے سپر بن گئے۔ ساتھ ہی گھوڑوں کی باگیں اٹھا دیں اور وفادار جانور تیزی سے قلعہ کی طرف بڑھنے لگے۔

راجپوتوں نے یہ کیفیت دیکھ کر شور کرنا اور نہایت پھرتی سے سنگریزے پھینکنے شروع کر دیئے۔ چونکہ اب مسلمانوں کی طرف سے تیر افگنی بھی متبد بکی آ گئی تھی۔ اس لیے راجپوت فصیل کی دیوار کے اوپر سے جھانک جھانک اور تاک تاک کر پتھر پھینکنے اور تیر مارنے لگے تھے۔

ان تیروں اور پتھروں کی زد التونتاش کے رسالہ پر پڑ رہی تھی۔ جس سے مجاہدین اسلام زخمی ہوتے چلے جا رہے تھے۔ لیکن ان میں کچھ ایسا جوش اور ایسا استقلال تھا کہ زخمی ہونے کی پرواہ نہ کرتے تھے۔

امیر علی نے یہ کیفیت دیکھ کر اپنے رسالہ کی سب سے اگلی دو صفوں کو تیر افگنی کا حکم دیا۔ اور انہوں نے جوں ہی تیروں کی باڑھ تاک کر ماری سینکڑوں وہ راجپوت جو دیوار پہ چڑھے جھانک رہے تھے زخمی ہو ہو کر قلعہ کے نیچے گر پڑے اور چونکہ قلعہ کی دیوار ساٹھ فٹ سے بھی بلند تھی۔ اس لیے زمین پر گرتے ہی ان کی ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو گئیں۔

دو تین ہی باڑھیں مارنے پر دیوار راجپوتوں سے خالی ہو گئی یا تو ہندی سپاہی زخمی ہو کر قلعہ کے نیچے جا پڑے یا کود کود کر فصیل پر اتر گئے۔

اب سنگ باری کی شدت میں کمی ہو گئی۔ اور مسلمانوں کو آگے بڑھنے کا موقعہ مل گیا۔ چنانچہ وہ تیزی سے بڑھے اور فصیل کے نیچے جا پہنچے۔

آج مسلمان اپنے ساتھ نقب لگانے اور دیوار توڑ ڈالنے کے آلے بھی لائے تھے کمندیں اور ریشم کی ڈوروں کی مضبوط سیڑھیاں بھی ان کے ساتھ تھیں۔

کچھ لوگ گھوڑوں پر کھڑے ہو کر کمندیں اور سیڑھیاں فصیل کے کنگوروں کی طرف پھینکنے لگے۔ اور کچھ گھوڑوں کو دیوار سے ملا کر دیوار توڑنے اور نقب لگانے لگے۔

راجپوت سوراخوں سے جھانک جھانک کر ان کی یہ کارروائی دیکھ رہے تھے۔ وہ مسلمانوں پر رعب ڈالنے کیلئے زور شور سے چلا رہے تھے۔ اور فصیل پہ کھڑے ہوئے بڑی پھرتی سے تیر اور نوکیلے پتھروں کے ٹکڑے برسا رہے تھے۔ سنکھ اور گھڑیال اب تک بج رہے تھے شور و غل سے تمام میدان گونج رہا تھا۔

کچھ کمندیں اور چند سیڑھیاں کنگوروں میں پھنس گئی تھیں اور مسلمانوں نے ان پر چڑھنا

شروع کر دیا تھا۔ بعض جیالے راجپوتوں نے دیواروں پہ چڑھ کر کئی کمندوں اور سیڑھیوں کو کاٹ ڈالا تھا۔ اور ان کے ذریعہ سے جو مسلمان چڑھ رہے تھے۔ وہ نیچے گر پڑے تھے جس سے ان کی ہڈیاں اور پسلیاں ٹوٹ گئی تھیں

لیکن جن راجپوتوں نے ان کمندوں اور سیڑھیوں کو کاٹا تھا۔ ان کو مسلمانوں نے تیروں سے زخمی کر کے نیچے گرا دیا تھا۔ اور وہ بھی مسلمانوں کی طرح نشانۂ اجل بن گئے تھے۔

آخر کچھ مسلمان کنگوروں کے برابر جا پہنچے۔ امیر علی کے دستہ نے انہیں ... بچھ لیا تھا۔ اور چونکہ اب ان کی تیر افگنی سے ان مسلمانوں کو نقصان پہنچنے کا احتمال تھا۔ اس لیے انہوں نے تیر برسانے بند کر دیئے۔

مسلمان دیوار پر چڑھ کر فصیل پر کود گئے۔ اور تلواریں سونت سونت کر راجپوتوں پر اس طرح جا ٹوٹے جس طرح بھیڑیئے بھیڑوں کے گلوں پہ جا پڑتے ہیں۔

ان کی خارا شگاف تلواروں نے راجپوتوں کو نرم گھاس کی طرح کاٹنا شروع کر دیا۔ فصیل کے اوپر قتل و خون ریزی کا بازار گرم ہو گیا۔

راجپوت بھی پل پڑے انہوں نے بھی چوڑے چوڑے کھانڈے کھینچ لیے اور مسلمانوں کے مقابلہ میں آ کر جرأت و ہمت سے لڑنے لگے۔

اول تو مسلمان بہت ہی کم تعداد میں فصیل پر پہنچے تھے۔ دوسرے ان کی آمد بڑی مدہم تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ چند ہی کمندیں اور سیڑھیاں کنگوروں میں پھنسی تھیں جن کے ذریعہ سے وہ چڑھ کر فصیل پر کود رہے تھے اور راجپوت فصیل پر بے شمار تھے اس لیے جو مسلمان پر فصیل پہ پہنچ جاتے تھے۔ وہ دادِ جوانمردی دے کر اور پانچ پانچ سات سات راجپوتوں کو قتل کر کے خود بھی شہید ہو جاتے تھے۔

لیکن چونکہ ان کی آمد برابر جاری تھی۔ اس لیے راجپوتوں کے قتل اور مسلمانوں کی شہادت کا سلسلہ برابر جاری تھا۔

راجپوت مسلمانوں کو فصیل پر آتے ہوئے دیکھ رہے تھے اور فصیل توڑے جانے کی آواز بھی سن رہے تھے۔ وہ مسلمانوں کی قوت اور ان کی بہادری کے قائل ہوتے جاتے تھے۔

دن اس قدر ڈ... گیا تھا کہ تیسرا پہر آ گیا تھا۔ آج مسلمان فجر کی نماز ادا نہ کر سکے تھے وہ ایسے لڑائی میں مصروف تھے اور قلعہ میں داخل ہونے کی جدوجہد میں کچھ ایسے مشغول تھے

کہ انہیں وقت کا خیال ہی نہ رہا۔ ان کے مدنظر قلعہ پہ قبضہ کر لینا تھا۔ اور اسی کوشش میں لگے تھے۔

یہ مسلمانوں کی ہی جرأت و ہمت تھی کہ سومنات کے لوہا لاٹ قلعہ کی فصیل کو توڑ رہے تھے۔ اور اس کی سر بفلک چوٹی پہ پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ موت سے نہیں ڈرتے تھے۔ اور اس لیے ان حیرت انگیز کاموں میں مصروف تھے۔ جن کی جرأت ان سے پہلے کسی کو نہ ہوئی تھی

چونکہ راجپوت بہادر قوم ہے اس لیے وہ مسلمانوں کو جی داری دلیری اور جرأت پہ غش غش کر رہی تھی۔

مسلمان برابر فصیل پہ کود رہے تھے۔ اور نہایت جوش و خروش سے لڑ رہے تھے۔ انہوں نے فصیل پر خون کے پرنالے بہا دیئے تھے لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے تھے۔ راجپوتوں کی صفوں کی صفیں الٹ دی تھیں۔ لیکن خود مسلمانوں کا بھی کافی نقصان ہو رہا تھا۔ جو مسلمان فصیل پہ پہنچ جاتا تھا۔ اس کی زندگی خطرہ میں پڑ جاتی تھی

لیکن وہ خوب جانتے تھے کہ مرنا اور مارنا ہی ان کا نصب العین ہے اس لیے بے دھڑک جنگ کر کے دشمنوں کو اس وقت تک قتل کرتے رہتے تھے۔ جب تک ان کے ہاتھ میں تلوار اور جسم میں لڑنے کی طاقت باقی رہتی تھی۔ اور جب شدید طور پہ مجروح ہو جاتے تھے۔ تو گر پڑتے تھے۔ اور ان بے بس مسلمانوں کو راجپوت قیمہ کر ڈالتے تھے۔

غرض جنگ اسی اسلوب پہ ہو رہی تھی کہ رفتہ رفتہ آفتاب حجلہ مغرب کے قریب پہنچ گیا۔ اور اس کی آخری کرنیں سمٹ سمٹ کر غائب ہونے لگیں۔ مشرق کی طرف سے اندھیرا بڑھ کر پھیلنے لگا۔ اس وقت سلطان نے مسلمانوں کو واپس لوٹ آنے کا اشارہ کیا۔ التونتاش نے فوراً مجاہدین کو واپس آنے کی اطلاع کرا دی۔ اور مسلمان فصیل سے نیچے اتر اتر کر جلد گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ سب نے ملکر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور واپس لوٹے۔

راجپوتوں نے ان پہ پھر تیروں اور پتھروں کی بارش شروع کر دی۔ لیکن مسلمان کسی نہ کسی طرح انکے نرغہ سے نکل ہی آئے۔ اسطرح یہ شدید حملہ کچھ کامیاب نہ ہوا البتہ اتنا ضرور ہوا کہ راجپوتوں پر مسلمانوں کی دھاک قائم ہو گئی۔ اور وہ ان کی بہادری اور جرأت کے قائل ہو گئے۔

اس جنگ میں پانچ ہزار راجپوت اور ساڑھے تین سو مسلمان مارے گئے۔

سفاک انسان

اور راجاؤں اور مہاراجاؤں کے ساتھ سکھدیو بھی ایک برج میں بیٹھا جنگ کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ جب دن چھپ گیا اور مسلمان واپس لوٹ گئے۔ تب اوروں کے ساتھ وہ بھی اٹھا۔ اور اپنی قیام گاہ کی جانب روانہ ہوا۔

اس وقت رات ہوگئی تھی۔ اور ہر طرف اندھیرا پھیل گیا تھا۔ وہ تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ کسی کے قدموں کی چاپ ہوئی۔ آواز اس کے پشت کی طرف سے آئی تھی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا ایک آدمی نہایت احتیاط سے دبے قدموں چلا آرہا تھا۔ سکھدیو نے للکار کر پوچھا۔ "کون ہے؟"

آنیوالے نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ بلکہ جس آہستگی سے آرہا تھا۔ آتا رہا۔

سکھدیو کو خیال ہوا کہ شاید کوئی راہ رو ہے یا سرکاری ملازم ہے اور قصر شاہی میں جا رہا ہے وہ راستہ سے ایک طرف ہٹ کر ایک ایسی جگہ کھڑا ہو گیا۔ جہاں دور کی روشنی کا عکس پڑ رہا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ جب آنے والا بڑھ جائے گا۔ تب وہ چلے گا۔ لیکن آنیوالا بھی سیدھا اس کی طرف آیا۔ اور سامنے کھڑا ہو کر بولا۔ "آپ مجھ سے کتراتے ہیں۔"

سکھدیو اس کی آواز سن کر چونک پڑا۔ اس کا چہرہ زرد پڑ گیا بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا۔ "اوہ تم........؟"

آنیوالے نے سنجیدگی سے کہا۔ "ہاں میں! پہچان لیا مجھے آپ نے۔"

سکھدیو ــــــ آواز ہی سے پہچان لیا۔

سکھدیو کے چہرہ پر روشنی کا عکس پڑ رہا تھا۔ اور نوارد کا چہرہ اندھیرے میں تھا۔ نوارد نے کہا۔ اسی لیے آپ کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا...... سکھدیو نے قدرے گھبرائے ہوئے لہجہ میں کہا۔ میرا چہرہ......... ہاں....... مگر نہیں میرا چہرہ زرد پڑنے کی کوئی وجہ نہیں۔

نوارد ــــــ نہیں۔ میں خدا نہیں ہوں نہ ملک الموت ہوں۔ ایک انسان ہوں۔ وہ انسان........

سکھدیو نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ اسباب کا ذکر نہ کرو تو اچھا ہے۔

نوارد ــــــ شاید اسی تذکرہ سے آپکے دل کو تکلیف پہنچتی ہے۔

سکھدیو ــــــ ہاں۔

نوارد نے جوش و غضب کے لہجہ میں کہا۔ سنگدل اور دغاباز...... تیرے دل کو

تکلیف پہنچ سکتی ہے........ تو........ سکھدیو نے عاجزی سے کہا۔ موہن سنگھ سنبھلو سوچو! یہ عام راستہ ہے یہاں لوگوں کی آمد و رفت ہے ایسے مقام پر اور ایسی گفتگو........ نوارد نے ذرا تیز لہجہ میں کہا۔ کیا میں تیری عزت کا پاس کروں ایک سفاک، بے رحم اور ظالم کی عزت کا۔ ادھر دیکھ میری طرف.......... بتا اب تجھے میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے۔ سکھدیو نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ شور نہ کرو۔ میری ایک بات ٹھنڈے دل سے سن لو!

موہن ــــــ کہہ ڈال۔

سکھدیو ــــــ یہاں نہیں۔ میرے ساتھ چلو۔

موہن ــــــ کہاں چلوں۔ تیرے جائے قیام پہ تاکہ تو..............

سکھدیو ــــــ نہیں میرے جائے قیام پہ نہیں۔ میں جانتا ہوں اب تمہیں میری کسی بات کا یقین نہ آئیگا۔

موہن ــــــ پھر کہاں۔

سکھدیو ــــــ شاہی باغیچہ میں۔

موہن ــــــ تاکہ تم مجھے وہاں پکڑوا دو۔ اور شاہی باغیچہ میں گھسنے کا الزام لگا کر مجھے پھانسی پر لٹکوا دو۔

سکھدیو ــــــ سوچو کیا میں ایسی جرأت کر سکتا ہوں۔ اگر میں تمہیں پکڑوا دوں۔ تو تمہاری زبان سے نکلا ہوا ایک لفظ مجھے تباہ کرا سکتا ہے۔ تمہارے تختہ دار پہ لٹکنے سے پہلے جلاد کی تلوار میرے سر کا فیصلہ کر ڈالے گی۔

نوارد ــــــ میں سمجھتا ہوں۔

سکھدیو ــــــ پھر یہ بے اعتباری کیوں ہے؟

نوارد ــــــ اس لیے کہ شاید تم نے کوئی اور فریب سوچا ہے۔

سکھدیو ــــــ میں اور تم وہاں دو ہی آدمی ہوں گے تیسرا کوئی نہ ہوگا۔ اسی لیے میں نے اس جگہ کو پسند کیا ہے۔ بولو چلتے ہو۔

موہن ــــــ مگر تمہیں کہنا کیا ہے۔

سکھدیو ــــــ تمہاری غلط فہمی دور کرنی ہے۔

موہن نے پھر غصہ میں آکر کہا۔ غلط فہمی، دغاباز کتے! میں فریب کا شکار ہوا تھا۔

سکھدیو نے پھر انتہائی عاجزی سے کہا۔ موہن سنگھ پرماتما کے لیے غل نہ مچاؤ۔ تمہارا غصہ اگر برباد کر دے گا۔ تو تمہیں بھی کورا نہ چھوڑے گا۔ اگر میں گرفتار ہو گیا تو تم بھی گرفتار ہو جاؤ گے۔ میرے جرم میں تم بھی تو شریک تھے۔ جو سزا مجھے ملیگی وہی تمہیں بھی ملے گی۔ سنجیدگی سے غور کرو۔ میں سچ کہہ رہا ہوں یا غلط۔

موہن کچھ نرم پڑ گیا۔ اس نے کہا۔ نہیں، تم غلط نہیں، تم غلط نہیں سچ کہہ رہے ہو۔ . . . . اچھا چلو۔

دونوں خاموشی سے روانہ ہوئے لیکن چونکہ دونوں ایک دوسرے سے خائف تھے اس لیے کوئی کسی کو پیچھے نہ ہونے دیتا تھا۔ نہ کوئی کسی کے آگے چلتا تھا۔ دونوں برابر برابر ایک دوسرے کو دزدیدہ نظروں سے دیکھتے اور تلواروں کے قبضوں پہ اس طرح ہاتھ رکھے کہ ضرورت کے وقت فوراً انہیں نکال کر کام میں لاسکیں چل رہے تھے۔

دونوں ایک خفیہ دروازہ سے شاہی باغیچہ میں داخل ہوئے سکھدیو نے کہا۔ یہ جگہ امن کی ہے اب اطمینان سے باتیں ہم کریں گے۔

موہن سنگھ کا لہجہ پھر تیز ہو چلا۔ اس نے درشتی سے کہا امن اور اطمینان کی ضرورت نہیں ہم دونوں ایک دوسرے کے دشمن ہیں . . . . !

سکھدیو نے بظاہر اطمینان سے قہقہہ لگایا۔ حالانکہ اس کی آواز میں لرزش تھی اور کہا۔ دشمن . . . . . نہیں ہم دشمن نہیں ہیں۔

موہن سنگھ —— کیا یہ دشمنی کی دلیل نہیں ہے کہ ہم ایک دوسرے سے خوف زدہ ہیں ہم دونوں نے ہاتھ تلواروں کے قبضہ پہ رکھے ہوئے ہیں۔

سکھدیو نے تلوار کے قبضہ پر سے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ تم نے سچ کہا لیکن اب ہمیں دشمنوں کی طرح نہیں بلکہ دوستوں کی طرح باتیں کرنی چاہیئں۔

موہن سنگھ —— لیکن مجھے زیادہ باتیں کرنے کی فرصت نہیں ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ جب کہ میں نے تمہارے کہنے کے بموجب . . . . . . سکھدیو نے جلدی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ پرماتما کے لیے چپ رہو۔ جس واقعہ نے راز کی صورت اختیار کر لی ہے اسے اپنی زبان سے نہ کھولو۔

موہن سنگھ —— تب مجھے بتاؤ کیوں تم نے میرے ساتھ فریب کیا۔ کیوں مجھے جلاد کے سپرد کیا گیا۔ اور کیوں میری جان لینے کی کوشش کی گئی۔

سکھدیو —— تم جانتے ہو کہ میرے ایک خادم کا نام بھی موہن سنگھ ہے۔

موہن سنگھ —— ہاں جانتا ہوں۔

یہ دونوں گفتگو کرتے ہوئے سمندر کی طرف چلے جا رہے تھے۔ اس باغیچہ کا کچھ حصہ سمندر کے کنارے پر واقع تھا لیکن وہ سطح سمندر سے بیس پچیس فٹ بلند تھا۔

سکھدیو —— تب سنو اور سمجھو کہ میں نے اپنے خادم کے قتل کا حکم دیا تھا لیکن بیہودہ، بدتمیز اور بد عقل ملازموں نے اس کے بجائے تمہیں پکڑ لیا۔ میں سچ کہتا ہوں کہ میں تمہیں زندہ دیکھ کر بہت خوش ہوا . . . .

موہن سنگھ نے غضبناک ہو کر کہا۔ خوش . . . . خوشی تو تمہارے چہرے ہی سے ٹپک پڑتی تھی میری آواز سنتے ہی تمہارا منہ فق پڑ گیا تھا۔

سکھدیو —— یہ سچ ہے۔ میں دفعتہً اس لیے گھبرا گیا تھا کہ تم جو بیگناہ اور بغیر کسی قصور کے قتل گاہ کو بھیجے ہوئے لیجائے گئے تھے۔ جب مجھ پر الزام لگاؤ گے تو میں اس کا کیا جواب دوں گا . . . . . . موہن سنگھ ذرا خیال کرو اگر مجھے تم پر اعتماد نہ ہوتا تو میں تمہارے سامنے اس پر دہ کا نام کیوں لیتا۔ جس کی وجہ سے میری عزت اور زندگی خطرہ میں تھی۔ یہ میرے ملازموں کا قصور ہے ان کی خطا ہے میں انہیں سزا دوں گا۔ نہایت سخت اور بڑی عبرتناک سزا۔

اب یہ دونوں لوہے کے پھاٹک پہ آکر رکے اس پھاٹک میں سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ شاہی خاندان کے افراد اکثر یہاں آکر لوہے کی سلاخوں میں سے جھانک کر سمندر کی سیر کا لطف اٹھایا کرتے تھے۔

اس پھاٹک کی سلاخیں ٹوٹواں تھیں۔ جب چاہتے اوپر کے حصہ کو نیچے گرا سکتے تھے۔ سکھدیو نے سمندر کی طرف دیکھ کر کہا۔ اف کس قدر اندھیرا پھیلا ہوا ہے۔ سمندر سے آسمان تک سیاہ چادر تنی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ہوا کیسی خوشگوار آرہی ہے۔ ٹھہرو میں سلاخیں جھکا دوں۔ یہ کہتے ہی اس نے اندھیرے میں کوئی کل دبائی اور پھاٹک کے اوپر کی سلاخیں نیچے جھک گئیں صرف ناف تک جنگلہ باقی رہ گیا۔

موہن نے کہا۔ سکھدیو مجھے یقین نہیں آتا تم نے میری جان لینے کی کوشش کی تھی۔

اور اس لیے.......میں تمہیں آج ہرگز بھی زندہ نہ چھوڑوں گا۔

سکھدیو ــــ آخر تمہیں دنیا میں کسی کا یقین بھی ہے.......ہاں خوب یاد [illegible] کی بات کا تم یقین کرتے ہو۔

موہن سنگھ کو سکھدیو کی بہن کامنی سے محبت تھی۔ اس نے کہا بیشک دنیا میں ایک ہی ہستی ایسی ہے۔ جس کا میں یقین کر سکتا ہوں۔

سکھدیو ــــ تب ہم دونوں اس کے پاس چلیں گے اور وہ تمہارا اطمینان کر دیگا۔

موہن سنگھ ــــ مجھے منظور ہے۔

سکھدیو ــــ دیکھو کیسی فرحت بخش ہوا آرہی ہے۔

اس نے جنگلے سے جھانک کر دیکھا۔ اور دفعتہً بولا۔ ایں یہ سرخ سرخ کیا چیز چمک [illegible] ہے۔ کہیں مسلمان تو کوئی کشتی لے کر اس طرف نہیں آگئے۔

موہن سنگھ نے بھی جھانک کر دیکھا۔ سکھدیو نے حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ موہن سنگھ [illegible] اٹھا کر سمندر میں دھکیل دیا۔ ایک خوفناک چیخ کے ساتھ موہن کے پانی میں گرنے کی آواز آئی۔ سکھدیو نے فاتحانہ قہقہہ لگا کر کہا۔ اس وقت نہیں مرا تھا تو اب مر۔ یہ کہتے ہی اس [illegible] کل دبائی۔ اور جھانک کے نیچے گری ہوئی سلاخیں پھر اپنی جگہ پر آگئیں۔ سکھدیو فوراً اس جگہ سے نہایت خاموشی اور آہستگی کے ساتھ روانہ ہوگیا۔

[illegible]سواں باب

چالاک بھائی بہن

سکھدیو نہایت خوش تھا۔ ایسا خوش جیسے اس نے کسی بڑے دشمن کو ٹھکانے لگا [illegible] وہ باغیچہ سے نکل کر اپنی قیام گاہ پر پہنچا۔ جوں ہی وہ اپنے خاص کمرہ میں داخل ہوا۔ [illegible] کامنی پر پڑی۔ کامنی نے بھی اس کے چہرے پر نظر ڈالی۔

[illegible] چونکہ کمرہ میں تیز روشنی ہو رہی تھی۔ اس لیے ایک نے دوسرے کے چہرہ کو دیکھ کر [illegible] کو بھانپ لیا۔ کامنی کچھ افسردہ تھی۔ اور سکھدیو خرم و مسرور تھا۔

کامنی نے کہا تم آگئے بھیا۔

سکھدیو نے بیٹھتے ہوئے کہا ہاں میں آگیا۔

کامنی ــــ بڑے خوش ہو۔ کیا بات ہے۔ کیا ہاتھ آگیا۔

سکھدیو ــــ تم جیسی بہن کو بھی دیکھ کر خوش نہ ہوں کامنی۔ لیکن تم کچھ دل گرفتہ معلوم ہوتی ہو [illegible] ہے۔

کامنی ــــ میں.........ہاں میں ملول و حزین ہوں۔ شاید دل گرفتگی [illegible] قسمت ہی میں لکھی ہے۔

سکھدیو ــــ آخر کیوں؟

کامنی ــــ جب سے تمہاری سازش میں شریک ہوئی.......

سکھدیو ــــ سازش کے ذکر کو رہنے دو۔ کیا سنا نہیں کہ دیوار کے بھی کان ہوتے ہیں۔

کامنی ــــ سنا ہے اور جانتی ہوں مگر تمہیں سمجھانے کے لیے.........

سکھدیو ــــ صرف اشارہ ہی کافی ہے۔ کیا کوئی نئی بات ہوگئی ہے!

کامنی ــــ ہاں۔

سکھدیو ـــــ کیا؟

کامنی ـــــ تم تو کہتے تھے بھیا کہ موہن سنگھ کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔

سکھدیو ـــــ مجھے ایسی ہی اطلاع ملی تھی۔

کامنی ـــــ لیکن وہ زندہ ہے۔

سکھدیو ـــــ مجھے بھی آج ہی ایسی ہی اطلاع ملی ہے۔

کامنی ـــــ اس نے مجھے دھمکی دی ہے۔

سکھدیو ـــــ کیا؟

کامنی ـــــ یا تو میں اس کی بات مانوں ورنہ وہ مجھے اور تمہیں دونوں کو گرفتار کر دے گا۔

سکھدیو نے غضب ناک ہو کر کہا۔ ذلیل اور نمک حرام کتا!

کامنی ـــــ آپ نے ان پہ اعتماد کیوں کیا؟

سکھدیو ـــــ سچ ہے کامنی میں نہ جانتا تھا کہ وہ تجھ سے محبت کرتا ہے......

کامنی شرما گئی۔ اس کی بھولی بھالی نگاہوں میں حیا گھل گئی۔ سکھدیو نے بات ٹالنے کے لیے کہا۔ لیکن اب کوئی اندیشہ نہیں رہا ہے۔

کامنی نے پرشوق نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کیا وہ رضامند کر لیا گیا۔

سکھدیو ـــــ نہیں بلکہ اس کی زبان بند ہی کر دی گئی ہے۔

کامنی ـــــ آخر کس طرح؟

سکھدیو ـــــ اس وقت یہ بات بتانی مناسب نہیں ہے ایک دن از خود ہی معلوم ہو جائے گا۔

کامنی ـــــ لیکن میں اس سے ڈرنے لگی ہوں بھیا۔ اس کا سامنا ہوتے ہی میں کانپ گئی تھی۔

سکھدیو ـــــ اطمینان رکھو اب وہ تمہارے سامنے نہ پڑے گا۔

کامنی ـــــ مسلمانوں نے آج بھی غضب کا حملہ کیا۔

سکھدیو ـــــ بیشک انہوں نے جان لڑا دی۔ وہ قلعہ پر چڑھ ہی آئے تھے۔ اگر تمہاری جمعیت فصیل پر بہت کافی تھی، اس لیے وہ مجبور ہو گئے۔

کامنی ـــــ نہیں بلکہ دن چھپ گیا اس لیے واپس لوٹ گئے۔

سکھدیو ـــــ بات یہ بھی ہوئی۔ مسلمانوں کی قوم نہایت جنگجو اور بڑی بہادر ہے کمبخت ایسا ہی توڑ کر لڑتے ہیں کہ ان کا مقابلہ دشوار ہو جاتا ہے۔

کامنی ـــــ اس ہنگامہ میں تم نے سلطان کو تو نہیں دیکھا تھا۔

سکھدیو ـــــ میں نے بڑا غور کیا۔ خوب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا لیکن وہ نظر نہیں آیا شاید سلطان کے ساتھ ہو گا۔

کامنی ـــــ سنا ہے کہ سلطان کو اس سے بڑی محبت ہے۔

سکھدیو ـــــ میں نے بھی ایسا ہی سنا ہے۔

کامنی نے از خود رفتگی کے انداز میں کہا۔ وہ ہے بھی اس قابل سکھدیو نے حیرت اور غصہ بھری نگاہوں سے کامنی کو دیکھا۔ کامنی سمجھ گئی کہ اس سے سخت غلطی ہو گئی ہے ایک راجپوت کے سامنے ایک مسلمان کی تعریف کرنا نہایت ہی نامناسب بات ہے۔ اس نے کہا۔ لیکن اس کا زندہ رہنا خطرناک ہے۔

سکھدیو ـــــ نہایت خطرناک۔ لیکن یہ بھی فکر ہے کہ اس تک دست رس کیسے ہو۔

کامنی ـــــ اگر دوران جنگ نہ ہوتا تو اس کا پھانس لینا کیا بڑی بات تھی۔

سکھدیو ـــــ کس طرح؟

کامنی ـــــ کسی حسین و جمیل چھوکری کو بھیج دیا جاتا۔ اور وہ اسے فریب دے کر لے آتی۔

سکھدیو ـــــ بات تو معقول ہے۔ دیکھو اس امر پہ غور کروں گا۔

کامنی ـــــ لیکن اگر وہ تمہارے ہاتھ آ گیا۔ تو تم کیا کرو گے۔

سکھدیو ـــــ فوراً قتل کرا دوں گا۔

کامنی کے دل پر چوٹ سی لگی۔ اور اس کا چہرہ فق پڑ گیا لیکن اس نے فوراً ہی کہا۔ چاہیے تو ایسا ہی لیکن جب تک سلطان واپس نہ چلا جائے۔ اس وقت تک اس کا قتل کرنا بھی نامناسب ہو گا۔

سکھدیو ـــــ مگر کامنی! وہ میرے ہاتھ آسانی سے آنے ہی کیوں لگا۔ جبکہ وہ سلطان کو منظور نظر اور مسلمانوں کا محبوب ہے کس طرح وہ ہمارے ہاتھ لگ سکتا ہے۔

کامنی ـــــ ابھی چند روز توقف کرو پھر میں اس کی کوئی تدبیر سوچوں گی۔

سکھدیو ــــ اب اگر کسی طرح سلطان واپس لوٹ جائے۔ یا ہزیمت اٹھا کر بھاگ جائے۔ تو سب کام درست ہو جائیں۔

کامنی ــــ مگر سنتی ہوں سلطان دھن کا پورا ہے۔ یوں تو وہ واپس لوٹے گا نہیں۔ اور اگر اسے شکست ہو گئی تو پھر انتقام لینے کے لیے حملہ کرے گا۔

سکھدیو ــــ پر ابھی اگر ایک دفعہ یہاں سے شکست کھا کر بھاگ جائے تو پھر اس طرف آنے کا حوصلہ ہی نہ ہو گا۔ تم نہیں جانتی ہو راستہ کس قدر دشوار گذار ہے۔ مجھے یہ بھی حیرت ہے کہ وہ ڈیڑھ سو میل کے لق و دق میدان کو کیسے طے کر کے آیا . . . . اچھا اب تم جاؤ کامنی۔

کامنی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ اور میں موہن سنگھ کی طرف سے بالکل مطمئن رہوں۔

سکھدیو ــــ ہاں مطمئن رہو۔ اب وہ تمہیں یا مجھے کوئی گزند نہ پہنچا سکے گا۔

کامنی چلی گئی۔ سکھدیو نے آہستہ سے کہا "میں کامنی کو بڑی سیدھی بھولی اور معصوم سمجھتا تھا۔ لیکن اس میں تو بڑی چالاکی آ گئی ہے . . . . ہارون کو بچانا چاہتی ہے . . . میں وجہ سمجھتا ہوں اگر وہ میرے ہاتھ آ گیا تو . . . ."

اس نے دانت پیس کر کہا "میں اس کے فوراً ہی ٹکڑے اڑا دوں گا۔ نہ معلوم اس میں کیا خوبی ہے۔ جو ہر وہ لڑکی جو اسے دیکھتی ہے اس پر فدا ہو جاتی ہے۔ چندر موہنی اسے چاہتی تھی۔ کامنی بھی اس کی طرف مائل ہے کیا ایک راجپوت کا خون کھولانے کے لیے یہ کچھ کم بات ہے۔

ابھی وہ اسی قدر سوچنے اور کہنے پایا تھا کہ ایک خادم نے حاضر ہو کر کہا۔ بلبیر چندر حاضری کی آگیا (اجازت) چاہتا ہے۔

سکھدیو نے نظر اٹھا کر خادم کو دیکھتے ہوئے کہا کہ خادم چلا گیا۔ اور ایک جوان العمر جسیم آدمی کمرہ میں داخل ہوا۔ اس کا نام بلبیر چندر تھا۔ اس نے آتے ہی نہایت ادب سے سکھدیو کو سلام کیا۔ سکھدیو نے کہا بیٹھو بلبیر چندر تمہارے چہرہ سے وحشت برس رہی ہے آخر کیوں۔

بلبیر چندر نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ حضور وہ فرار ہو گیا۔

سکھدیو ــــ کون موہن سنگھ۔

بلبیر چندر ــــ جی ہاں۔

سکھدیو ــــ تم نے کیا اس کی نگرانی کی۔

بلبیر چندر ــــ نگرانی کی نہ پوچھیے۔ بڑا سخت پہرہ تھا۔

سکھدیو ــــ پھر کیسے وہ فرار ہوا۔

بلبیر چندر ــــ پرماتما ہی جانے۔ میں بڑا فکر مند ہوں۔

سکھدیو ــــ فکر نہ کرو۔ وہ میرے پاس آیا تھا۔

بلبیر چندر ــــ کب۔

سکھدیو ــــ ابھی تھوڑی دیر ہوئی۔

بلبیر چندر ــــ غضب ہو گیا۔ کیا حضور نے پھر اسے گرفتار کر لیا۔

سکھدیو ــــ نہیں۔

بلبیر چندر ــــ پھر کہاں گیا وہ؟

سکھدیو ــــ وہاں جہاں اسے جانا چاہیے تھا۔

بلبیر چندر نے حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا آخر کہاں گیا۔

سکھدیو ــــ موت کی گود میں۔

بلبیر چندر ــــ کیسے۔

سکھدیو نے تمام روئداد سنا دی۔ بلبیر چندر کی پژمردگی اور وحشت دور ہو گئی۔ اس نے اطمینان کا سانس لیا اور خوش ہو کر کہا۔ بہت خوب کیا آپ نے۔ ورنہ وہ نہ معلوم کس کس کو نقصان پہنچاتا۔ کیسے گرفتار اور قتل کرا دیتا۔ اب ایک خطرہ اور رہ گیا ہے۔

سکھدیو ــــ وہ کس کا؟

بلبیر چندر ــــ دھرم پال کا۔

سکھدیو ــــ مگر وہ تو گرفتار ہے۔

بلبیر چندر ــــ اور جس وجہ سے وہ گرفتار ہے اسے بھی آپ جانتے ہیں۔

سکھدیو ــــ جانتا ہوں۔

بلبیر چندر ــــ اور یہ بات بھی آپ کو معلوم ہے کہ وہ بڑا جوتشی اور نجومی ہے۔

سکھدیو ــــ ہاں معلوم ہے۔

بلبیر چندر ــــ تب وہ اپنے علم سے کچھ معلوم کر کے مہاراجہ کو بتا دے گا۔ اور مہاراجہ . . .

سکھدیو نے مضطرب ہو کر کہا۔ اوہ اس بات کا مجھے خیال ہی نہیں ہوا تھا۔ پھر کیا کرنا چاہئے کیا اس کے محافظوں سے مل کر اسے قتل کرا دوں۔

بلبیر چندر ——— یہ بات ناممکن ہے۔ اس کے محافظوں کو اس سے اس قدر ہمدردی ہے۔ کہ وہ ہرگز بھی کسی لالچ میں نہ آئیں گے۔

سکھدیو نے استفہامیہ نظروں سے بلبیر چندر کو دیکھتے ہوئے کہا:

"تب . . . ."

بلبیر چندر ——— صرف ایک ہی بات میرے ذہن میں آئی ہے۔

سکھدیو ——— کیا؟

بلبیر چندر ——— مہاراجہ اس سے سخت ناخوش ہو گئے ہیں۔ انہیں اس کی جانب سے اور مشکوک کر کے اسے قتل کرنے کا حکم حاصل کر لیجئے۔

سکھدیو ——— یہ ذرا مشکل امر ہے۔

بلبیر چندر ——— کوشش تو کیجئے۔

سکھدیو ——— میں اسی وقت مہاراجہ سے ملوں گا۔

بلبیر چندر ——— مجھے یقین ہے یہ کانٹا بھی نکل جائے گا۔

بلبیر چندر چلا گیا۔ اور سکھدیو مہاراجہ کے پاس جانے کی تیاری میں مصروف ہوا۔

راجپوتوں کا عزم

مہاراجہ سومنات تمام دن برج میں بیٹھے جنگ کا نظارہ کرتے رہے تھے۔ انہوں نے دیکھا تھا کہ کس جوش سے مسلمانوں نے حملہ کیا تھا اور کس استقلال سے تیروں اور پتھروں کی بارش میں جمے رہے تھے۔ اور نہ صرف جمے رہے تھے بلکہ آگے بڑھ کر فصیل کے نیچے پہنچ گئے تھے۔ اور آلات نقب زنی کے ذریعہ سے فصیل توڑنے لگے تھے۔ پھر کچھ جابجا کمندیں اور رسیوں کی سیڑھیاں کنگوروں میں پھنسا کر اوپر چڑھ گئے تھے اور کس جرأت و دلیری سے لڑے تھے۔

وہ نہایت غور سے ان واقعات کو دیکھتے رہے تھے۔ جب دن چھپنے کے بعد انہیں خبر دی گئی کہ آج کی جنگ میں پانچ ہزار راجپوت مارے گئے۔ اور دو ڈھائی ہزار زخمی ہوئے تو انہیں بڑا افسوس اور ملال ہوا۔ ساتھ ہی جب انہوں نے یہ بھی سنا کہ مسلمان کل ساڑھے تین سو ہی قتل ہوئے ہیں تو اور بھی رنج و فکر ہوا۔ اس قدر غم و اندوہ ہوا کہ بھوک نہ لگی کھانا بھی نہ کھایا۔

کچھ رات گئے انہوں نے تمام راجاؤں اور مہاراجاؤں کو دربار خاص میں طلب کر لیا۔ مہاراجہ سومنات اکثر رات ہی کو دربار کیا کرتے تھے۔ رات ہی کو کچہری کرتے تھے اور یہ معمولی یا غیر ضروری یا ضروری دربار اور کچہری دربار خاص میں ہی اس وقت ہوتی تھی۔ جب سومنات کے بت کو غسل دیا جاتا تھا۔

ہم بیان کر آئے ہیں کہ روزانہ گنگا کا پانی آتا تھا۔ اور دن چھپنے کے کچھ عرصہ کے بعد سومنات کو غسل دیا جاتا تھا۔

چنانچہ آج بھی جب سومنات کو غسل دیا جا چکا۔ تب دربار خاص منعقد ہوا۔ اور جب راجہ اور مہاراجہ آ گئے۔ جنہیں مدعو کیا گیا تھا تو مہاراجہ سومنات نے کہا۔

"آج آپ سب اصحاب نے دیکھا ہوگا۔ کہ مسلمانوں نے کس جیالاری، کس دلیری اور کس جوش سے حملہ کیا اور کس استقلال سے مرد میدان بنے۔ تیروں اور پتھروں کی بارش میں ڈٹے رہے کس طرح بڑھ کر فصیل کے نیچے پہنچ گئے۔ اور کس طرح فصیل توڑنے کی کوشش کی۔ اگر فصیل مضبوط نہ ہوتی تو وہ ضرور اس میں اس قدر شگاف پیدا کر لیتے جس میں سے کم سے کم ایک گھوڑا سوار بہ آسانی گذر سکے لیکن فصیل کی مضبوطی نے قلعہ کو فتح ہونے سے بچا لیا۔ پھر جس بیباکی اور ہمت سے وہ فصیل پر پہنچے۔ اور لڑے سچ پوچھو تو وہ انہیں کا حصہ تھا۔

سب سے زیادہ افسوسناک امر یہ ہے کہ آج پانچ ہزار جوانمرد راجپوت مارے گئے اور سب سے زیادہ حیرت میں ڈالنے والی بات یہ ہے کہ مسلمان صرف ساڑھے تین سو ہی کام آئے۔

اگر یہی لیل و نہار رہے) اگر جنگ اسی طرح ہوتی رہی اور بہادر راجپوت اسی طرح قتل ہوتے رہے۔ تو یقیناً مسلمان فتح یاب ہو جائیں گے اور یہ مقدس مقام جو ہندوستان بھر کے ہندوؤں کا تیرتھ گاہ ہے مسلمانوں کے قبضہ میں چلا جائیگا۔

آپ نے سنا ہوگا۔ سلطان محمود جس مقام کو فتح کرتا ہے اسے تاراج کر ڈالتا ہے یہ قلعہ۔ شہر اور مندر بھی "تاراج کر ڈالے جائیں گے۔ اور کوئی نہیں کہہ سکتا۔ ہمارا دیوتا بھی باقی رکھا جائیگا یا بت شکن سلطان گرز سے اس کے ٹکڑے اڑا دے گا"!

یہاں پہنچ کر مہاراجہ کی آواز بھاری ہوگئی۔ رنج و قلق نے اس کا گلا دبا دیا۔ اور وہ آگے کچھ نہ کہہ سکے۔ ایک مہاراجہ نے اُٹھ کر پر جوش لہجہ میں کہا۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ظالم و جابر سلطان قلعہ کو فتح کر کے شہر کو ویران کر دے۔ مندر کو تاراج کر ڈالے۔ اور ہمارے محترم و معظم اور باعظمت و جلال دیوتا سومنات جی کو ہاتھ بھی لگا سکے۔ یقین جانیے ایسا ہونے سے پہلے دیوتا سومنات جی مسلمانوں کو بھسم کر ڈالیں گے۔

مہاراجہ نے یاس بھرے لہجہ میں کہا۔ میں بھی ایسا ہی سمجھتا رہا ہوں لیکن اب کچھ ناامیدی ہونے لگی ہے۔ یا تو ہمارے اعتقادات میں فرق آگیا ہے۔ یا دیوتاؤں میں وہ عظمت و جلال باقی نہیں رہے جن کا تذکرہ پرانوں، مذہبی کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔

دوسرا مہاراجہ یہ بات نہیں ہے ہم وہی ہیں ہمارے اعتقادات وہی ہیں دیوتا بھی وہی ہیں۔ ان کے عظمت و جلال وہی ہیں۔ لیکن ابھی وہ وقت نہیں آیا ہے۔ جب دیوتا سومنات جی کو اپنا جلال ظاہر کرنے کا موقعہ ملے۔

مہاراجہ سومنات ـــــ وہ کب آئے گا کیا مسلمان ہم پر حملے نہیں کر رہے ہیں۔ کیا دیوتا سومنات جی کے عقیدت مند مارے نہیں جا رہے کیا عورتیں بیوہ نہیں ہو رہی ہیں کیا بچے یتیم نہیں ہو رہے ہیں۔ یہی وقت تو ہماری سہاتا (مدد) کرنے کا ہے۔

ایک راجہ ـــــ سہاتا (مدد) ہوگی اور ضرور ہوگی لیکن ابھی ہمارا امتحان لیا جا رہا ہے ہمارے صبر و ضبط کا ہمارے ہمت و استقلال کا۔ جب ہم امتحان میں پورے اُتر جائیں گے۔ تب دیوتا ہماری مدد کریں گے۔

مہاراجہ سومنات ـــــ میں بھی یہی کہنے والا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ ہم تعداد میں مسلمانوں سے کہیں زیادہ ہیں۔ لیکن جرأت و ہمت اور ضبط و استقلال میں ان سے کہیں کم ہیں۔ ہماری دون ہمتی یہ ہے کہ ہم زیادہ تعداد میں ہوتے ہوئے کم تعداد مسلمانوں سے ڈرے اور ڈرے ہوئے قلعہ بند ہیں۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ میدان میں نکل کر حملہ کرتے اور فتح یا شکست سے ہم کنار ہو جاتے۔

دوسرا راجہ ـــــ یہ آپ نے بالکل صحیح فرمایا میرے بھائی نے بھی ٹھیک کہا کہ ہمارا امتحان لیا جا رہا ہے۔ لیکن ہم امتحان میں پورے نہیں اترے۔ بلکہ ہم نے محصور ہو کر اپنی بہادری، نیک نامی اور شہرت پر بدنما دھبہ لگا لیا ہے۔ بات تو جب ہی تھی۔ جب مسلمانوں

کے آتے ہی قلعہ سے باہر نکل کر ان کے سامنے قیام کرتے اور ان سے کلہ بکلہ لڑتے۔

تیسرا راجہ ـــــ اب بھی کیا بگڑا ہے ہمارے پاس اب بھی کافی لشکر ہے ہم اب بھی میدان میں نکل کر مسلمانوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

مہاراجہ سومنات ـــــ یہ کیسے ممکن ہے جب کہ راجکماری چندر موہنی کو مسلمان اٹھا کر لے گئے۔ اور راجپوتوں کے خون میں حرارت نہ آئی۔ انہوں نے اس قومی بے عزتی کو ٹھنڈے دل سے برداشت کر لیا۔ اگر ان میں ذرا بھی غیرت، تھوڑی بھی ہمت اور برائے نام بھی جرأت ہوتی تو میرے روکنے پر بھی نہ رکتے۔ اور مسلمانوں پر جا ٹوٹتے ان کی ہڈیاں توڑ ڈالتے۔ ان کے جسموں کے ٹکڑے کر دیتے۔ ان کا وجود مٹا دیتے اور یا پھر خود مٹ جاتے۔ خود مسلمانوں کی تلواروں سے ذبح ہو جاتے۔

ایک مہاراجہ ـــــ آپ یہ صحیح فرما رہے ہیں۔ لیکن آپ کو معلوم نہیں ہے کہ راجپوتوں کو کس قدر رنج ہے۔ ان میں کس قدر جوش ہے لیکن وہ مجبور ہیں اپنے جوش کو اس لیے دبا رہے ہیں کہ انہیں قلعہ سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔

مہاراجہ سومنات ـــــ مگر مجھ سے آج تک کسی نے یہ بات نہیں کہی۔

دوسرا مہاراجہ ـــــ دراصل ہم سب آپ کی طرف دیکھتے رہے ہم سب آپ کی مدد کرنے آئے ہیں۔ آپ کے حکم کی تعمیل کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ اپنی طرف سے کچھ کہنا یا کرنا نہیں چاہتے۔ آپ ہمیں حکم دیں پھر دیکھیں ہم کس طرح میدان میں نکل کر کس جوش سے مسلمانوں پر حملہ کرتے ہیں۔

مہاراجہ سومنات نے مجمع کی طرف دیکھ کر کہا۔ کیا آپ سب میدان میں نکل کر مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کو تیار ہیں؟

ہر شخص نے بلند آواز سے کہا جی ہاں ہم سب تیار ہیں۔

مہاراجہ سومنات ـــــ اچھا اب آپ یہ غور کریں کہ کیا قلعہ سے باہر نکل کر حملہ کرنا مناسب ہے۔

ایک راجہ ـــــ میرے خیال میں نامناسب بھی نہیں ہے۔

دوسرا راجہ ـــــ اگر سچ پوچھو تو مسلمانوں کی ہمت اسی وجہ سے بڑھی ہوئی ہے کہ ہم انہیں دیکھ کر کہا چوہا بل میں گھس جاتا ہے۔ اگر ہم میدان میں نکل کر ان پر حملہ کر دیں تو وہ

دب جائیں۔ پھر یا تو ان شرائط پر صلح کریں جو ہم پیش کریں۔ یا ڈر کر بھاگ جائیں۔

تیسرا راجہ ـــــــ آپ نے یہ باتیں میری زبان سے چھین لیں ہیں میں بھی یہی کہنے والا تھا۔ ہمیں ضرور قلعہ سے نکل کر حملہ کرنا چاہیئے۔

پھر سب نے کہا "یہی رائے ان سب کی ہے۔ میدان میں نکل کر حملہ کرنا ہی مناسب ہے"

مہاراجہ سومنات ـــــــ تب تم سب آج رات کو تیاری کر لو۔ میرا ارادہ صبح سویرے ہی حملہ کرنے کا ہے۔ آپ سب اپنے اپنے لشکر لے کر قلعہ کے دروازہ پر آجائیں۔

سب نے کہا۔ ہم اس حکم کی تعمیل کریں گے۔

مہاراجہ سومنات ـــــــ اچھا تو اب جایئے اور ہر سپاہی سے کہہ دیجیئے کہ مارنے یا مرنے کے لیے میدان میں نکلے۔ یا کل غروب والے آفتاب کی کرنیں مسلمانوں کی لاشوں پر پڑیں گی یا مردہ راجپوتوں پر جنگ کا فیصلہ کل ہی کرنا ہوگا۔

سب نے اٹھتے ہوئے کہا۔ دیوتا جی نے چاہا تو کل مسلمانوں ہی کی لاشوں پر سورج کی آخری کرنیں پڑیں گی۔

سب راجہ اور مہاراجہ رخصت ہو کر چلنے لگے۔ جب یہ لوگ جا رہے تھے اس وقت سکھدیو آرہا تھا۔ وہ واقف کار راجاؤں مہاراجاؤں سے ملتا اور سلام کرتا مہاراجہ سومنات کے حضور میں پہنچا۔ اور نہایت ادب سے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ انہیں سلام کر کے بیٹھ گیا۔

مہاراجہ نے کہا۔ خوب وقت پہ آئے سکھدیو۔ آج کونسل نے یہ طے کر دیا ہے کہ صبح قلعہ سے نکل کر مسلمانوں پر حملہ کیا جائے۔

سکھدیو نے بظاہر خوش ہو کر قطع کلام کرتے ہوئے کہا "نہایت مناسب فیصلہ کیا ہے۔ میں بھی اس وقت یہی عرض کرنے حاضر ہوا تھا۔

مہاراجہ ـــــــ بس تو تم بھی اپنا لشکر لے کر دن نکلنے سے پہلے دروازہ پر پہنچ جاؤ۔

سکھدیو ـــــــ ایسا ہی ہوگا۔ میں ایک اور بات بھی عرض کرنے آیا تھا۔ مہاراجہ نے اس کے چہرہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "کہو"

سکھدیو ـــــــ مجھے اور تمام راجاؤں اور مہاراجاؤں کو دھرمپال پر بڑا غصہ ہے سب یہ چاہتے ہیں کہ اسے اس کی غداری کی کل ہی سزا ملے۔ بہتر یہ ہے کہ اسے قتل کرنے کے بعد حملہ کیا جائے۔

مہاراجہ نے انقطاعی لہجہ میں کہا۔ ابھی نہیں اسے الزام اس پر لگانے کے بعد جواب دہی کرنے اور صفائی دینے کا موقع دیا جائے گا۔ اور یہ بات جنگ کے فیصلہ کے بعد ہو گی۔

سکھدیو کو اور کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔ مہاراجہ اٹھ کر چلے گئے۔ وہ بھی با دل ناخواستہ چلا آیا۔

چوبیسواں باب

سلطانی تجویز

سلطان غازی محمود بھی اسلامی علم کے نیچے کھڑے شیرانِ اسلام کو تیروں اور پتھروں کی بے پناہ بارش میں سینہ سپر ہوتے اور موت کی پرواہ نہ کرکے بڑھتے اور فصیل پر چڑھ کر لڑتے دیکھ چکے تھے۔

مسلمانوں کا جوشِ جہاد اور شوقِ شہادت دیکھ کر ان کے دل میں بھی حرارت پیدا ہو رہی تھی۔ وہ خود بھی یورش کرکے قلعہ کی فصیل پر پہنچنا چاہتے تھے۔ لیکن انہیں ان کے لشکر کے افسر جو سلطان کے پیچھے جان تمام اوسان کے پسینہ کی جگہ خون گرانے والے تھے انہیں روکے رہے تھے۔

پھر بھی ایک مرتبہ جب فصیل پر چڑھتے ہوئے مسلمانوں پر راجپوتوں نے یورش کی تھی تو انہیں ایسا جوش آگیا تھا کہ وہ صفوں کو چیر کر بڑھنے لگے تھے۔ لیکن جاں نثارانِ خاص نے انہیں سمجھایا اور کہا کہ اعلیٰ حضرت ذرا توقف فرمائیں۔ شاہی خدام اور سلطانی جاں نثاروں کی دلیری دیکھ لیں۔ سرفروش مجاہدین کو جانبازی کا موقع دیں۔ ابھی سلطان کے یورش کرنے کا وقت نہیں آیا ہے۔

سلطان نے فرمایا تھا۔ راجپوت مسلمانوں پر یورش کر رہے ہیں۔ میرا خون میرے جسم میں جوش حرارت سے کھول رہا ہے۔ میں کیسے اس بات کو گوارا کر لوں۔ کہ مسلمان شہید ہوں اور میں کھڑا تماشہ دیکھتا رہوں۔

حقیقت میں سلطان کو بڑا جوش آگیا تھا۔ انہیں مسلمانوں سے بڑی ہمدردی اور محبت تھی۔ وہ حقیقی معنوں میں انہیں اپنی اولاد یا اپنا بھائی سمجھتے تھے۔ ان کا جی چاہتا تھا کہ وہ بھی مجاہدین کے ساتھ فصیل پر چڑھ جائیں۔ اور راجپوتوں سے لڑ کر داد شجاعت دیں۔

لیکن سلطانی خیر اندیشوں نے انہیں سمجھا بجھا کر ان کے جوش کو ٹھنڈا کیا اور حملہ کرنے سے روک لیا۔

سلطان کا جوش و خروش دیکھ کر سلطانی لشکر اور رسالہ خاص کے سواروں کو بھی جوش و غصہ آگیا تھا۔ وہ بھی سر بکف ہو کر بڑھنا اور بڑھ کر فصیل پر پہنچنا چاہتے تھے۔ لیکن افسروں نے انہیں بھی اس کی اجازت نہ دی۔

دراصل سلطانی لشکر کے افسر یہ چاہتے تھے کہ التونتاش اور امیر علی خویشاوند کے دستے مصروف پیکار رہیں اور سلطانی لشکر الگ کھڑا رہے جس سے راجپوتوں کو خیال رہے کہ ابھی تو تھوڑے سے مسلمان ہی جنگ میں کود کر ان کا قافیہ تنگ کر رہے ہیں اگر کسی وقت سارا لشکر حملہ آور ہو گیا تو ان کو عافیت معلوم ہو جائے گی۔

ان کی یہ تدبیر نہایت مناسب رہی۔ راجپوت جو فصیل پر تھے وہ دیکھ رہے تھے کہ بہت تھوڑے سے مجاہدین نے قلعہ پر دھاوا کیا تھا۔ اور باقی تمام لشکر پرے جمائے خاموش کھڑا تھا۔ وہ ان تھوڑے سے مسلمانوں کی بہادری اور جرأت دیکھ کر مرعوب ہو گئے۔ ان کے دلوں پر مسلمانوں کی دلیری کی دھاک بیٹھ گئی۔ اور وہ یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ اگر سارا اسلامی لشکر قلعہ پر ٹوٹ پڑا تو ان کے ہاتھوں سے اس کا بچانا ناممکن ہو جائے گا۔

شام کے وقت جب جنگ بند ہوئی اور اسلامی دستے واپس لوٹے تو سلطان نے حکم دیا کہ آج تمام لشکر ایک ہی جگہ مغرب کی نماز ادا کرے۔

اس سے پہلے پانچ جگہ جماعت ہوتی تھی۔ ایک حاجب علی کے دستہ میں دوسری طارق اور ریحان کے دستہ میں۔ تیسری امیر علی خویشاوند کے دستہ میں، چوتھی التونتاش کے دستے میں اور پانچویں خود سلطان کے لشکر میں۔

چونکہ آج التونتاش امیر علی خویشاوند اور سلطانی لشکر مل گئے تھے۔ اس لیے ان تینوں لشکروں کے سپاہیوں نے دن چھپتے ہی گھوڑوں سے اتر کر وضو کیے چند خوش الحان مجاہدوں نے مل کر پر زور آواز سے اذان دی۔ اذان کے بعد جماعت کھڑی ہوئی۔ غازیانِ اسلام صف در صف خدائے بے نیاز کے دربار میں ہاتھ باندھ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔

یہ بات مخفی نہ رہے کہ غازی سلطان محمود اور ان کے لشکر کا ہر سپاہی حنفی مذہب کا پیرو تھا۔

افسروں نے بڑھ کر صفیں ایسی سیدھی کر دیں کہ کہیں نام کو بھی خم نہ رہا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہمیشہ نماز کے وقت جماعت میں کسی صف میں ذرا سا بھی خم نہ ہو۔ چنانچہ مسلمان اس بات کا خاص طور پر خیال اور لحاظ رکھتے تھے۔ لیکن اس زمانہ کے ہم مسلمان اس امر کا بھی لحاظ نہیں رکھتے ہیں۔

جمعۃ الوداع یا عیدین کی نماز میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ صفیں اس درجہ ٹیڑھی ہو جاتی ہیں کہ ایک صف دوسری سے جا ملتی ہے۔ لیکن کسی اللہ کے بندہ کو اس کا خیال نہیں ہوتا۔ اور اگر اس طرف لوگوں کو توجہ دلائی جاتی ہے تو وہ کاہل وجودی کے باعث اٹھ کر صفیں سیدھی کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔

مسلمان سن رکھیں یہ بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی ہے۔ اور جو مسلمان اللہ اور اللہ کے رسول صلعم کی عدول حکمی کرتا ہے۔ اس کا ایمان مکمل نہیں ہے۔ مسلمان تو وہ ہے جو خدا اور خدا کے محبوب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پوری اطاعت کرے۔

مسلمانوں کی شان امتیازی یہی ہے کہ وہ خدا اور خدا کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی تعمیل کرے جس طرح انسان اشرف المخلوقات ہے اسی طرح مسلمان اشرف الامت ہے۔ اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اشرف الانبیاء ہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: لَتُسَوُّنَّ صُفُوفَكُمْ أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ وُجُوهِكُمْ (مسلم) یعنی نماز میں صفوں کو سیدھا کرو۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے قلوب میں اختلاف ڈال دے گا۔

تعجب ہے کہ اس صاف و صریح حدیث پاک کے ہوتے ہوئے مسلمان صفوں کو سیدھا کرنے کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ ضرورت ہے کہ ہر شخص صفیں سیدھی کرنے کی کوشش کرے۔ خدا ایسے لوگوں کو ثواب دے گا۔

غرض صفیں سیدھی ہو گئیں اور خود سلطان نے امام بن کر مغرب کی نماز پڑھائی۔

نماز پڑھ کر ہر دستہ اپنے اپنے جائے قیام پر پہنچ کر کھانے کے انتظام میں مصروف ہوا۔ چونکہ آج تمام دن مسلمان یا تو لڑتے رہے تھے یا کمربستہ کھڑے رہے تھے۔ اس لیے انہیں دوپہر کا کھانا نصیب نہ ہوا تھا۔ ہر شخص کو بھوک لگ رہی تھی۔ اور ہر سپاہی چاہتا تھا کہ کھانا تیار مل جائے۔ تو وہ کھانے لگے۔ جب کہ ہر شخص میدان جنگ میں پہنچ گیا تھا تو کون اور کس کس کے لیے کھانا تیار کرتا۔

آخر سب نے خود ہی کھانا تیار کیا اور کئی کئی آدمیوں نے مل مل کر کھایا۔

عشا کی نماز کے بعد سلطان نے مشہور افسروں کو طلب کر کے کہا اس میں شک نہیں کہ آج مسلمانوں نے بڑی جی داری اور نہایت سرفروشی سے کام لیا لیکن قلعہ پر رسائی پھر بھی نہ ہوئی۔ اگر اسی طرح جنگ ہوتی رہی تو بہت طول پکڑے گی اور ہم لڑائی کو طول دینا پسند نہیں کرتے۔ ایک تو رسد کی طرف سے فکر ہے۔ کہیں رسد ختم نہ ہو جائے اور مجاہدوں کو فاقہ کشی کرنی پڑے۔ دوسرے ہمارا دارالسلطنت سے زیادہ عرصہ تک دور اور غیر حاضر رہنا بھی مناسب نہیں۔ کہیں سرحدی لوگ جو کافر ہیں پایہ تخت کو خالی دیکھ کر نہ چڑھ دوڑیں۔ تیسرے جوں جوں دیر ہوتی جاتی ہے۔ سومنات کے محصورین کو مدد پہنچتی جاتی ہے۔ اس لیے ہم یہ چاہتے ہیں کہ جلد سے جلد اس جنگ کا فیصلہ ہو جائے۔

التونتاش نے کہا۔ عالم پناہ نے جس بات کو آج ظاہر فرمایا ہے ہم خدامان سلطانی نے اسے پہلے ہی سے سوچ اور سمجھ لیا تھا۔ ہم سب اپنی مقدور بھر کوشش کر رہے ہیں لیکن آج معلوم ہو گیا کہ فصیل اس قدر مضبوط ہے کہ اس کا توڑنا آسان اور ہنسی کھیل نہیں۔ تقریباً ایک پہر کامل جوانمردوں نے اسے توڑ ڈالنے کی کوشش کی لیکن اتنا بھی رخنہ پیدا نہ کر سکے۔ جس میں بلی بھی گذر جائے۔ اور چونکہ کمندوں اور سیڑھیوں کے ذریعہ سے تمام لشکر کا فصیل پر پہنچ جانا ممکن ہے اس لیے یہ طریقہ بھی کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتا ہے۔

امیر علی ــــ میں دیکھ رہا تھا کہ مسلمانوں نے قلعہ پر رسائی حاصل کرنے کے لیے بڑی محنت و مشقت کی۔ مگر کوئی کوشش کارگر نہ ہوئی۔

سلطان ــــ یہ بات ما بدولت بھی دیکھ رہے تھے مسلمانوں کی جرأت و ہمت قابل داد تھی۔ لیکن سوچنا تو یہ ہے کہ کیا تدبیر کی جائے۔ جس سے قلعہ پر چڑھائی ممکن ہو۔

التونتاش ــــ اگر روغن نفت مل جائے تو قلعہ پر چھڑک کر آگ لگا دی جائے

سلطان ــــ مگر ما بدولت اسے پسند نہیں کرتے قلعہ مضبوط اور عمدہ ہے۔ اسے جلا ڈالنا انسانیت نہیں ہے۔ پھر ہم یہاں رہنے اور اس سرزمین پر سلطنت کرنے نہیں آئے۔ ہمارا مدعا چندروز ہی کو حاصل کرنا ہے۔ اس کے لیے قلعہ اور شہر کو برباد کر دینا بڑا ظلم ہے۔

امیر علی ــــ تب ہم سب مل کر کل پورے جوش و خروش سے حملہ کریں گے۔ اور قلعہ کے تینوں اطراف سے یورش کر کے راجپوتوں کی تو بہ ہٹا کر کسی نہ کسی سمت سے اوپر چڑھنے

میں کامیابی حاصل کر لیں گے۔

التونتاش ـــــ بہتر ہے کل اسی طرح کیا جائے گا۔

سلطان ـــــ مجاہدین کو اس بات پہ آمادہ کیجیے۔ کہ جس طرح بھی ہو سکے وہ قلعہ پہ چڑھنے یا فصیل توڑ ڈالنے کی جد و جہد کریں۔

امیر علی ـــــ ایسا ہی کیا جائے گا۔

سلطان ـــــ اچھا اب تخفیف تصدیعہ کیجیے۔

سب لوگ اٹھ اٹھ کر چلے گئے اور ہر سپہ سالار نے اپنے ماتحت افسروں سے سلطانی فرمان سنا کر اس کی تعمیل کی ہدایت کر دی۔

اور ہر افسر نے ہر سپاہی تک یہ فرمان پہنچا دیا۔ مسلمان رات کو نہایت اطمینان اور آرام سے سوئے اور صبح ہوتے ہی اذان کی آواز سن کر اٹھے۔ ضروریات سے فراغت کی اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھی۔

ابھی دعا مانگ کر مسلمان فارغ ہی ہوئے تھے اور میدان میں قدرے اندھیرا پھیلا ہوا تھا کہ پھاٹک کھلنے کی آواز آئی۔

جوں ہی مسلمانوں نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔ انہیں راجپوتوں کے رسالوں کا سیلاب قلعہ سے نکل نکل کر میدان کی طرف بہتا ہوا نظر آیا۔

رفتہ رفتہ اندھیرا چھٹنے لگا۔ اور روشنی پھیلنے لگی۔ اور اب مسلمانوں نے پورے طور پر دیکھا کہ بہادر راجپوتوں کا ٹڈی دل لشکر قلعہ سے نکل کر بڑی تیزی سے ان کی طرف بڑھ رہا ہے۔

تمام مسلم افسروں اور سپہ سالاروں نے مسلمانوں کو جلدی سے مسلح ہو کر میدان میں نکلنے کا حکم دیا۔

مسلمان اپنے خیموں کی طرف دوڑے اور جلد جلد مسلح ہو کر میدان جنگ میں پہنچنے اور صف بستہ ہونے لگے۔

پرجوش حملہ

راجپوتوں کے رسالے نہایت تیزی سے قلعہ سے نکل نکل کر میدان میں پھیلتے جاتے تھے۔ انہیں دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سومنات کا ہر شخص فوج میں بھرتی ہو کر نکل آیا ہے۔ ان کی کثرت سے میلوں لمبا چوڑا میدان پٹ گیا تھا۔

مسلمان بھی تیزی اور پھرتی سے میدان میں بڑھ بڑھ کر صف بستہ ہونے لگے تھے ان سے کچھ دور کے فاصلہ پر راجپوتوں نے صفیں مرتب کرنی شروع کر دی تھیں۔

اسلامی لشکر کے میسرہ میں التونتاش میمنہ میں امیر علی خویشاوند اور قلب میں خود سلطان تھے۔ اور ہر دستہ میں متعدد چھوٹے بڑے افسر تھے۔

راجپوتوں نے بھی مسلمانوں کی طرح میمنہ، میسرہ اور قلب قائم کر لیا تھا۔ اور چونکہ ان میں راجہ اور مہاراجہ کثرت سے تھے۔ اس لیے ہر دستہ میں وہی افسر مقرر کئے گئے تھے۔ مہاراجہ سومنات قلب کی پشت پر تھے۔ ان کے ساتھ ہی سکھدیو تھا۔

جب مسلمانوں نے راجپوتوں کی طرف دیکھا، تو انہیں ہر طرف ان کے دستے پھیلے اور تمام میدان ان سے لبریز نظر آیا۔

سلطان نے اپنے خادم خاص سے آہستہ سے کہا۔ جا وہ خرقہ جناب شیخ ابوالحسن خرقانی کا لے آئے۔

خادم چلا گیا۔ اور تھوڑی ہی دیر میں خرقہ لے کر آ گیا سلطان کو اسلامی بزرگوں سے بڑی عقیدت تھی۔ انہوں نے خرقہ جناب شیخ ابوالحسن خرقانی کا لے لیا اسے چوما اور گھوڑے سے اترے۔

خادم نے جلدی سے مصلیٰ بچھا دیا۔ سلطان نے خرقہ اوڑھ کر نہایت خشوع و خضوع سے دعا مانگی۔

«اے پاک پروردگار! مسلمان تیری امداد کے بھروسہ پہ وطن سے دور دشمنوں کے ملک میں کافروں سے جہاد کرنے آئے ہیں۔ ان کی کثرت سے میدان بھر گیا ہے میرے مولا مسلمانوں کی مدد کر۔ اگر تیرے پرستاروں کو شکست ہو گئی۔ تو مجھ گنہگار کی وجہ سے اسلام کو زبردست نقصان پہنچے گا اور مسلمانوں کی ہوا اکھڑ جائے گی۔ اللہ العالمین!!! اپنے رسول پاک کے صدقہ میں اور اپنے حبیب ولی کامل حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی کے طفیل میں مسلمانوں کی مدد کر۔ اسلام کو رسوا اور مسلمانوں کو ذلیل ہونے سے بچا لے۔ تو بڑا کارساز اور زبردست مدد کرنے والا ہے شیخ کے اس خرقہ کی لاج رکھ لے۔ اپنے گنہگار بندہ محمود کی لاج رکھ لے!!»

لہ تاریخ اسلام جلد اول صفحہ ۲۸۹

اضطراب و سناٹے کے عالم میں کھڑے تھے۔ بار بار کبھی ہندوؤں کے ٹڈی دل لشکر کی طرف دیکھتے اور کبھی آسمان کی طرف دیکھ لیتے تھے۔

راجپوتوں کا تمام لشکر حرکت میں تھا میمنہ سے قلب اور قلب سے میسرہ تک پرجوش راجپوتوں کے دستے دریا کی لہروں کی طرح بڑھ رہے تھے۔

دفعتہً سلطان سنبھلے اور انہوں نے اللہ اکبر کا پرشور نعرہ لگایا مسلمان جو عالم خود رفتگی میں کھڑے تھے چونکے۔ اور انہوں نے اس زور سے نعرہ تکبیر بلند کیا کہ زمین لرز گئی۔ فضا تھرا گئی۔ اور راجپوتوں کے نقاروں کی آواز اس زور و شور میں مدغم ہو کر رہ گئی۔

اب عساکر اسلامیہ نے حرکت کی۔ اسلامی رسالے بھی شان و دبدبہ سے ساتھ بڑھتے اور دشمنوں کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے لگے۔ ان کے سفید لباس اور چمچماتے ہتھیار آفتاب کی شعاعیں پڑنے سے جگمگا رہے تھے۔

راجپوتوں نے تیر افگنی شروع کی مسلمانوں نے بھی کمانیں سنبھالیں اور تیروں کی باڑھ ماری۔ دونوں فریقوں نے اس کثرت سے تیر چلانے شروع کئے کہ بسا اوقات آفتاب تیروں کے پیچھے چھپ جاتا تھا۔ بالکل اس طرح جیسے ہلکا ابر چھا گیا ہو۔

ان جان لیوا تیروں نے مرد میدان سرفروشوں کو زخمی کرنا شروع کر دیا۔ جس جانور یا جس انسان کے جس جگہ جا کر لگتے تھے جسم کے اسی حصہ میں پیوست ہو جاتے تھے۔ زخمی گھوڑے زقند ہو کر کودنے لگتے تھے۔ اور مجروح انسان گھوڑوں سے گر کر یا تو سموں سے روندے جاتے تھے یا تڑپنے اور تلملانے لگتے تھے۔

چونکہ تیر نہایت کثرت سے برسائے جا رہے تھے اس لیے فریقین کے رسالے ان تیروں کو ڈھالوں پر روکتے ہوئے قدم قدم بڑھ رہے تھے۔ اور چونکہ ایک فریق دوسرے کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا۔ اس لیے متخاصمین کا فاصلہ ہر لحظہ کم ہوتا جاتا تھا۔ پھر بھی ابھی ایک لشکر دوسرے لشکر سے کافی دوری پر تھا۔ اکثر تیر جو پوری قوت سے نہیں چھوڑے جاتے تھے۔ درمیان ہی میں گر پڑتے تھے اور ایسے تیر زیادہ تر راجپوتوں کی طرف سے چلائے جاتے تھے یا تو وہ عجلت میں پوری قوت سے کمان کھینچ کر تیر چھوڑتے تھے۔ یا ان کے بازوؤں میں اس قدر طاقت ہی نہ تھی۔ کہ وہ زور سے چلہ کھینچ کر تیر چھوڑتے اور وہ زور پر جا کر لگتا۔

سلطان دعا مانگتے جاتے تھے۔ اور آنسوؤں کا سیلاب بہاتے جاتے تھے۔ وہ اس قدر روئے اور اس قدر ان کے آنسو جاری ہوئے کہ ان کی داڑھی تر ہو گئی۔

کچھ دیر کے بعد ان کے قلب کو سکون ہو گیا۔ وہ اٹھے ان کے دل میں جوش کا دریا امنڈ آیا۔ فکر و تردد دور ہو گئے۔ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر پلٹے اور سب سے اگلی صفوں کے سامنے جا کر میمنہ اور میسرہ کی طرف چلے۔

انہیں دیکھتے ہی مسلمانوں نے ادب و تعظیم سے سر جھکا دیئے سلطان نے پورا چکر لگایا اور بیچ درمیان میں ٹھہر کر پرجوش لہجہ میں بولے "مسلمانو اس بات سے اندیشہ نہ کرنا کہ تم تھوڑے اور بہت ہی تھوڑے اور دشمن زیادہ ہے بہت ہی زیادہ۔ مسلمان ہمیشہ خدا کے بھروسہ پر لڑتا رہا ہے۔ اور خدا نے ہمیشہ مسلمانوں کی مدد کی ہے۔ انشاءاللہ آج بھی وہ ہماری مدد کرے گا مسلمانوں کی شان ہی یہ رہی ہے کہ تھوڑے ہو کر بھی کثیر التعداد دشمنوں سے لڑے اور فتح یاب ہوئے ہیں۔ تم خدائے واحد و بزرگ کے پرستار ہو۔ خدا نے مسلمانوں سے جنت کا وعدہ کیا ہے۔ جنت شمشیر کے سایہ میں ہے۔ اور شہادت جہاد کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ لڑو اور جی کھول کر لڑو۔ اس طرح لڑو جو تمہاری روایات دیرینہ کو تازہ کر دے جو لوگ خدا کو چھوڑ کر بتوں، پتھروں، درختوں، جانوروں، دریاؤں اور دوسری چیزوں کو پوجتے ہیں۔ قدرتی طور پر وہ بہادر نہیں ہو سکتے۔ تمہارے شدید حملے انہیں پسپا کر دیں گے۔"

اس تقریر نے مسلمانوں کے دلوں میں جوش و دلیری کی لہریں اٹھا دیں۔ وہ سرفروشی کے لیے تیار ہو گئے۔"

راجپوتوں کے لشکر میں نقارے بجائے جانے اور سنکھ پھونکے جانے لگے۔ چونکہ ہر دستہ میں فوجی باجے بجنے لگے تھے۔ اس لیے تمام میدان گونج اٹھا تھا۔

مسلمانوں اور ہندوؤں کے لشکروں میں ایک تیر سے زیادہ کا فاصلہ تھا دونوں فوجیں کیل کانٹے سے لیس بڑھنے حملہ کرنے اور لڑنے کے لیے تیار کھڑی تھیں۔

تھوڑی ہی دیر میں راجپوتوں نے جے کارے لگائے۔ اور ان کے رسالے آہستہ آہستہ مسلمانوں کی طرف بڑھنے لگے۔ وہ اس طرح کمان کی قسم کے دائرہ میں بڑھ رہے تھے جیسے مسلمانوں کے گرد چھا جائیں گے۔ اور انہیں گھوڑوں کے سموں سے روند ڈالیں گے

تمام تاریخوں میں لکھا ہے کہ راجپوتوں کے اس پرزور حملہ کو دیکھ کر سلطان محمود غازی

اس کے علاوہ راجپوتوں کے تیر بے ترتیبی سے چل رہے تھے۔ ہر دستہ کے تیر آگے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ اس سے مسلمانوں کو ان سے بچنے کا کافی موقع مل جاتا تھا۔ اور وہ ڈھالوں پر انہیں روک کر گرا دیتے تھے۔

لیکن مسلمان پوری قوت سے کمان کھینچتے تھے۔ نہایت طاقت سے تیر پھینکتے تھے۔ اور اس طرح باڑھیں مارتے تھے۔ کہ تمام تیر برابر برابر فضا کو چیرتے ہوئے دشمنوں پر جا کر گرتے تھے۔ جب کوئی باڑھ راجپوتوں پر جا کر پڑتی تھی۔ تو اکثر و بیشتر سواروں کو مجروح کر کے گھوڑوں سے نیچے گرا دیتی تھی۔ اور جو راجپوت زخمی ہو کر گر پڑتے تھے وہ چلاتے اور مسلمانوں کو گالیاں دینے لگتے۔

لیکن فوراً ہی ان مجروح سپاہیوں کو یا تو ان کے ہی گھوڑے روند ڈالتے تھے یا پچھلی صف کے سوار آگے بڑھ کر انہیں مسل دیتے تھے۔

اس تیروں کی لڑائی میں مسلمانوں سے زیادہ راجپوتوں کا نقصان ہو رہا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جس ڈھنگ اور جس طریقہ سے مسلمان تیر چلاتے تھے راجپوت اس سے ہرگز واقف نہ تھے۔ اگرچہ راجپوتوں کے تیر بڑے بھل چوڑے اور بہت تیز تھے۔ برعکس اس کے مسلمانوں کے تیر تکلے کی طرح چھوٹے پھل معمولی اور مضحکہ خیز نظر آتے تھے۔ لیکن راجپوتوں کے تیروں سے کہیں زیادہ مسلمانوں کے تیر کارگر ہو رہے تھے۔

راجپوتوں کے تیر پھل بڑے ہونے کی وجہ سے زخم تو چوڑا لگاتے تھے لیکن جسم کے اندر زیادہ دور تک نہ جاتے تھے اور مسلمانوں کے تیر جس عضو پر پڑتے تھے اس کے اندر جاتے تھے۔ بسا اوقات ہڈیوں تک میں ترازو ہو جاتے تھے۔

اس لیے اس تیر افگنی سے مسلمانوں سے زیادہ ہندوؤں کو نقصان پہنچ رہا تھا۔ راجپوت زخم کھا کھا کر گرتے تھے۔ اور ان کے گھوڑے گھبرائے ہوئے دولتیاں جھاڑتے پھر رہے تھے اکثر یہ گھوڑے جب تیر کھا کر زخمی ہوتے تھے۔ تو بے تحاشا اپنے ہی سواروں کی صفوں میں گھس کر ابتری پھیلا دیتے تھے۔ مجبوراً راجپوتوں کو ان بے سوار گھوڑوں کو قتل کر کے ان کے شر سے محفوظ ہونا پڑتا تھا۔

چونکہ دونوں فریق جوش و غضب میں بھرے ہوئے جان لیوا تیروں کی پرواہ نہ کرتے برابر بڑھ رہے تھے۔ اس لیے اب انکی صفیں ٹکرا گئیں۔ اور کچھ اس زور و قوت سے ٹکرائیں۔ کہ بہادروں

پچیسواں باب

آتشِ جنگ

جوں ہی مسلمانوں اور راجپوتوں کی صفیں ایک دوسرے سے ہم آغوش ہوئیں۔ فوراً ہی فریقین نے کمانیں شانوں پر ڈالیں اور راجپوتوں نے اپنے چوڑے چوڑے کھانڈے سنبھالے اور مسلمانوں نے لچکدار سمرقندی تلواریں اٹھائیں۔

کھانڈے اور تلواریں اتنی شفاف اور چمکدار تھیں کہ سورج کی کرنیں پڑنے سے آئینہ کی طرح چمکنے لگیں۔

مسلمانوں کی ڈھالیں یا تو سیاہ دھات کی تھیں اور یا گینڈوں کی کھالوں کی تھیں۔ اور وہ کالی تھیں۔ لیکن راجپوتوں کی ڈھالیں کسی سفید دھات کی تھیں جو رنگ سے بھی چاندی کی معلوم ہوتی تھیں۔ دھوپ پڑنے کی وجہ سفید سفید چمک رہی تھیں۔

چونکہ دونوں فریق جوش و غضب میں بھرے ہوئے تھے اس لیے کھانڈے اور تلواریں سونت سونت کر ایک دوسرے پر بڑے زور سے حملہ آور ہوئے۔

ان کھانڈوں اور تلواروں سے بچنے کے لیے مسلمانوں نے اپنی سپریں اور ہندوؤں نے سفید ڈھالیں اٹھالیں۔

اس وقت عجیب منظر ہو گیا تھا۔ مسلمانوں کی سیاہ ڈھالیں اور راجپوتوں کی سفید ڈھالیں اور مسلمانوں کی نازک اور لچکدار تلواریں اور راجپوتوں کے چوڑے چوڑے کھانڈے نہایت ہولناک نظارہ پیش کر رہے تھے۔

راجپوت مسلمانوں پر پل پڑے تھے۔ اور مسلمان راجپوتوں پر ٹوٹ پڑے تھے۔ کہیں کھانڈوں سے تلواریں، تلواروں سے کھانڈے ٹکرا رہے تھے۔ اور کہیں کھانڈے ڈھالوں پر اور تلواریں سپروں پر پڑ رہی تھیں۔

جنگ شروع ہو گئی۔ موت کے فرشتے سرفروش جانبازوں کے سروں پر منڈلانے لگے تھے سروں کے فیصلے ہونے لگے تھے۔ ہاتھ پیر سر دھڑ کٹ کٹ کر گرنے لگے تھے۔ خون کی بارش ہونے لگی اور خون کے پرنالے بہنے لگے تھے۔

چونکہ میمنہ سے قلب اور قلب سے میسرہ تک ایک ساتھ ہی جنگ ہو گئی تھی اور میمنہ سے میسرہ کئی میل کے فاصلہ پر تھا۔ اس لیے اتنی وسعت میں تلواروں کا کھیت اگا ہوا نظر آتا تھا کہ اٹھیں تلواریں اتنی جلدی جلدی اٹھ رہی تھیں کہ دیکھنے والوں کو یہ دھوکا ہوتا تھا کہ لوگ انہیں دست بقبضہ کھڑے ہیں یا ان سے جدال و قتال کر رہے ہیں۔

راجپوتوں نے حسب عادت زور زور سے چلانا اور شور مچانا شروع کر دیا تھا اور فوجی باجے بھی تیزی سے بجانے اور شنکھ زور زور سے پھونکے جانے لگے تھے۔ ان مختلف آوازوں سے نہ صرف تمام میدان جنگ ہی گونجنے لگا تھا بلکہ اس شور کی آواز میلوں دور جا رہی تھی۔

راجپوت غضب ناک ہو کر مسلمانوں کی صفوں میں گھس گئے تھے اور مسلمانوں نے جوش میں آ کر راجپوتوں کی صفوں کو الٹ دیا تھا۔ نہایت گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی۔ موت جس سرعت سے اپنی کھیتی کاٹ رہی تھی۔ سروں پر سر اچھل اچھل کر گر رہے تھے۔ لاشوں پر لاشیں گرتی جاتی تھیں۔ ہاتھ اور پیر بھی بے شمار کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ خون کے فوارے اس طرح ابل رہے تھے جیسے زمین سے خون کی دھاریں بلند ہونے لگی ہوں۔

جوں جوں خونریزی بڑھتی جاتی تھی۔ ہمت شکن بہادروں کا جوش و خروش بھی بڑھتا جاتا تھا۔ راجپوت بھی قتل ہو رہے تھے اور مسلمان بھی شہید ہو ہو کر گر رہے تھے۔ لڑائی کی چکی دونوں فریقوں کو پیس رہی تھی اور آتش جنگ مسلمانوں اور ہندوؤں کو بڑی تیزی سے جلا رہی تھی۔

چونکہ راجپوتوں نے دیکھ لیا تھا کہ مسلمانوں کی تعداد ان کے مقابلہ میں حد درجہ کم ہے اس لیے وہ بڑھ بڑھ کر . . . . . پر جوش حملے کر رہے تھے۔ ان کی بے پناہ تلواریں بے دریغ بندوں کو قتل کر رہی تھیں۔

ہر مسلمان کچھ ایسا جنگ و پیکار میں منہمک تھا کہ ایک کو دوسرے کی حالت کی متعلق بھی خبر نہ تھی۔ ہر مجاہد اپنے حال میں گرفتار تھا لیکن ہر مسلم جانباز بڑی دلیری اور جرأت سے لڑائی کر رہا تھا۔

رفتہ رفتہ تمام صفیں مصروف جنگ ہو گئی تھیں۔ نہ راجپوتوں کی کوئی صف سالم باقی رہی تھی اور نہ مسلمانوں کی۔ مسلمان راجپوتوں کی صفوں کو درہم برہم کر کے ان میں منتشر ہو کر گھس

گئے تھے۔

جوں جوں دن چڑھتا جاتا تھا جنگ کی آگ بھڑکتی اور شعلے تیز سے تیز تر ہوتے جاتے تھے ہندو اور مسلمان ایک دوسرے پر اس بے جگری سے حملے کر رہے تھے کہ حیرت ہوتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے انہوں نے تہیہ کر لیا ہے۔ یا تو دشمن کو فنا کر دیں گے یا خود مٹ جائیں گے

راجپوت مسلمانوں کو نہایت حقارت اور کینہ پرور نگاہوں سے دیکھ کر بڑے جوش سے حملے کرتے تھے۔ ان کے تیغے خوب بلند ہوتے تھے تو ہیبت چھا جاتی تھی۔ بڑے خوفناک معلوم ہوتے تھے اور جب وہ مسلمانوں کے سروں پر جھکتے تھے۔ تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ڈھالوں کو پھاڑ کر مسلمانوں کے سروں کی پھانکیں کھول دیں گے۔

لیکن یہ عجیب اور حیرتناک بات تھی کہ مسلمان انہیں دیکھ کر خوف و شوش نہ ہوتے تھے بلکہ نہایت بے باکی اور بے خوفی سے ان کے بھرپور وار کو ڈھالوں پر بڑی آسانی سے روک لیتے تھے۔ اور کچھ اس ترکیب سے کہ ڈھالوں پر خط تک نہ آتا تھا۔ البتہ جس مجاہد کی تلوار چمک جاتی تھی کمال تھا اس کے سر و تن کا فیصلہ کر دیتا تھا۔

لیکن راجہ اور مہاراجہ دور کھڑے جنگ کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی جنگ میں شریک نہیں ہوا تھا۔ خصوصاً سومنات کے مہاراجہ اپنے رسالہ خاص کے جھرمٹ میں جنگ گاہ سے ایک میل کے فاصلہ پر قلعہ کے نزدیک پھاٹک کے سامنے ایک بلند ٹیلہ پر کھڑے تھے۔

وہ ایک نہایت قوی ہیکل گھوڑے پر سوار تھے۔ گھوڑے کا تمام ساز چاندی کا تھا جس میں سونے سے پچی کاری ہو رہی تھی۔

ساز کے علاوہ گھوڑے کی گردن میں جو ہیکل پڑی ہوئی تھی۔ وہ خالص سونے کی اور نہایت بیش قیمت تھی۔ ہیکل کے دانوں میں سچے موتیوں کی جھالریں تھیں جو جھل جھل کر رہی تھیں۔

خود مہاراجہ بیش قیمت موتیوں اور سنہرے زیورات سے ملبوس تھے گلے سے ناف تک کے برہنہ جسم کو چھوٹے بڑے ہاروں کے ذریعہ سے چھپانے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔

یہ تمام ہار بیش قیمت سنہرے موتیوں اور جواہرات کے تھے۔ برہنہ بازوؤں پر سونے کی آستینیں کہنیوں تک تھیں۔ کانوں میں بندے تھے جن میں دونوں طرف ایک ایک لعل پڑا تھا۔ سر پر مکٹ تھا اور اس میں ہیرے جواہرات اور متعدد لعل بڑی کاریگری سے جڑے ہوئے تھے

صرف ایک ریشمی دھوتی کسے ہوئے تھے۔ جس کی کناری چوڑی اور زرد رنگ کے ریشم کی تھی، مہاراجہ کے زیورات آفتاب کی شعاع پڑنے سے اس قدر جگمگا رہے تھے کہ ان کی طرف دیکھنا دشوار تھا۔

چونکہ گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی۔ اور ابھی یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ کون فریق غالب اور کون مغلوب ہو جائے گا۔ اس لیے مہاراجہ کچھ افسردہ خاطر اور متفکر تھے۔

مسلمان نہایت دلیری اور بڑی جانبازی سے لڑ رہے تھے۔ ہر مجاہد پیکر جوش و غضب بنا ہوا تھا۔ اپنی ہستی کو بھولا ہوا بڑے جوش و خروش سے لڑ رہا تھا۔

مجاہدوں نے گویا تہیہ کر لیا تھا کہ یا تو دشمنوں کو قتل کر ڈالیں گے۔ یا خود شہید ہو جائیں گے وہ نگاہیں اٹھا کر کسی طرف بھی نہ دیکھتے تھے۔ کہ ان کے ارد گرد کیا ہو رہا ہے۔ یا تو دشمن کے حملے رد کرنے میں مشغول تھے اور یا خود حملے کر رہے تھے

ان کی بے پناہ اور خارا شگاف تلواریں ڈھالوں کے پرزے اڑا کر دشمنوں کے سروں کی پھانکیں کھول رہی تھیں۔ یا شہ رگیں کاٹ کر سینہ میں اتر جاتی تھیں۔ اور پسلیوں کو کھول کر رکھ دیتی تھیں۔

اسلامی لشکر کے افسر بھی نہایت دلیری اور بڑی جرأت سے لڑ رہے تھے۔ وہ بھی عام مسلمانوں کی طرح خاموش تھے اور نہایت خاموشی سے جنگ کر رہے تھے۔ اور کچھ اس درجہ منہمک تھے۔ کہ کسی طرف بھی آنکھیں اٹھا کر نہ دیکھتے تھے۔

ان کا ہر حملہ نہایت زور و قوت سے ہوتا تھا۔ اور ہر حملہ میں دو چار راجپوتوں کو قتل کر ڈالتے تھے۔

جب وہ جوش میں آ کر دشمنوں کے گروہ میں گھس جاتے تھے اور راجپوت انہیں نرغہ میں لے کر چاروں طرف سے ان پر تلواروں کا مینہہ برساتے تھے۔ تو وہ ایسی پھرتی سے چوکھا ہٹاتے تھے۔ کہ دشمنوں کے حوصلے ڈھیلے پڑ جاتے تھے۔ اور وہ خود انہیں راستہ دے کر نکل جانے کا موقعہ دے دیتے تھے۔

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ عام مجاہدین اپنے افسروں کو دشمنوں میں گھرا ہوا دیکھ کر اس زور سے حملہ کر دیتے تھے کہ لاشوں پر لاشیں ڈال کر انہیں منتشر کر دیتے تھے۔

التونتاش اور امیر علی خویشاوند دونوں بڑے جوش و خروش سے لڑ رہے تھے۔

ان کی تلواریں اس پھرتی سے اٹھ کر دشمنوں کی ڈھالوں اور سروں پر پڑتی تھیں۔ جیسے ان کے ہاتھوں میں بہت سی تلواریں ہوں۔

وہ دشمنوں کو بے دریغ قتل کر رہے تھے۔ راجپوتوں پر ان کی ہیبت چھا گئی تھی۔ اور ان کے سامنے سے کترا کر ادھر ادھر ہٹ یا دب جاتے تھے۔

غازی سلطان محمود ابھی تک جنگ سے الگ تھلک تھے وہ نہایت غور سے لگا ہوں سے جنگ کی رفتار کو دیکھ رہے تھے۔ مجاہدین اسلام کی بے نظیر جرأت و ہمت دیکھ دیکھ کر مسرور ہو رہے تھے۔ ان کے جلو میں اس وقت پانچ سو دلیران صف شکن کا رسالہ تھا۔ اگرا تنی جمعیت کسی شمار قطار میں نہ تھی۔ لیکن وہ ایسے دلاور تھے۔ جو کہ ہزاروں پر بھاری تھے۔ سلطان کو ان پر بڑا بھروسہ تھا۔ وہ ان کے ساتھ حملہ کرنے کے لیے وقت اور موقع کا انتظار کر رہے تھے۔

سلطان نے دفعتہً کچھ سوچا اور ایک سوار سے مخاطب ہو کر کہا تم دوڑ کر حاجب علی کے پاس چلے جاؤ کہنا وہ اپنا دستہ لے کر جلد اس طرف آ جائیں۔

سوار اس تیزی سے چلا کہ تھوڑی ہی دیر میں سوائے گھوڑے کی گرد کے اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔

سلطان اس طرف دیکھ رہے تھے۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے گرد بھی غائب ہو گئی۔ سلطان نے کہا بڑا چست و چالاک سوار ہے۔ غالباً اب واپس آنے والا ہو گا۔

ان کے اتنا کہتے ہی گرد پھر نمودار ہوئی۔ اور بڑھتے بڑھتے اس میں سے سوار دکھائی دینے لگا۔ تھوڑی ہی دیر میں سوار قریب آیا۔ اس نے کہا" عالم پناہ! اس طرف سے بھی راجپوتوں کا لشکر آ رہا ہے۔

سلطان کو حیرت بھی ہوئی اور تردد بھی ہوا انہوں نے کہا اس طرف سے کون آ رہا ہے۔

سوار ——— معلوم ہوا ہے کہ مہاراجہ انہلواڑہ آ رہا ہے۔

سلطان ——— کس قدر لشکر ہے اس کے ساتھ؟

سوار ——— اس کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکا۔

سلطان ——— اچھا تم ہارون کو جا کر اطلاع کرو کہ وہ اپنا دستہ لے کر حاجب علی کی مدد کو چلا جائے اور برہان بندرگاہ کی طرف نگاہ رکھے۔

"بہتر ہے" سوار نے کہا۔ اور نہایت تیزی سے روانہ ہو گیا۔

ایک فتح

جبکہ اس طرف یہ ہنگامہ دار و گیر برپا تھا اس وقت مہاراجہ انہلواڑہ اپنی جمعیت لے کر آ گیا تھا۔ حاجب علی نے دور ہی سے اس لشکر کو دیکھ کر اپنے دستہ کو اس کا مقابلہ کرنے کے لیے آمادہ و مستعد کر لیا تھا۔

مہاراجہ انہلواڑہ کے ساتھ دس بارہ ہزار آزمودہ کار سوار تھے اگرچہ اس کا بیٹا سکدیو اس سے پہلے ہی سومنات کے مہاراجہ کی مدد کے لیے آ گیا تھا۔ لیکن چونکہ ابھی تک اس جنگ کے واقعات سے معلوم نہ ہو سکے تھے اس لیے اب وہ خود بھی چلا آیا تھا۔

جب اس نے دور سے حاجب علی کا دستہ دیکھا اور اسے اس کی تعداد بہت کم معلوم ہوئی تو اس نے سبقت کی اور اپنے سواروں سے کہا۔ "یہ تماشا ہے ان تھوڑے سے ملیچھوں کو تمہارے مقابلہ میں لا ڈالا ہے۔ ان کا خاتمہ کر کے راستہ صاف کر دو۔"

چونکہ راجپوت جنگجو قوم ہے۔ اس لیے تمام فوجی جوان تیار ہو گئے انہوں نے ہتھیاروں کی اچھی طرح دیکھ بھال کر لی اور دوڑ پڑے اور جا کر نہایت شان سے بڑھنے لگے۔

حاجب علی نے بھی راجپوتوں کے اس لشکر کو دیکھ لیا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ آنے والا لشکر راستہ نکالنے کی کوشش کرے گا چنانچہ اس نے بھی اپنے دستہ کو ترتیب دے لیا تھا۔

عین اسی وقت سلطان کا قاصد اس کے پاس پہنچا تھا اس نے قاصد سے کہہ دیا تھا کہ غالباً ادھر سے مہاراجہ انہلواڑہ کا لشکر آ رہا ہے۔ میں اپنے محاذ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا۔

چنانچہ قاصد واپس آ گیا تھا اور حاجب علی راجپوتوں کو روکنے اور مقابلہ کرنے کی تجاویز سوچنے لگا تھا۔

مہاراجہ انہلواڑہ نے اسلامی لشکر کے پاس پہنچ کر اپنے دستوں کو آگے بڑھایا اور خود قلب لشکر میں ٹھہر گیا۔

راجپوتوں نے مسلمانوں پر نہایت سختی سے حملہ کر دیا اس شدت سے کہ یہ یقین ہو چلا تھا کہ ان کا پہلا حملہ ہی مسلمانوں کو پسپا کر دے گا۔

لیکن مسلمانوں کا استقلال اور مسلمانوں کی ہمت قابل صد ہزار تحسین تھی انہوں نے اس پہلے حملہ کو نہایت جوانمردی اور بڑے ضبط سے روکا خود راجپوتوں کو بھی ان کے ضبط و استقلال

لہ از تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ

پر تعجب ہوا۔

تلواریں تڑپ کر میانوں سے نکل آئی تھیں۔ اور ڈھالیں ان کے استقبال کے لیے بلند ہو گئی تھیں جنگ اور دار و گیر شروع ہو گیا تھا۔ مسلمان راجپوتوں کی صفیں اور راجپوت مسلمانوں کی صفیں توڑنے کی کوشش کرنے لگے تھے۔

جنگ کی آگ بھڑک اٹھی تھی اور آتش پیکار کے شعلے دور دور تک پہنچ گئے تھے

صاف و شفاف اور لباس جانبازوں کے خون میں نہا کر سرخ ہونے لگی تھیں۔ راجپوت بھی سر اور دھڑ کٹ کٹ کر گرنے لگے تھے۔ خون جہاں تہاں بہنے لگا تھا۔ خون کی چھینٹیں سرفروشوں کے کپڑوں اور جسموں کو رنگ رنگ کر گلنار کرنے لگی تھیں۔

صف شکن جانباز خون کی ہولی کھیلنے لگے تھے موت نے اپنے ڈیرے خیمے لگائے تھے

[illegible] اپنا ہی فدا کرنے لگے تھے۔

یکے بعد دیگرے صفیں ٹوٹتی جاتی تھیں مسلمان راجپوتوں کی صفوں میں گھس گئے تھے۔ اور مسلمانوں کی صفوں میں راجپوت در آئے تھے

جنگ اس زور و شور سے ہو رہی تھی کہ ہر شخص تنہا ہی جنگ ہو گیا تھا۔ ایک ہاتھ میں تلوار اور ایک میں ڈھال لیے تلوار سے حملے کر رہا تھا اور ڈھال سے حملوں کو روک رہا تھا۔

مہاراجہ انہلواڑہ اپنے جانبازوں کو للکار للکار کر شہ دے رہا تھا اور راجپوت اس کی اور اپنی جان توڑ کر لڑ رہے تھے

چونکہ مسلمان بہت تھوڑے تھے اس لیے راجپوتوں کے مقابلہ میں ان کا شمار بھی کچھ نہ تھا۔ اس وجہ سے راجپوت مسلمانوں پر پلے پڑتے تھے۔ چاہتے تھے کہ جلد سے جلد انہیں فنا کے گھاٹ اتار دیں۔

لیکن مسلمان کچھ ایسے جوش و خروش اور جرأت و استقلال سے لڑ رہے تھے کہ راجپوتوں کی بنائے کچھ نہ بنتی تھی۔ ان کے پر زور حملے رد کر دیے جاتے تھے۔ اور جو لوگ جوش میں آ کر بڑھتے تھے ان میں سے بہت کچھ موت کی آغوش میں پہنچ جاتے تھے۔

یہ کیفیت دیکھ کر راجپوتوں کو جوش آتا تھا۔ اور وہ پھر حملہ کرتے تھے۔ لیکن مسلمان سد سکندری کی طرح جم گئے تھے۔ وہ ہر حملہ کو روک کر خود بھی کوشش کر کے حملہ کرتے تھے اور حملہ آور راجپوتوں کو تلواروں کی دھاروں پر رکھ لیتے تھے۔

جنگ اسی اسلوب سے ہو رہی تھی۔ کہ کہیں راجپوت حملہ کر کے مسلمانوں پر جا گرتے تھے۔ اور کبھی مسلمان انہیں ہٹا کر راجپوتوں پر جا ٹوٹتے تھے۔

ہر حملہ میں مسلمان اور راجپوت دونوں ہی کافی مارے جاتے تھے وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ کہ تلواریں دوست اور دشمن کا امتیاز کئے بغیر برابر کاٹ کر رہی ہیں۔ جو بھی ان کی زد میں آجاتا تھا نقد جان گنوا کر لمبا لیٹ جاتا ہے۔ لیکن ان کے جوش میں کمی نہ آتی تھی۔ وہ مر رہے تھے اور مرنے والوں کی جگہ زندہ بیکر نہایت جوش و خروش سے جنگ کو جاری رکھے ہوئے تھے

مسلمان نہایت پھرتی اور چابک دستی سے تلواریں چلا رہے تھے اور پینترے بدل بدل کر حملے کر رہے تھے جو پیدل تھے۔ وہ اس طرح لڑ رہے تھے اور جو سوار تھے وہ گھوڑوں کو ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے ادھر کا دستے دیتے کر نہایت جوش اور بڑی قوت سے حملہ کر رہے تھے

آبدار تلواریں ڈھالوں کو کاٹ ڈالتی تھیں۔ لوہے کی ٹوپیوں کو پچکا دیتی تھیں۔ اور جب گردن پر پڑتی تھیں۔ تو اس طرح کاٹ جاتی تھیں جس طرح چاقو ککڑی سے گزر جاتا ہے۔

حاجب علی بھی تلوار سے نہایت شدت سے حملے کر رہا تھا۔ اس کی تلوار آبدار نے ان گنت راجپوتوں کو موت کی آغوش میں پہنچا دیا تھا مرنے والوں کے خون کی چھینٹیں پڑ پڑ کر ان کے کپڑوں اور جسم کے اعضاء پر جم گئی تھیں۔

چونکہ وہ اسی دستہ کے سردار تھے۔ اس لیے ہر مجاہد کی خبر رکھنا اور اس کی مدد کرنا چاہتے تھے۔ وہ گھوڑے کو تیزی سے دوڑا کر نہایت پرزور حملے کر رہے تھے جس بھی مسلمان پر زغہ دیکھتے تھے اسی طرف حملہ کر کے راجپوتوں کو مار کاٹ کر مسلمانوں سے دور کر دیتے تھے۔

راجپوت دانت پیس پیس کر ان پر حملہ کرتے تھے۔ لیکن وہ ان کے قابو میں نہ آتے تھے۔ آگے پیچھے ادھر ادھر اس طرفہ سے حملے کر رہے تھے۔ کہ راجپوت ان تک پہنچ ہی نہ پاتے تھے۔

ان کا گھوڑا پسینہ میں شرابور ہو گیا تھا۔ اس کے منہ سے کف نکلنے لگا تھا۔ خود حاجب علی کے بازو بھی مارتے کاٹتے شل ہو چلے تھے۔ اور نہ صرف حاجب علی کے بازو بلکہ ہر مسلمان اپنی قوت میں کمزوری محسوس کرنے لگا تھا۔

لیکن اس پر بھی ہر شخص اب بھی نہایت جوش و خروش سے لڑ رہا تھا اور بڑی پھرتی اور چابکدستی سے حملوں پر حملے کر کے دشمنوں کو ٹھکانے لگا رہا تھا۔

مگر راجپوتوں نے یہ بھانپ لیا تھا کہ مسلمانوں کی طاقت جواب دینے لگی ہے۔ انہوں نے حملوں میں اور بھی شدت کر دی تھی۔ اب مسلمان دبنے اور پیچھے ہٹنے لگے تھے۔

یہ کیفیت دیکھ کر راجپوتوں کے ولولے تازہ ہو گئے اور حوصلے اس قدر بڑھ گئے کہ وہ برابر مسلمانوں کو دباتے پیچھے ہٹاتے بڑھنے لگے۔

اسی وقت دفعتاً اللہ اکبر کے پرشور نعرہ کی آواز آئی۔ راجپوتوں اور مسلمانوں دونوں نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا انہیں مسلمانوں کے رسالے گھوڑے دوڑائے آتے نظر آئے مسلمان انہیں دیکھتے ہی خوش ہو گئے۔ انہوں نے سنبھل کر نعرۂ تکبیر لگایا۔ اور اس جوش سے حملہ کیا۔ جیسے وہ سستا کر تازہ دم ہو گئے ہوں۔

راجپوتوں نے مسلمانوں کی جرأت و جسارت دیکھی۔ وہ حیران و خوف زدہ ہو گئے۔ مہاراجہ اجلواڑہ پرم دیو بھی کچھ متاسف نظر آنے لگا۔

یہ نئے رسالے ہارون کے تھے۔ مجاہدین اسلام گھوڑے دوڑائے اس تیزی سے بھاگم بھاگ چلے آ رہے تھے۔ جیسے مال غنیمت لوٹنے کے لیے چلے آ رہے ہوں۔

انہوں نے آتے ہی اپنی صفوں کو کھول دیا۔ اور ادھر اُدھر پھیل کر نہایت جوش اور زور سے راجپوتوں پر حملہ کیا اور اس نے پہلے ہی حملہ میں ان کے سواروں کو الٹ دیا۔ بے شمار دشمنوں کو گھاس اور ترکاری کی طرح کاٹ کر ڈال دیا۔

راجپوتوں نے ہر چند قدم جما کر ان کا مقابلہ کرنا چاہا۔ لیکن وہ جم ہی نہ سکے یا یہ کہیے کہ مسلمانوں نے انہیں جمنے ہی نہ دیا۔ جوں ہی وہ ٹھٹکے اور رکے فوراً ہی دوسرا حملہ کیا۔ اور یہ حملہ پہلے حملہ سے بھی سخت ہوا۔ بہت سے راجپوت قتل و مجروح ہو کر گرے بہت سے شدید زخمی ہو کر پیچھے ہٹ گئے۔

پرم دیو نے یہ کیفیت دیکھی۔ وہ سمجھ گیا کہ جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ فتح شکست سے بدلنے والی ہے تازہ دم مسلمان راجپوتوں کا ستھراؤ کر ڈالیں گے۔ اس لیے اس نے اپنے لشکر کو واپسی کا اشارہ کیا۔

جوں ہی راجپوتوں نے یہ اشارہ دیکھا۔ وہ سر پر پیر رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور مسلمانوں نے ان کا تعاقب کر کے انہیں بے دریغ قتل کرنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر میں انہوں نے اتنے راجپوت مار ڈالے جتنے جنگ شروع ہونے سے اب تک بھی نہ مارے گئے تھے۔

پرم دیو نے لشکر کو واپسی کا اشارہ کر کے بڑی غلطی کی اس نے اپنی اس حرکت سے بے شمار جوانوں کو موت کی گود میں بھیج دیا تھا۔

مسلمانوں نے دور تک ان کا تعاقب کیا۔ اور جب وہ ان کی دسترس سے باہر نکل گئے تب وہ لوٹے اور مردہ راجپوتوں کے ہتھیاروں اور رسد کے ذخائر پر قبضہ کرنے لگے

کچھ مسلمانوں نے گھوڑوں سے اتر کر شہیدوں کو ایک جگہ جمع کیا۔ اور پھر سب نے مل کر جنازہ کی نماز پڑھی اور انہیں ان کے اس لباس میں جسے پہن کر وہ شہید ہوئے تھے دفن کر دیا۔

انہوں نے شمار کیا۔ تو پتہ چلا کہ تین سو مسلمان شہید ہوئے تھے۔ اور تین ہزار کے قریب راجپوت مارے گئے

پرم دیو پر مسلمانوں کی کچھ ایسی ہیبت چھائی کہ اس نے جنگل کے راستے بھی سومنات تک پہنچنے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ سیدھا انہلواڑہ کی طرف واپس لوٹ گیا۔

مسلمانوں کو یہ نمایاں کامیابی نصیب ہوئی۔ اور مال غنیمت بھی کافی ملا۔

اس مہم سے فارغ ہو کے ابدون اپنے رسالے کو لے کر اپنے جائے قیام کی طرف لوٹ گئے۔

پچیسواں باب

حشر خیز جنگ

قلعہ کے سامنے سلطانی لشکر سے ابھی تک جنگ ہو رہی تھی۔ راجپوت بھی توڑ کر لڑ رہے تھے۔ انہیں اپنی فتح پانے کا پورا یقین تھا۔

یوں تو ابتدائے آفرینش سے اس وقت تک ہزاروں جنگیں ہوئی تھیں۔ اور ان میں ہزاروں مشہور اور قابل تذکرہ بھی تھیں۔ لیکن یہ جنگ بھی اس نوعیت کے لحاظ سے خاص جنگ تھی اور بعد میں اس قدر مشہور ہوئی۔ کہ آج تک سینکڑوں برس گزر جانے پر بھی ہندو اور مسلمانوں کی زبانوں پر اس کا ذکر ہے۔

ہندو اپنے دیوتا سومنات کی حرمت پر کٹ مرنے کو تیار ہو گئے تھے۔ انہوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ یا تو مسلمانوں کو شکست دے کر بھگا دیں گے۔ یا ان کا قلع قمع کر کے ہی دم لیں گے۔

اسی طرح مسلمانوں نے بھی یہ فیصلہ کر لیا تھا۔ کہ یا تو ہم شہید ہو جائیں گے یا راجپوتوں کو مار ڈالیں گے یا انہیں شکست دے کر قلعہ پر قبضہ کریں گے۔

جبکہ دونوں فریقوں نے اس قسم کے ارادے کر لیے تھے تو یہ بات لازمی تھی کہ بازیاں لگا دی تھیں موت اور زندگی کی پرواہ نہ کی جاتی۔

چنانچہ یہی ہو رہا تھا۔ نہ مسلمان موت سے ڈر رہے تھے۔ نہ راجپوت اس کی پرواہ کر رہے تھے۔ دونوں فریق پورے جوش و خروش اور پورے عزم و استقلال سے لڑ رہے تھے

خون آلودہ تلواریں اور خون میں نہائے ہوئے کھانڈے نہایت تیزی سے اور پھرتی سے اٹھ اٹھ کر چمک رہے تھے کہ اٹھتے ہوئے تو معلوم ہوتے تھے۔ اور گرتے تھے۔

مار دھاڑ بڑے زور شور سے ہو رہی تھی۔ سر کٹ کٹ کر اولوں کی طرح برس رہے تھے
دھڑوں پر دھڑ گرتے جاتے تھے اور دھڑوں میں سے اس طرح خون نکل نکل کر بہہ رہا تھا
جس طرح سوراخوں میں سے پانی نکل کر بہا کرتا ہے۔

جتنی دوری میں جنگ ہو رہی تھی اتنی دوری میں میدان لاشوں سے پٹ گیا تھا۔ اور
مردوں کے جسموں کو لڑنے والوں کے گھوڑے روند رہے تھے۔

عربوں میں مرنے والوں کی لاشوں کو پامال کرنا یعنی گھوڑوں کے سموں سے کچل دینا بڑا معیوب
سمجھا جاتا تھا لیکن ترک اور راجپوت اس وقت بلا امتیاز کے کہ وہ کس کی لاشوں کو پامال
کر رہے ہیں، مردوں کو کچل رہے تھے۔

دراصل وہ مجبور تھے کیونکہ لڑائی اسی جگہ ہو رہی تھی۔ جس جگہ لاشیں گرتی جاتی تھیں۔ اور
لاشوں کی حرمت کا خیال کر کے ان سے بچ کر لڑنا ناممکن تھا۔

جو لوگ زندہ تھے اور لڑ رہے تھے۔ انہیں ایک لمحہ کے لیے بھی اپنے زندہ رہنے کی امید
نہ تھی کیونکہ تلواریں اور کھانڈے نہایت تیزی سے چل رہے تھے۔ اور بہت پھرتی سے کاٹ رہے
اور چونکہ ہر شخص لڑائی میں مشغول تھا۔ اسلئے اگر تلوار کسی کا سر اڑا دیتی تھی تو کسی کا کھانڈا کسی کا سینہ کھول
دیتا تھا۔

غرض نہایت ہی حشر خیز جنگ ہو رہی تھی۔ اور ایسی قیامت برپا تھی کہ ان جنگجو بہادروں
کے لیے آج ہی حشر برپا ہو چکا تھا۔ انہیں ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ساری دنیا جنگ میں مبتلا
ہو گئی ہے اور اب کوئی دم میں موت کے گھاٹ اترنے والی ہے۔ قیامت یا جگ پرلو کا نظارہ
ان کے سامنے تھا۔

حقیقت میں جو شخص جب مرتا ہے اس کے لیے تو وہی وقت قیامت کا وقت ہے
یا جو مرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے وہ سمجھ لیتا ہے کہ قیامت آ گئی ہے ساری دنیا فنا ہو
رہی ہے۔

جو لوگ خدا کے وجود کے قائل نہیں ہیں۔ وہ قیامت کے بھی منکر ہیں۔ کہتے ہیں کہ "دنیا
اور دنیا کا نظام" "کائنات اور کائنات کی دلچسپیاں ہمیشہ سے اسی طرح قائم ہیں۔ اور ہمیشہ قائم
رہیں گی"۔ لیکن انہیں یہ معلوم نہیں کہ ہمیشہ کسے کہتے ہیں۔ ہمیشہ اور دائم میں فرق ہے۔ جو چیز ازل
سے ہے وہ ابد تک سوائے ذات باری کے ہرگز نہ رہے گی۔ نہ ہمیشہ کوئی چیز رہی ہے اور

زندہ رہ سکتی ہے۔

یہ دنیا اور اس دنیا کی تمام دلچسپیاں فانی ہیں۔ اور ایک دن فنا ہو کر رہیں گی۔ قدرت
قیامت کا نظارہ زلزلوں سے آبادیوں کو مٹا کر دکھا دیتی ہے۔ لیکن مغرور خود سر انسان کی
آنکھیں نہیں کھلتیں۔

لوگ اس لیے قیامت کی طرف سے اور بھی مغالطہ میں پڑے ہوئے ہیں کہ وہ دیکھتے
ہیں کہ دنیا کی آبادی روز بروز بڑھ رہی ہے۔ لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ یہی دنیا کے فنا ہونے
کی دلیل ہے چونکہ ان تمام روحوں کو جنہیں خدا نے پیدا کیا ہے۔ دنیا میں آنا ضروری ہے اور
قیامت کا وقت قریب آ گیا ہے۔ اس لیے انسان کثرت سے پیدا ہونے لگے ہیں۔

قیامت یقینی ہے۔ پروردگار عالم نے قرآن شریف میں متعدد جگہ اس کا ذکر کیا ہے اور
یہ بھی بتا دیا ہے کہ قیامت کس طرح آئے گی۔ مثلاً سورۃ المومنون (چوبیسویں پارہ میں) ارشاد
ہوتا ہے "اِنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ؀ یعنی "قیامت یقیناً آنے
والی ہے اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ لیکن بہت سے لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے۔

اسی طرح یہ بھی بتا دیا ہے کہ جب قیامت آئے گی۔ تو آسمان روئی کے گالوں کی طرح اڑنے
لگے گا زمین شق ہو جائے گی۔ پہاڑ پھٹ جائیں گے۔ غرض کچھ بھی باقی نہ رہے گا۔

وہ قومیں جو خدا کو جانتی اور مانتی ہیں۔ قیامت کی بھی قائل ہیں۔ اور مسلمان تو اس کے
وجود سے انکار کر ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ جس مقدس کتاب قرآن شریف پر اس کا ایمان ہے اور
جسے وہ منزل من اللہ (اللہ کی طرف سے بھیجی ہوئی) سمجھتا ہے اس میں متعدد جگہ قیامت
آنے کا ذکر ہے۔

دراصل قیامت یوم حساب ہے انسان نے جو کچھ اپنی زندگی میں برائی بھلائی کی اس کا
پورا حساب ہو گا۔ اور گنہگاروں کو ان کے گناہوں کی پاداش میں سزا بھگتنے کے لیے دوزخ
میں ڈال دیا جائے گا۔ اور نیکوں اور معصوموں کو نیک اعمال کرنے کی بدولت جنت میں داخل
کیا جائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ قیامت کا دن نہایت ہی سخت، بڑا صبر آزما اور نہایت پریشان کن
ہو گا۔ خدا کے وہ بندے جو خدا کی اطاعت کرتے رہتے ہیں۔ اس وقت بھی خوش ہوں گے
اور خدا کی نافرمانی کرنے والے اس دن نہایت غمناک اور اندوہگین ہوں گے۔

مسلمانو! خدا کے لیے اس عذاب کے دن سے ڈرو۔ خدا کی نافرمانی چھوڑ دو۔ اس کی اطاعت کرو۔ وہ ایسا دن سخت ہو گا کہ بھائی کے بھائی باپ کے بیٹا اور میاں کے بیوی کام نہ آئے گی۔ ہر شخص اپنے حال میں اس طرح گرفتار ہو گا۔ جس طرح دنیا میں کسی کو کوئی مرض ہو جاتا ہے اور اس کی تکلیف کو کوئی بٹا نہیں سکتا۔

ہمارا ارادہ تھا کہ ہم قیامت کا حال ذرا مفصل لکھیں۔ لیکن طوالت کے خوف سے نظر انداز کرتے ہیں۔

غرض جنگ ہو رہی تھی نہایت خونریز اور بڑی قیامت خیز۔ نہ کسی کی زندگی محفوظ تھی نہ کوئی زندگی کی حفاظت کر سکتا تھا۔ تلواریں نہایت تیزی سے انسانی کھیتی کاٹ رہی تھیں۔ جگر پھرتی سے کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔

منظر نہایت ہولناک ہو گیا تھا۔ جہاں تہاں لاشیں روندی پڑی تھیں اور گھوڑوں نے انہیں کچل کر ایسا بے ہیئت کر دیا تھا کہ ان کا شناخت ہونا مشکل ہو گیا تھا۔ سر ٹھوکریں کھا رہے تھے۔ خون کے چھینٹے جگہ جگہ جم کر گوشت کی ہیئت میں منتقل ہو گئے تھے۔

دوسر لڑائی برابر جاری تھی اور زندہ لوگ برابر موت سے ہمکنار ہو کر گر رہے تھے۔ خون کی چھینٹیں اڑ رہی تھیں اور بارش کی طرح برس رہی تھیں۔

جاں باز بہادر بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے۔ اور سرفروش سر کٹا رہے تھے۔

اس وقت سلطان نے دیکھا۔ اس نے دل میں کہا۔ مجھ پر حیف ہے میں کھڑا ہوں اور مسلمان جانیں دے رہے ہیں۔ . . . . . . اگر قیامت کے روز خدا نے پوچھا کہ تو موت سے ڈرا اور بچا کھڑا رہا اور مسلمان شہید ہوتے رہے تو کیا جواب دوں گا۔ کیا عذر پیش کروں گا کہ کیا میری جان مسلمانوں کی جانوں سے زیادہ قیمتی ہے۔ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ میں بھی مسلمان ہوں۔ میں بھی مجاہد ہوں۔ مجھے بھی لڑنا چاہیئے۔

یہ کہتے ہی انہوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ ان کے رسالہ نے اس مبارک نعرہ کی پرشور آواز میں تکرار کی۔

سلطان نے اپنے گھوڑے کی باگیں ڈھیلی کر دیں۔ رسالہ والوں نے بھی گھوڑے چھوڑ دیئے اور وہ شیروں کی طرح راجپوتوں پر جا ٹوٹے۔

خود سلطان نے تلوار علم کی اور نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ یعنی فتح اللہ کی طرف سے ہے اور وہ قریب ہے" کا نعرہ لگایا اور نہایت شدت سے حملہ کیا۔

اگرچہ سلطان ضعیف العمر تھے۔ لیکن ان کے قوی بڑے مضبوط تھے۔ انہوں نے پھرتی سے حملے کر کے دشمنوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ اور اس تیزی سے کہ جیسے تمام راجپوتوں کو وہ ہی مار ڈالنا چاہتے تھے۔

ان کے رسالہ کا ہر سوار بھی انہیں کی سی جرأت و دلیری سے لڑنے لگا۔ اس رسالہ نے دشمنوں کی صفوں کو درہم برہم کر دیا۔ چشم زدن میں ہزاروں راجپوتوں کو کاٹ کر ڈال دیا۔ لاشوں کے پشتے لگا دیئے۔ خون کے دریا بہا دیئے۔

سلطان کا یہ حملہ ایسا سخت ہوا کہ راجپوت گھبرا کر پیچھے ہٹنے لگے۔

جب عام مسلمانوں نے خود سلطان کو شریک جنگ ہو کر لڑتے دیکھا۔ تو ان میں جوش شجاعت کی لہر دوڑ گئی۔ اور وہ پہلے سے بھی زیادہ جوش و خروش سے لڑنے لگے۔

اس وقت ہر مسلمان خونخوار شیر بن گیا۔ اور ہر مجاہد اپنی پوری طاقت بلکہ اپنے کس بل سے زیادہ محنت و مشقت کرنے لگا۔

جنگ کی آگ کے شعلے دفعتاً بھڑک اٹھے اور ایسے تیز ہو گئے کہ اس سے پہلے اب تک نہ ہوئے تھے۔

راجپوت بھی جم گئے۔ انہوں نے بھی مسلمانوں پر وار کر کے انہیں ٹھکانے لگانا شروع کر دیا۔ لیکن مسلمانوں میں جو جوش سلطان کے شریک جنگ ہونے سے پیدا ہو گیا تھا۔ وہ ان پر غالب رہا۔ تھوڑی ہی دیر میں ان کی جرأت و ہمت جواب دے گئی۔ ان کے قدم اکھڑ گئے اور وہ بدحواس ہو کر بھاگے۔

جوں ہی انہوں نے پشت دکھائی۔ مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے یلغار کر کے انہیں تلواروں کی باڑھوں پر رکھ لیا۔

راجپوت آگے آگے بھاگے جا رہے تھے۔ اور مسلمان ان کے پیچھے انہیں قتل و گرفتار کرتے ہوئے دوڑ رہے تھے۔ تمام میدان میں کچھ عجیب قسم کی ابتری پھیل گئی تھی جس طرف اور جہاں تک نظر جاتی تھی سوار گھوڑے دوڑاتے بھاگتے نظر آتے تھے۔

راجپوتوں پر مسلمانوں کی کچھ ایسی ہیبت طاری ہو گئی تھی کہ ان کا ہر سوار جو میدان جنگ سے پشت دکھا کر بھاگا تھا۔ یہ سمجھ رہا تھا کہ تمام اسلامی لشکر اس کے پیچھے اسے قتل یا گرفتار کرنے کے لیے دوڑ رہا ہے۔ اور اس لیے وہ گھوڑوں کی پسلیوں میں مہمیزیں گھسیڑے دیتے

تھے۔ تاکہ وہ اپنی پوری قوت سے دوڑیں۔ اور انہیں مسلمانوں کے نرغہ میں سے نکال کر لے جا

ان کے گھوڑے صبا رفتار بن گئے تھے۔ نہایت تیزی سے دوڑ رہے تھے۔ بعض گھوڑے تو بے حال ہو کر گر پڑے اور انہوں نے سواروں کو بھی گرا کر ان کی ہڈی پسلیاں توڑ دیں۔ بعض بدحواسی میں ایک دوسرے سے ٹکرا گئے۔ اور پہلے سوار گرے اور پھر گھوڑے ان کے اوپر جا پڑے۔ بعض راکبوں کو گھوڑوں نے الٹ دیا۔ اور وہ ان کے سموں سے روندے گئے

ادھر مسلمان قضائے مبرم کی طرح ان کے پیچھے دوڑے چلے جا رہے تھے۔ اور . . .
. . . . برابر راجپوتوں کو گرفتار کر رہے تھے۔

مہاراجہ سومنات یہ ابتری اور اپنے لشکر کی ہزیمت دیکھ کر پہلے ہی بھاگ کھڑے ہوئے اور سیدھے قلعہ میں جا کر رکے۔ ان کے بھاگتے ہی اور راجہ اور مہاراجہ بھی بھاگ نکلے۔ اور انہوں نے بھی قلعہ کے اندر ہی جا کر دم لیا۔ ان کے پیچھے ہی شکست خوردہ لشکر داخل ہونا شروع ہوا۔

اب آفتاب غروب ہونے لگا تھا۔ جیسے ہی وقت ہو گیا تھا سلطان نے یہ دیکھ کر کہ مسلمان تمام دن بے آب و دانہ بڑے جوش اور بڑی قوت سے لڑتے رہے ہیں۔ انہیں واپس لوٹنے کا حکم دیا۔ جن مسلمانوں نے اس حکم کو سن لیا۔ وہ تو رک کر لوٹ گئے۔ لیکن جو مجاہدین نہ سن سکے وہ بڑھ کر قلعہ کے دروازہ پر پہنچ گئے۔ اور انہوں نے قلعہ کے اندر داخل ہونے کی کوشش کی۔

مگر جب نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔ اور بہت کم مسلمان وہاں نظر آئے تو وہ باہر ہی رک گئے اور مزید مسلمانوں کو بلانے کے لیے آوازیں دینے اور نعرے لگانے لگے۔

راجپوتوں نے اس خوف سے کہ کہیں مسلمان قلعہ کے اندر راجپوتوں کے ریلے کے ساتھ نہ گھس آئیں۔ جلدی سے پھاٹک بند کر لیا اور یہ مطلق خیال نہ کیا کہ ابھی ان کے سیکڑوں بہادر قلعہ کے باہر ہی رہ گئے ہیں۔

جو راجپوت باہر رہ گئے تھے۔ ان پر وہ مسلمان ٹوٹ پڑے۔ جو قلعہ کے پھاٹک تک پہنچ گئے تھے۔ اور انہوں نے جلدی ہی پر زور حملے کر کے ان سب کو قتل کر ڈالا۔

جب دن چھپ گیا اور اندھیرا پھیل گیا۔ تب یہ حملہ آور مسلمان بھی اپنے لشکر کی طرف واپس لوٹے۔

اگرچہ آج راجپوتوں نے نہایت بہادری اور بڑے حوصلہ سے حملہ کیا تھا۔ اور سارا دن بڑی جانبازی اور جی داری سے لڑتے رہے تھے لیکن بالآخر ہزیمت اٹھا کر نہایت

بدحواسی سے پسپا ہوئے۔

اس معرکہ میں پانچ ہزار راجپوتوں سے زیادہ مارے گئے اور دو ہزار کے قریب گرفتار ہوئے۔ مسلمانوں کو کامیابی اور فتح یابی کی بالکل بھی امید نہ تھی۔ لیکن ہر مسلمان نے خشوع اور خضوع سے خدائے آمرزگار سے نصرت کی دعا مانگی تھی۔ خصوصاً غازی سلطان محمود نے خرقہ حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی کا اوڑھ کر نہایت عاجزی سے زاری کرتے ہوئے فتح کی دعا کی تھی خدا نے جو مسلمانوں کا حامی کار ہے انہیں مدد دی۔ اور اس کی نصرت و مدد سے مجاہدین اسلام کو دونوں محاذات پر یعنی انہلواڑہ کے مہاراجہ کے مقابلہ میں اور مہاراجہ سومنات کے مقابلہ میں فتح عظیم حاصل ہوئی۔

غازیان اسلام نے میدان جنگ سے ہٹتے ہی مغرب کی نماز پڑھی اور خدا کی درگاہ میں سجدہ شکر ادا کیا۔ نماز پڑھ کر جو لوگ زخمی ہوئے تھے۔ ان کی مرہم پٹی کی گئی۔ کچھ آدمیوں کو سلطان نے مشعلیں دے کر میدان جنگ میں بھیجا تاکہ اگر کچھ مسلمان زخمی وہاں پڑے رہ گئے ہوں تو انہیں اٹھا لائیں۔ چنانچہ ساٹھ ستر زخمی مسلمان غشی کی حالت میں ملے فوراً ان کو لا کر ان کی دوا دوش کی گئی۔

ان تمام کاموں سے فارغ ہونے کے بعد مسلمانوں نے کھانا تیار کرنا شروع کیا۔

حیرتناک خبر

مہاراجہ سومنات کو اس شکست کا بڑا ہی رنج و قلق ہوا۔ صبح جب ان کا پرجوش اور ٹڈی دل لشکر میدان میں نکلا تھا۔ تو انہیں توقع تھی کہ وہ مسلمانوں کو پیس کر رکھ دے گا۔ دوپہر تک راجپوت نہایت دلیری اور بڑے حوصلے سے لڑتے رہے تھے۔ جس سے ان کا پلہ بھاری نظر آتا تھا۔ اس سے مہاراجہ سومنات کو کامیابی کی امید اور بھی بڑھ گئی تھی اور انہیں یہ صاف نظر آنے لگا تھا۔ کہ شام تک مسلمانوں کا صفایا ہو جائے گا۔

لیکن جوں جوں دن ڈھلنا شروع ہوا۔ راجپوت دبنے اور مسلمان ابھرنے لگے تھے۔ اس سے مہاراجہ سومنات کو اضطراب و اضطرار لاحق ہو گیا تھا۔ اور وہ تذبذب میں پڑ گئے تھے۔

پھر بھی جب کبھی راجپوت کسی گوشہ میں مسلمانوں کو چیر کر آگے بڑھ جاتے تھے

تو پھر مہاراجہ کو فتح کی امید ہونے لگتی تھی۔ اور جب مسلمان راجپوتوں کو دبا کر ہٹا دیتے تھے تو ان کی امید ٹوٹ جاتی تھی۔

غرض اسی طرح امید و بیم کا عالم طاری تھا۔ لیکن چار گھڑی دن باقی تھا۔ اس وقت سے مہاراجہ کی پریشانی بڑھ گئی تھی۔ اور انہیں فتح کی کوئی امید باقی نہ رہی تھی۔

وہ دیکھ رہے تھے۔ کہ آفتاب کے ڈھلنے کے ساتھ ہی راجپوتوں کی جرأت و ہمت اور ان کے اقبال کا آفتاب بھی ڈھلتا جاتا تھا۔ آخر سورج کے غروب ہوتے ہی شکست ہو گئی۔

مہاراجہ کو اس ہزیمت کا اس درجہ رنج و قلق ہوا کہ وہ سیدھے قصر شاہی میں پہنچ کر اپنے کمرہ خاص میں داخل ہو کر بستر پر نیم جان ہو کر جا پڑے۔

داسیوں نے کمرہ میں روشنی کا انتظام پہلے ہی کر دیا تھا۔ اس وقت مہاراجاؤں تک کے محلوں میں شمعیں یا جھاڑ فانوس روشن نہ ہوتے تھے۔ نہ یہ چیزیں ہندوستان میں آئی تھیں۔ نہ ہندو انہیں جانتے تھے۔

عام ہندوؤں کے گھروں میں تو مٹی کے دیئے جلتے تھے اور وہ اس صورت و شکل کے ہوتے تھے۔ جیسے آج بھی دیوالی کے موقعہ پر دیکھے جاتے ہیں عام طور پر سرسوں کا تیل جلایا جاتا تھا۔ لیکن امیروں، رئیسوں، راجاؤں اور مہاراجاؤں کے محلات میں پیتل کے بڑے چراغ ہوتے تھے۔ جو لکڑیوں یا کسی دھات کے ڈیوٹوں پر رکھے جاتے تھے۔ روشنی زیادہ کرنے کے لیے ان میں کئی کئی بتیاں لگا دی جاتی تھیں۔

ان میں تیل ڈالنے کے لیے بن کی طرح کی کپیاں ہوتی تھیں۔ ان میں تیل بھر کر چراغوں میں تیل دھار سے ڈالا جاتا تھا۔ اس قسم کی کپیاں آج بھی ان نائیوں کے پاس دیکھی جاتی ہیں جو دیہات میں مشعلیں روشن کر کے کسی تقریب میں شریک ہوتے ہیں۔

زنانخانوں میں دائیاں اس خدمت پر مامور ہوتی تھیں۔ کہ وہ چراغوں میں کپیوں سے تیل ڈالتی رہیں۔ تاکہ چراغ بجھنے نہ پائیں اور مردانوں میں مرد اس کام کو سرانجام دیتے رہتے تھے

غرض قصر شاہی میں ہزاروں چراغ روشن تھے۔ جو دور سے دیکھنے پر دیوالی کا منظر پیش کرتے تھے۔ گویا اس میں روز ہی دیوالی ہوتی تھی۔

اور خاص خاص کمروں میں کئی کئی چراغ روشن کئے جاتے تھے۔ مہاراجہ سومنات

نہایت اندوہ و ملال کے عالم میں پڑے تھے۔ کہ مہارانی آئیں۔ اسوقت وہ گھومدار ریشمی کپڑے کا لہنگا اور ناف تک لمبا شلوکا پہنے تھیں۔ لہنگے کے حاشیہ اور شلوکا کے کناروں پر سنہری لیس ٹکی ہوئی تھیں۔ جو تین انگشت چوڑی تھی۔ اور اس لیس میں موتیوں اور ہیرے اور زمرد کی دلفریب جھالر لگی ہوئی تھی۔

مہارانی بھی غمگین و حزیں تھی۔ اس نے آتے ہی کہا۔ ناتھ! آپ غمگین کیوں ہو۔

مہاراجہ نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ اس لیے کہ قسمت کا ستارہ گردش میں آگیا ہے۔ تقدیر پھوٹ گئی ہے۔

مہارانی —— آخر ہوا کیا۔ مجھے بھی تو کچھ بتایئے۔

مہاراجہ —— ہوا وہ جس کا یقین نہ تھا۔

مہارانی —— میں بھی تو سنوں۔

مہاراجہ —— کیا تم سن نہیں چکیں کہ راجپوت شکست کھا کر آئے ہیں۔

مہارانی —— سن چکی ہوں۔

مہاراجہ —— کیا یہ بات شرم و ملال کی نہیں۔

مہارانی —— ضرور ہے۔ لیکن سنتی ہوں۔ مسلمان تعداد میں زیادہ تھے۔

مہاراجہ —— یہ تم نے غلط سنا ہے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ مسلمان راجپوتوں سے اتنے کم تھے کہ اگر راجپوت ان کے اوپر جا پڑتے تو انہیں مسل کر رکھ دیتے۔

مہارانی —— تب کیا راجپوتوں نے بزدلی دکھائی بہادری سے نہیں لڑے۔

مہاراجہ —— یہ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ کہ انہوں نے خوب خوب دادِ شجاعت دی جی توڑ کر لڑے۔ مگر ان کی ایک بھی پیش نہ گئی۔

مہارانی —— تو حقیقت میں مسلمان بہادر ہیں۔

مہاراجہ —— میں نے ان کی بہادری کے افسانے سنے تھے لیکن یقین نہ آتا تھا مگر آج ان کے جو جیرتناک کارنامے دیکھے ہیں ان سے ان کی دلیری کا قائل ہونا پڑا ہے۔ کمبخت ایسی قوم ہے جو مرنا جانتی ہی نہیں۔

مہارانی —— عجیب بات ہے یہ تو۔

مہاراجہ —— اور عجیب تر تو یہ ہے کہ ان کی نازک نازک لچکتی اور چھوٹی چھوٹی تلواریں

اسس غضب کی کاٹ کرتی ہیں کہ لوہے اور پتھر تک کو کاٹ ڈالتی ہیں۔ انسانوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

مہارانی ـــــ جیسا مشہور ہے یہ لوگ حقیقت میں جادوگر تو نہیں ہیں۔

مہاراجہ ـــــ کیا کہا جا سکتا ہے۔ ممکن ہے بدبخت جادو بھی جانتے ہوں گے۔ اگر آج مہاراجہ انہلواڑہ حسبِ وعدہ آجاتے۔ تو شاید ہمیں ہزیمت نہ ہوتی۔

مہارانی ـــــ لیکن انہیں تو آجانا چاہیئے تھا۔

مہاراجہ ـــــ مجھے زیادہ رنج و قلق یہی ہے کہ اس دیس کے راجہ اور مہاراجہ بھی مسلمانوں سے ڈرنے لگے ہیں۔ وہ بھی ڈر ہی گئے۔

اس وقت سکھدیو داخل ہوا۔ اس نے کہا۔ ان داتا! نہیں وہ ڈرے نہیں۔

مہاراجہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا پھر آئے کیوں نہیں۔

سکھدیو نے غالیچہ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ وہ آئے اور مسلمانوں سے لڑے لیکن بدبخت مسلمانوں نے انہیں راستہ ہی نہ دیا اور وہ واپس لوٹ گئے۔

مہاراجہ نے حیرت اور خوف بھرے لہجہ میں کہا۔ واپس لوٹ گئے ۔۔۔۔۔۔ کیا انہیں بھی شکست ہوئی۔

سکھدیو ـــــ جی ہاں۔

مہاراجہ ـــــ یہ خبر اور بھی اندوہناک ہے۔ افسوس۔ میں کس خیال میں تھا۔ اور ہوا کیا۔ ۔۔۔۔۔ لیکن تمہیں یہ کیسے بات معلوم ہوئی۔

سکھدیو ـــــ ابھی ایک سوار جنگل کے راستہ سے آیا ہے اس نے یہ بات بیان کی ہے۔

مہاراجہ ـــــ مگر وہ بھی جنگل کے ذریعہ سے یہاں کیوں نہ آگئے۔

سکھدیو ـــــ مسلمانوں نے ان کا تعاقب اس حد تک کیا۔ کہ وہ جنگل میں بھی داخل نہ ہو سکے۔

مہاراجہ ـــــ تب مسلمانوں کی بہادری میں کوئی شک نہیں ہے اگر ایک طرف وہ ہم سے لڑ رہے ہیں تو دوسری طرف مہاراجہ انہلواڑہ سے جنگ کرتے رہے۔ کس قدر حیرتناک بات ہے۔

سکھدیو ـــــ سنا ہے۔ بندرگاہ کی طرف سے جب ہمارے سپاہیوں نے حملہ کیا۔ تو

اس طرف بھی مسلمانوں کے ایک دستہ نے انہیں روک دیا۔

مہاراجہ ـــــ سلطان محمود بڑا تجربہ کار جنگجو ہے اس نے اس طرح ناکہ بندی کر دی ہے کہ ہمارا تعلق بیرونی دنیا سے منقطع ہو گیا ہے اگر یہی کیفیت اور چند دن رہی تو رسد کا ذخیرہ ختم ہو جائے گا۔ اور لوگ بھوکے مرنے لگیں گے۔

سکھدیو ـــــ اس میں شک نہیں ہے۔ بازار میں ہر چیز کا نرخ اس قدر گراں ہوتا چلا جا رہا ہے۔ کہ غریب آدمی بے چین ہونے لگے ہیں۔ تعجب نہیں جو قلعہ اور شہر میں غدر ہو جائے۔

مہاراجہ ـــــ یہ خبر اور بھی غم ربا اور تشویشناک ہے۔ معلوم نہیں کیوں، مہادیو سومنات بھی ہم سے ناخوش ہو گئے ہیں۔ کیوں وہ ملیکشوں کا خاتمہ نہیں کر ڈالتے۔

"اس لیے کہ ان کی پوجا سچے دل سے نہیں کی جاتی" ایک آواز آئی۔ مہاراجہ، مہارانی اور سکھدیو نے جب نگاہیں اٹھا کر دیکھا تو سومنات کا مہا پجاری آ رہا تھا وہ بھی آ کر مسند کے ایک گوشہ پر بیٹھ گیا۔ مہاراجہ نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ یہ ہمارے کرموں کا پھل ہے۔

پجاری ـــــ میں عرصہ سے چیخ رہا ہوں کہ لوگوں کو پوجا کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ لیکن کوئی نہیں سنتا سب عیش و عشرت میں غرق ہیں۔

مہاراجہ ـــــ اور اسی لیے ملک و قوم پر نحوست کی گھٹا چھا گئی ہے۔ اچھا میں اعلان کرائے دیتا ہوں کہ کل صبح کے وقت سومنات کا ہر باشندہ اور ہر لشکر کے آدھے جوان پوجا میں شریک ہو کر دیوتا سومنات جی کو راضی کریں۔ اور پرارتھنا کریں کہ ہمیں فتح عطا فرمائے۔ اور بقیہ آدھا لشکر رات کو غسل کے بعد پوجا میں شریک ہو کر دعا مانگے۔ تمام چھوٹے بڑے افسر، سردار، سپہ سالار اور راجہ مہاراجہ صبح کی پوجا میں شرکت کریں۔ میں خود بھی صبح کی ہی پوجا میں شریک ہوں گا۔

پجاری ـــــ میں بھی اس وقت اسی لیے آیا تھا۔ کہ پوجا کے لیے حکم حاصل کر لوں۔

مہاراجہ ـــــ سکھدیو! تم جا کر منتری جی (وزیر اعظم) تک ہمارا حکم ابھی پہنچا دو۔

سکھدیو نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "بہت اچھا" اور چلا گیا۔ پجاری بھی تھوڑی دیر کے بعد اجازت لے کر رخصت ہو گیا۔ اب مہارانی نے کہا میری بچی کا پتہ نہیں چلا۔

مہاراجہ ـــــ پتہ تو جب چلتا جب ان پاپی ملیکشوں کو شکست دے کر بھگا دیا جاتا۔ اور ان کی عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر لیا جاتا؟

مہارانی ـــــ مگر مجھے آج ایک بات بڑی حیرت کی معلوم ہوئی ہے۔

مہاراجہ ـــ کیا؟

مہارانی ـــ چندر موہنی مسلمانوں کے پاس نہیں ہے۔

مہاراجہ ـــ پھر کہاں ہے۔

مہارانی ـــ یہیں قلعہ ہی میں۔

مہاراجہ چونک کر اٹھ بیٹھے۔ فرطِ حیرت سے ان کا منہ کھلا اور آنکھیں پھٹی رہ گئیں۔ انہیں اپنی سماعت پر شبہ ہوا، اور اس لیے انہوں نے تصدیق کے لیے پھر پوچھا "کیا یہیں قلعہ میں؟"

مہارانی نے سنجیدگی سے کہا "جی ہاں قلعہ میں"۔

مہاراجہ ـــ یقین نہیں آتا۔

مہارانی ـــ مجھے بھی یقین نہیں آیا تھا۔ لیکن اس کی فوراً ہی تصدیق ہو گئی۔

مہاراجہ ـــ کس طرح ذرا مفصل سناؤ۔

مہارانی ـــ ایک شرط ہے۔

مہاراجہ ـــ کیا مجھ سے کوئی وچن (اقرار) لینا چاہتی ہو۔

مہارانی ـــ میں آپ کی داسی ہوں۔ اور اس لیے ناتھ! مجھے یہ حق تو نہیں ہے۔ لیکن سوامی! میں ملک و قوم کی بہتری کے لیے وچن لینا چاہتی ہوں۔

مہاراجہ ـــ اچھا کیا وچن لینا چاہتی ہو!

مہارانی ـــ جب تک پاپی ملیکش سلطان بھاگ نہ جائے۔ یا مارا نہ جائے آپ اس وقت تک مشتبہ شخص پر کوئی سختی نہ کریں گے۔ نہ اسے اس بات سے آگاہ ہونے دیں گے کہ آپ کو اس کی کرتوتوں کا علم ہو گیا ہے۔

مہاراجہ ـــ تو کیا چندر موہنی واپس آ جائے گی۔

مہارانی ـــ نہیں جب ہم الزام لگانے ہی کو تیار نہیں تو چندر موہنی کیسے آ جائے گی۔

مہاراجہ ـــ اور تم صبر کر لو گی۔

مہارانی نے آوارگی کے لہجہ میں کہا صبر کرنا ہی پڑے گا۔ ایک طرف ممتا (محبت) ہے اور دوسری طرف ملک کی محبت اور مذہب کی حرمت کا خیال.... میں ضبط و صبر کرونگی سوامی۔

رانی نے استقلال سے مگر منہ لبورتے ہوئے کہا۔ مہاراجہ نے پوچھا "مگر وہ ہے کون چنڈال؟"

مہارانی ـــ سب بتا دوں گی۔ پہلے آپ وچن دے دیں۔

مہاراجہ ـــ اچھا میں وچن دیتا ہوں۔ کہ ملزم سے اس وقت تک کوئی باز پرس نہ کروں گا۔ جب تک جنگ کا فیصلہ نہ ہو جائے گا۔ اب مفصل حال سناؤ۔

مہارانی ـــ ملزم خود سکھدیو ہے۔

مہاراجہ اچھل پڑے۔ انہوں نے کہا "سکھدیو........ جسے میں اپنا بچہ سمجھنے لگا تھا وہی مارِ آستین نکلا۔"

مہارانی ـــ ہاں وہی۔ اسی نے مجھے اور تمہیں دونوں کو روحانی صدمہ پہنچایا ہے اسی نے چندر موہنی کو زبردستی اس کی خوابگاہ سے اٹھوا لیا۔

مہاراجہ کو اس قدر غصہ آیا تھا کہ اگر وچن دیا نہ ہوتا تو یقیناً وہ اسی وقت سکھدیو کو طلب کر کے اس کا سر اڑوا دیتے ان کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ اور آنکھیں خون کبوتر بن گئی تھیں۔ انہوں نے پوچھا۔ مگر یہ حقیقت کھلی کس طرح؟

مہارانی ـــ آج میرے پاس چمپا آئی۔ چمپا موہن سنگھ کی نوجوان بہن ہے اور موہن سنگھ سکھدیو کا نجی ملازم ہے۔ چمپا نے مجھے سارا حال سنایا۔ وہ شاید ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالتی۔ کیونکہ موہن سنگھ خود اس جرم میں شریک تھا۔ لیکن سکھدیو نے اس راز کو چھپانے کے لیے یا تو موہن سنگھ کو قتل کر دیا ہے۔ یا کہیں تہ خانہ میں چھپا دیا ہے۔ جب چمپا کو یقین ہو گیا کہ اس کا بھائی مارا گیا ہے تب اس نے آج مجھ سے آ کر سارا حال اس طرح بیان کیا کہ سکھدیو کو یہ شک ہو گیا تھا۔ کہ چندر موہنی اس کے ساتھ اس لیے شادی کرنے پر راضی نہیں ہے کہ اسے کسی ملیکش سے محبت ہو گئی ہے.......

مہاراجہ نے جوش میں آ کر کہا۔ یہ جھوٹ ہے قطعی جھوٹ۔

مہارانی ـــ میں بھی اس بات کا یقین نہیں کرتی۔ لیکن سکھدیو کو کسی طرح یہ شبہ ہو گیا اسلئے اس نے موہن سنگھ کو آمادہ کر کے چندر موہنی کو اٹھوا لیا۔ اب اس فکر میں وہ ہے کہ اگر موقع مل جائے تو اسے اہلواڑہ میں لے جائے۔ مہاراجہ اس وقت سوچ رہے تھے کہ سکھدیو نے کس طرح آ کر اظہار ہمدردی کر کے یہ بات بتائی تھی کہ مسلمان چندر موہنی کو اٹھا کر لے گئے۔ کس طرح اس نے شبخون مارنے کا مشورہ دیا۔ انہوں نے کہا ضرور یہ سکھدیو ہی کی حرکت ہے۔ اب مجھے یقین آ گیا (دانت پیس کر) ذرا جنگ کا فیصلہ ہو جائے۔ اسے

اور اس کے باپ کو وہ سزا دی جائے گی جس سے دوسروں کو بھی عبرت ہو۔

مہارانی ـــــ درست ہے۔

مہاراجہ ـــــ خیر یہ تو اطمینان ہو گیا کہ چندر موہنی مسلمانوں کے پاس نہیں ہے بلکہ یہیں قلعہ میں ہی ہے۔

مہارانی ـــــ سکھدیو کو کوئی شبہ نہ ہو۔

مہاراجہ ـــــ اطمینان رکھو۔

مہارانی ـــــ اب کچھ لیجیے۔

مہاراجہ ـــــ کیا کھاؤں۔ اس وقت میری یہ حالت ہے ؎

دل ہے غذائے رنج جگر ہے غذائے رنج
راحت کے نام سے نہیں واقف سوائے رنج

مہارانی ـــــ بغیر کھائے گذارہ نہیں۔

مہاراجہ ـــــ آج راجپوتوں نے جو بزدلی کی ہے اس کا بڑا رنج ہے۔

مہارانی ـــــ نہیں، راجپوت بڑی دلیری سے لڑے لیکن مسلمان انسان نہیں بھوت ہیں۔

مہاراجہ ـــــ تب اس جنگ کا نتیجہ کیا ہوگا۔

مہارانی ـــــ سومنات جی بہتر کریں گے۔

مہاراجہ ـــــ میں نے حکم دے دیا ہے کہ کل سارے سومنات کے باشی مہادیو جی کی پوجا کریں۔

مہارانی ـــــ یہ بہت اچھا کیا آپ نے۔ اچھا میں کھانا منگواتی ہوں۔

مہارانی نے جواب کا انتظار نہیں کیا۔ اٹھ کر چلی گئی اور تھوڑی ہی دیر میں کھانا لے کر آ گئی۔ دونوں الگ الگ بیٹھ گئے۔ اور دونوں کے سامنے کئی تھال رکھ دیئے گئے دونوں نے کھانا کھانا شروع کیا۔

ستائیسواں باب

طنزیہ قہقہہ

کامنی ایک شاندار کمرہ میں نہایت اطمینان سے ایک زرنگار مسند پر بڑی شان و تمکنت سے بیٹھی تھی۔ اس نے اس وقت گلابی رنگ کا شلوکہ پہن رکھا تھا۔ اور نارنجی رنگ کی ریشمین ساڑھی اوڑھ رکھی تھی۔ اس ساڑھی کے حاشیوں پر چوڑی سنہری لیس ٹکی ہوئی تھی۔ اور لیس میں موتیوں کی جھالر لگی ہوئی تھی۔ بقیہ تمام ساڑھی میں روپہلے ستارے ٹکے ہوئے تھے جو روشنی میں جھلملا رہے تھے۔ جب وہ حرکت کرتی تھی۔ تو ستارے ایسے جگمگانے لگتے تھے کہ دیکھنے والے کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی تھیں۔

کامنی حسین تھی۔ بہت زیادہ حسین اس وقت اس لباس میں اور بھی پیکر حسن معلوم ہو رہی تھی۔ وہ کسی گہرے خیال میں غرق تھی۔ کچھ سوچ رہی تھی۔ کچھ وقفہ کے بعد آہستہ سے بولی۔ چندر موہنی کو میرے بھیا سے شادی کرنی ہی پڑے گی۔ اب تو وہ بھیا کے بس میں ہے انکار بھی کرے تو کوئی نتیجہ نہیں۔ بھیا اس پر بری طرح لٹو ہو رہے ہیں۔ میں بھیا کی سازش میں اسی لیے تو شریک ہوتی ہوں کہ...... چھوڑو۔ اس ذکر کو......۔ آہ! پردیسی ...... جانتی ہوں تو ملیچھ ہے تو میرے مذہب میری قوم میرے ملک کا دشمن ہے۔ میرا بھی دشمن ہوگا۔ لیکن میں.......... تیری ہو چکی ہوں تجھے چاہتی ہوں۔ روح کی گہرائیوں کے ساتھ۔ دنیا کے دیوتا سومنات جی ہیں، لیکن میرے دیوتا... تم ہو۔ ہائے کس طرح تمہیں اپنا دل چیر کر دکھاؤں۔ میرے من (دل) مندر کی مورتی تم ہو۔ میں تمہاری پوجا کرتی ہوں۔ مگر جب میں سوچتی ہوں کہ تم چندر موہنی کا بت ہو۔ تو سینہ سے شعلہ اٹھ کر انگ انگ (عضو عضو) میں آگ بھڑکا دیتا ہے.......... میں تمہارے پاس آؤنگی۔ تمہیں اپنانے کے لیے اپنا حال سنا کر اپنا بنانے کے لیے.......!

"تمہیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں میں خود ہی آگیا۔" ایک آواز آئی، جس نے کامنی
کا سلسلہ خیال درہم برہم کر دیا۔ اس نے رسیلی آنکھیں اٹھا کر نرم نگاہوں سے دیکھا،
موہن سنگھ کھڑا تھا۔

اسے دیکھتے ہی کامنی کا چہرہ فق پڑ گیا۔ اور بے ساختہ اس کی زبان سے ہلکی چیخ نکل گئی
موہن سنگھ دبے قدموں بڑھ کر کامنی کے پاس آ کھڑا ہوا۔ کامنی کا جسم اس طرح
کانپ رہا تھا۔ جیسے اسے جاڑہ لگ گیا ہو۔

موہن سنگھ نے کہا۔ کامنی! مجھ سے نہ ڈرو۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں، میرے
(دل) ہی میں نہیں بلکہ نس نس میں تم بسی ہو۔ دنیا کسی کو پوجے، مگر میں تمہیں پوجتا ہوں۔

وہ خاموش ہو گیا۔ کامنی سہمی جا رہی تھی۔ اس کا حلق خشک ہو گیا تھا۔ زبان سے
کی قوت سلب ہو گئی تھی۔ چاہتی تھی کہ چیخ مار کر کسی کو بلائے لیکن آواز ہی نہ نکلتی تھی۔
لب لعلیں جو ہر وقت تر رہتے تھے اس وقت سوکھ گئے تھے۔ اور ان پر پپڑیاں جم
گئی تھیں۔

بہ ہزار دشواری اس نے بولنے کے لیے لب کھولے اور صرف اتنا کہہ سکی "تم"

موہن سنگھ ــــ ہاں میں۔ کیا تجھے یقین نہیں آیا کامنی۔ اگر تو حکم دے تو میں اپنا
کاٹ کر تیرے قدموں میں ڈال دوں۔

کامنی ــــ مگر بھیا.......

موہن سنگھ ــــ وہ تمہارے بھیا کی مجھے پرواہ نہیں ہے وہ بڑا دغا باز ہے۔
اس نے دو مرتبہ مجھے مار ڈالنے کی کوشش کی لیکن ہر مرتبہ ایشور نے مجھے بچا لیا۔ وہ وار
کر چکا۔ اب میرے وار کرنے کی باری ہے۔ میں تو زندہ رہ گیا۔ لیکن اسے زندہ نہ رہنے
دوں گا۔

اب کامنی کچھ سنبھل گئی۔ اس نے کہا۔ وہ یہاں آنے والے ہیں......"

موہن سنگھ ــــ میں جانتا ہوں۔ اور اسی لیے میں جا رہا ہوں۔ اس پاپی
سے کہہ دینا کہ ہوشیار رہے، مگر تم......... مجھ سے ہرگز نہ ڈرو کامنی۔ میں تمہارا داس
ہوں۔ پجاری ہوں۔ تم میری دیوی ہو.......... وہ کھٹکا ہوا۔ شاید کوئی آ رہا
ہے۔ اچھا پھر ملوں گا۔

یہ کہتے ہی موہن سنگھ بھاگ گیا۔ اب کامنی کا خوف دور ہوا۔ اس نے اطمینان کا سانس
لیا اور آہستہ سے کہا اف پرماتما! یہ کہاں سے آگیا تھا۔ جتنا میں اس سے بچتی ہوں اتنا ہی
یہ سامنے آجاتا ہے۔ مجھے اس سے بڑا خوف معلوم ہوتا ہے۔

اس وقت سکھدیو کمرہ میں داخل ہوا۔ وہ معمولی لباس پہنے ہوئے تھا۔ اس نے آتے ہی
کہا کس کا ذکر کر رہی ہے تو کس سے ڈرتی ہے۔

سکھدیو کو دیکھ کر کامنی کے چہرہ پر رونق آگئی۔ اس نے کہا۔ اچھے وقت پر آئے بھیا!
سکھدیو کامنی کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ اس نے کہا۔ ہاں ابھی فرصت ملی ہے جنگی لباس اتار
کر سیدھا تیرے پاس آ رہا ہوں۔

کامنی ــــ کاش تم ذرا اور پہلے چلے آتے۔

سکھدیو ــــ تب کیا ہوتا؟

کامنی ــــ تم اس سے مل لیتے جس سے میں ڈرتی ہوں۔

سکھدیو ــــ مگر وہ ہے کون؟

کامنی ــــ موہن سنگھ۔

موہن سنگھ کا نام سن کر سکھدیو اچھل پڑا۔ اس نے کہا۔ موہن سنگھ کیا اسے تو نے دیکھا۔

کامنی ــــ ہاں۔

سکھدیو ــــ کب؟

کامنی ــــ ابھی تھوڑی دیر ہوئی۔

سکھدیو ــــ وہ نہیں ہو سکتا۔ اس کی لاش تو مچھلیوں یا گھڑیالوں نے کھا لی ہو گی۔

کامنی ــــ مگر وہ موجود تھا۔

سکھدیو ــــ اس کا بھوت ہو گا۔

کامنی ــــ بھوت.........

سکھدیو ــــ ہاں بھوت۔ میں نے اسی روز تجھے اس لیے نہیں بتایا تھا۔ کامنی
ڈر نہ جائے۔ اب سن میں نے اسے باغیچہ میں لے جا کر سمندر میں دھکیل دیا تھا۔ اس
وقت ایک خوفناک چیخ ماری تھی۔ اور اس کے پانی میں گرنے کی آواز میں نے سنی تھی۔

کامنی ــــ لیکن وہ آیا تھا بھیا۔

سکندر لیو ـــ میں شرط بدتا ہوں کہ وہ زندہ نہیں ہے۔

کامنی ـــ اب میں کیسے تمہیں یقین دلاؤں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا…

سکندر لیو ـــ اسی لیے تو کہتا ہوں کہ اس کا بھوت دیکھا ہوگا۔

کامنی ـــ کیا بھیا بھوت بولتے بھی ہیں۔

سکندر لیو ـــ نہیں۔

کامنی ـــ تب سنو۔ کہ اس نے مجھ سے باتیں کیں۔

سکندر لیو حیران رہ گیا۔ اس نے کہا۔ باتیں کیں.........

کامنی ـــ ہاں۔

سکندر لیو ـــ کیا باتیں کیں۔

کامنی نے شرم سے سر جھکا کر کہا۔ وہی باتیں جو وہ کیا کرتا ہے سکندر لیو نے وا…
کر کہا۔ نمک حرام کتا......... کیا کسی طرح بچ تو نہیں نکلا۔

کامنی ـــ ضرور بچ نکلا۔ اب تم یہاں سے انہلواڑہ چلے جاتے تو اچھا ہے و…
تم سے انتقام لے گا۔

سکندر لیو نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ انہلواڑہ چلا جاؤں........"

کامنی ـــ ہاں اور چندر موہنی کو بھی لے جاؤ۔

سکندر لیو نے برہم ہو کر کہا۔ کیا بری عادت ہے تیری کامنی تجھے کتنی مرتبہ کہا کہ اس…
کا ذکر نہ کیا کر۔ کوئی سن لے گا تو کیا ہوگا۔ مگر تو ہے کہ مانتی ہی نہیں۔

کامنی نے سفید آبدار موتیوں جیسے دانتوں میں زبان دبا کر اپنی غلطی کا اقرار…
ہوئے کہا۔ بڑی بھول ہوئی بھیا۔ اب احتیاط رکھوں گی۔

سکندر لیو ـــ سچ یہ ہے کہ عورت کو کسی راز میں شریک کرنا نہیں چاہیئے۔ بزرگوں…
یہی مقولہ ہے۔ عورتیں پیٹ کی ہلکی ہوتی ہیں۔

کامنی ـــ میری توبہ ہے۔ اب میں اس کے متعلق کچھ نہ کہوں گی... لیکن…
لے ہی جاؤ۔

سکندر لیو ـــ کیسے لے جاؤں۔

کامنی ـــ جس طرح بھی ہو۔

سکندر لیو ـــ باغی مسلمانوں نے تمام راستے جو روک رکھے ہیں۔

کامنی ـــ لاؤ لشکر کے ساتھ جاؤ گے تو مسلمان ضرور دیکھ لیں گے۔ دو چار آدمیوں
…جاؤ۔

سکندر لیو ـــ لیکن اسے......... قلعہ سے باہر کیسے لے جاؤں۔

کامنی ـــ کوئی تدبیر سوچو۔

سکندر لیو ـــ سوچوں گا۔ کیا تو بھی چلے گی۔

کامنی ـــ نہیں میرا ابھی جانا مناسب نہیں ہے۔ تم اسے لے جاؤ۔ اور پہنچاتے ہی
…پھیرے پھروا دو۔

سکندر لیو ـــ یہ تو میں نے سوچ ہی رکھا ہے۔ دیکھو دو چار روز میں اس کا بندوبست
…وں گا۔

کامنی ـــ دو چار روز نہیں آج کرو۔

سکندر لیو ـــ یہ کیسے ممکن ہے......... اور ایسی جلدی بھی کیا ہے؟

کامنی ـــ وہ دھمکی دے گیا ہے کہ تمہارے بھیا کے دو وار ہو چکے اب میرا وار ہوگا
…اسے زندہ نہ چھوڑوں گا۔

سکندر لیو ڈر گیا۔ اس نے کہا۔ تب معلوم ہوتا ہے۔ وہ ضرور بچ نکلا۔ لیکن جاتا کہاں ہے...
اس وقت کسی کے قہقہہ کی آواز آئی۔ کامنی ڈر کر اچھل پڑی۔ سکندر لیو بھی کچھ خوف زدہ
…اس نے کہا۔ یہ اسی نے قہقہہ لگایا ہے۔

سکندر لیو جلدی سے اٹھا۔ اور لپک کر دوسرے کمرہ میں آیا۔ اس کمرہ میں آیا۔ اس
…کافی روشنی ہو رہی تھی۔ سکندر لیو نے خوب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا وہاں کوئی بھی
…کمرہ بالکل خالی تھا۔

وہ اس کمرہ میں سے تیسرے میں اور وہاں سے برآمدہ میں آیا۔ سب جگہ اچھی طرح دیکھا
…طرف سنسان تھی۔ وہاں کوئی نہ تھا۔ خوب اچھی طرح دیکھ بھال کر کے وہ واپس لوٹ
…اس نے کہا۔ وہ کہیں چھپ گیا۔ چھپنے دو۔ میرے چنگل سے بچ کر کہیں نہیں جا سکے گا۔
کامنی اب تک کانپ رہی تھی۔ وہ سکندر لیو سے لپٹ گئی۔ اس نے کہا بھیا یہاں مجھے ڈرا
…معلوم ہونے لگا ہے۔

سکندر لو نے تسلی دہ لہجہ میں کہا مت ڈر۔ کامنی۔ تو آرام اور اطمینان سے بیٹھ۔ میں تیرے
پاس چند داسیوں کو بھیجے دیتا ہوں۔ رات کو اپنے کمرہ میں انہیں سلا لینا۔
وہ چلا گیا۔ اور تھوڑی دیر میں چند کنیزیں آگئیں۔ ان کے آنے سے کامنی کو بڑی تسلی ہوئی
اور وہ ان سے لایعنی باتیں کرنے لگی۔

حیرتناک اور غم ربا واقعات

مہارانی کو موہن سنگھ کی بہن چمپا نے بالکل ... دی تھی۔ چندر موہنی کی طرف سے جب سکندر لو ... ہو گئی اور اس نے یہ سمجھ لیا کہ وہ اس سے عقد کرنے پر تیار نہیں ہے تو اسے خوف ہوا کہیں مہاراجہ بھی اس کے انکار کرنے پر مجبور ہو کر خود بھی انکار نہ کر دیں۔ اس لیے اس نے دو تین معتمد فاداروں کو ترغیب دی کہ وہ سیاہ لبادے پہن کر لوگوں کو ڈرا دیں۔ اور موقع پا کر چندر موہنی کو اٹھا لائیں۔ اس سازش میں کامنی کو بھی شریک کیا گیا۔ اور موہن سنگھ کو ... کو اٹھا لانے پر مامور کیا۔

موہن سنگھ کو کامنی سے محبت تھی۔ وہ اس لیے اس خطرناک کام کو انجام دینے پر آمادہ ہو گیا کہ اس سے سکندر لو کے دبنے اور کامنی سے عقد ہو جانے کی امید تھی

شہرت یہ کر دی گئی کہ چند مسلمان قلعہ میں رہ گئے ہیں اور سیاہ پوش ہو کر رات کو ... ہیں۔ جب چندر موہنی اٹھا لے جائی گئی۔ تو مہاراجہ کو یہ یقین دلا دیا گیا۔ کہ اسے مسلمان اٹھا کر لے گئے ہیں۔ اس چالاکی سے مقصد یہ تھا کہ قلعہ میں اس کی تلاش نہ کی جائے۔ اور سب سمجھ کر کہ مسلمانوں نے یہ فعل کیا ہے۔ ان کی ہی طرف متوجہ رہیں۔ بلکہ جوش اور غصہ میں آکر ... پر حملہ کر دیں۔ اور موقع پا کر چندر موہنی کو نکال لے جائے۔

لیکن بدقسمتی سے اسے یہ موقع ہی نصیب نہ ہوا۔ کہ راجکماری کو نکال لے جاتا۔ ... اس بات کی فکر ضرور کر رہا تھا۔ کہ موہن سنگھ نے دباؤ ڈالا تھا۔ اور کامنی کے ساتھ عقد کرا دینے کی سعی کرنے کی خواہش ظاہر کی۔

موہن سنگھ معمولی آدمی تھا۔ سکندر لو کتنا بھی برا ہو لیکن یہ بات کیسے منظور کر لیتا کہ اس کی ... شادی موہن کے ساتھ ہو جائے۔ لیکن وہ یہ بھی خوب جانتا تھا۔ کہ موہن کی زبان سے نکلا ایک لفظ اسے گرفتار و قتل کرا دینے کے لیے کافی ہے۔ اس لیے اس نے اپنے ایک

... بلبیر چندر کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ موہن سنگھ کو گرفتار کرے اور موقع پا کر اسے قتل کر ڈالے۔

بلبیر چندر کو موہن سنگھ کی بہن چمپا سے محبت تھی۔ وہ اس لیے اس کام پر آسانی سے آمادہ ہو گیا کہ اس میں ایک پنتھ دو کاج والا معاملہ تھا۔ موہن سنگھ کے قتل سے سکندر لو پر اثر قائم رہتا تھا اور چمپا پر ڈورے ڈالے جا سکتے تھے۔

چنانچہ بلبیر چندر نے موہن سنگھ کو گرفتار کر لیا لیکن وہ اسے قتل کر ڈالنے کا موقع نہ نکال سکا۔ اور موہن سنگھ اپنی عیاری سے اپنے محافظوں کو جل دے کر فرار ہو گیا۔ اتفاق سے وہ سکندر لو کے پھر ہتھے چڑھ گیا۔ اور اس نے اسے سمندر میں لے جا ڈالا۔

چندر موہنی کو غائب کرنے کی سازش میں جتنے لوگ بھی شریک تھے وہ سب کسی نہ کسی ... کو لیے ہوئے تھے۔ سب محبت کے مرض میں گرفتار تھے۔ اور سچ پوچھیے تو محبت ... بھی نہ تھی۔ بوالہوس البتہ کہہ سکتے ہیں۔

کامنی اس فکر میں تھی کہ چندر موہنی کا عقد سکندر لو سے ہو جائے تو وہ ہارون کو حاصل کرے۔ موہن سنگھ کامنی کو اپنانے اور اڑا لے جانے کی کوشش میں تھا۔ اور بلبیر چندر چمپا کو اڑا لے جانے کی فکر میں لگا ہوا تھا۔

سکندر لو کو کامنی کی یہ صلاح بہت پسند آئی۔ کہ جس طرح بھی ہو چندر موہنی کو اٹھلوا لے جایا جائے۔ آج کی جنگ میں اس نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ راجپوتوں کا مسلمانوں کو شکست دے کر بھگا دینا مشکل ہے اس لیے اس نے یہ اور بھی مناسب سمجھا کہ چندر موہنی کو آج ہی قلعہ سے نکال لے جائے۔

چنانچہ جب وہ اپنی قیام گاہ پر پہنچا تو اس نے خلاف معمول دو تین آدمیوں کو اپنا منتظر پایا۔ یہ لوگ سومنات کے معزز باشندے تھے وہ انہیں اکثر مہاراجہ کے پاس دیکھ چکا تھا۔ چونکہ وہ آج سے پہلے اس کے پاس نہ آئے تھے۔ اس لیے اس کو کچھ کھٹکا ہوا۔ لیکن یہ سوچ کر کہ مہاراجہ کو اس کے اوپر کوئی شبہ نہیں ہے۔ اس نے اپنے دل کو تسلی دے لی۔ اسے کیا معلوم تھا۔ کہ مہاراجہ کو اس کی کرتوت کی اطلاع ہو چکی ہے اور یہ لوگ اس کی نگرانی پر مقرر کیے گئے ہیں۔

سکندر لو ان سے بڑے تپاک سے ملا۔ ان لوگوں نے بھی جنگ کی باتیں کر کے یہ

یقین دلانے کی کوشش کی کہ وہ محض جنگی حالات پر تبادلہ خیالات کرنے کے لیے آئے ہیں
کچھ دیر تک باتیں کرنے کے بعد وہ رخصت ہو کر چلے گئے۔ سکھدیو نے بلبیر چندر کو الگ کر کے آہستہ سے پوچھا۔ بلبیر چندر! چندر موہنی کیسی ہے۔

بلبیر چندر نے جواب دیا اچھی ہے۔

سکھدیو —— کیا وہ سفر کر سکتی ہے۔

بلبیر —— اپنی خوشی سے تو وہ ہرگز بھی آمادہ نہ ہو گی۔

سکھدیو —— لیکن کسی نہ کسی طرح اسے آج قلعہ سے باہر لے جانا ضروری ہے۔

بلبیر چندر —— میری سمجھ میں نہیں آیا کہ کس طرح اسے لے جایا جا سکے گا۔

سکھدیو —— اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر . . . .

بلبیر چندر —— لیکن اگر قلعہ کے پہرہ والوں نے لے جاتے دیکھ لیا تو . . . . . .

سکھدیو —— ہم اسے گاڑی میں ڈال لیں گے۔

بلبیر چندر —— ایک طرح یہ بات ممکن ہے۔

سکھدیو —— کس طرح؟

بلبیر چندر —— اگر کامنی اور چمپا دونوں کو ساتھ لے جایا جائے۔

سکھدیو کو یہ بات تو معلوم ہو گئی تھی کہ موہن سنگھ کو اس کی بہن کامنی سے محبت ہے۔ لیکن یہ علم نہ ہوا تھا کہ بلبیر چندر چمپا کو چاہتا ہے۔ اس نے کہا۔ کامنی تو چلی چلے گی لیکن چمپا . . . . بلبیر چندر نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ چمپا کو کامنی آمادہ کر لیں گی۔ اگر یہ دونوں لڑکیاں اس گاڑی میں ہوں گی۔ جس میں چندر موہنی کو اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر ڈالا جائے گا۔ تو پہرہ والے کچھ زیادہ چھان بین نہ کریں گے۔

سکھدیو —— اول تو کسی کو کسی قسم کا شبہ نہیں ہے۔ دوسرے صرف کامنی کافی ہے چمپا کی کیا ضرورت ہے۔

بلبیر چندر —— چمپا بھی اس راز میں شریک ہے۔ وہ اپنے بھائی کی گمشدگی سے کچھ کھٹک گئی ہے۔ اس لیے اس کا بھی ساتھ لے جانا مناسب ہے۔

سکھدیو —— تو نے سچ کہا بلبیر! میں نے اس بات پر غور نہ کیا تھا۔ اچھا میں کامنی کو بلا کر اسے ہدایت کرتا ہوں۔ اتنے میں تو جا کر چندر موہنی کو تیار کر۔

بلبیر چندر —— بہت اچھا۔

وہ چلا گیا۔ سکھدیو نے دستک دی اور جب ایک خادم حاضر ہوا تو اس نے کامنی کو بلا بھیجا۔

تھوڑی ہی دیر میں کامنی آ گئی۔ سکھدیو نے کہا۔ کامنی ہمیں ابھی انہلواڑہ روانہ ہو جانا چاہیے

کامنی —— میں نے تو پہلے ہی یہ صلاح دی تھی۔

سکھدیو —— تجھے بھی چلنا ہو گا۔

کامنی چونکی —— اس نے کہا میرے جانے کی کیا ضرورت ہے۔

سکھدیو —— جب تک تو نہ چلے ہم چندر موہنی کو کیسے لے جا سکتے ہیں۔

کامنی —— اور میرے ساتھ کیسے لے جائی جا سکتی ہے۔

سکھدیو —— تدبیر یہ سوچی گئی ہے کہ چندر موہنی کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر گاڑی میں ڈال دیا جائے۔ اور اس گاڑی میں تجھے سوار کرایا جائے۔ چمپا بھی تیرے ساتھ ہو۔ تم دونوں کو قلعہ کے پھاٹک کے محافظ دیکھ کر گاڑی کی دیکھ بھال نہ کریں گے۔ سمجھیں گے کہ میں تجھے لے جا رہا ہوں۔

کامنی —— تدبیر تو مناسب ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ تم چمپا کو لے جاؤ میرا یہاں ٹھہرنا اس لیے مناسب اور ضروری ہے کہ میں دیکھوں کہ تمہارے چلے جانے کے بعد یہاں کیا ہوتا ہے۔ مہاراجہ کو کوئی شبہ تو نہیں ہوتا۔

سکھدیو —— یہ بات تو نے بھی مناسب کہی۔ اچھا تو یہ کر کہ قلعہ سے کچھ دور جا کر واپس چلی آنا۔

کامنی —— اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

سکھدیو —— لیکن چمپا کو آمادہ کرنا تیرا کام ہے۔

کامنی —— میں کہہ نہیں سکتی۔ وہ تیار ہو جائے گی یا نہیں۔

سکھدیو —— وہ تیرا بہت لحاظ رکھتی ہے . . . .

کامنی نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ ہاں پہلے بہت زیادہ لحاظ کرتی تھی۔ لیکن اب دو ایک روز سے کچھ کشیدہ سی رہنے لگی ہے۔

سکھدیو —— یہ صرف تیرا خیال ہو گا۔

کامنی ـــــ خیال نہیں بلکہ سچ ہے۔ وہ موہن سنگھ کی مفقود الخبری کو محسوس کر رہی ہے میرا خیال ہے کہ شاید وہ تمہاری طرف سے کچھ کھٹک گئی ہے۔

سکھدیو ـــــ مگر وہ بھولی، کمسن اور نادان ہے۔ تیرے کہنے میں آجائے گی۔

کامنی ـــــ اچھا میں کوشش کرتی ہوں۔

یہ کہتے ہی وہ چلی گئی۔ سکھدیو بلبیر چندر کا انتظار کرنے لگا اسے زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا۔ بلبیر چندر آ گیا۔ لیکن اس کے چہرہ سے کچھ مایوسی اور فکر مندی کی علامتیں ظاہر تھیں سکھدیو نے اس کی صورت دیکھی۔ وہ بھی پریشان ہوا۔ اس نے پوچھا۔ کہو تیار کر آئے۔

بلبیر چندر نے کہا۔ کسے تیار کر آتا۔ چندر موہنی وہاں ہے ہی نہیں۔

سکھدیو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بے چین ہو گیا۔ اس نے کہا وہ کہاں گئی۔

بلبیر چندر ـــــ ایشور ہی اس بات کو جانتا ہے۔

سکھدیو ـــــ کیا کسی کو اس کی نگرانی پر نہیں چھوڑا تھا۔

بلبیر چندر ـــــ جب وہ تہ خانہ کے محفوظ کمرہ میں مقید تھی تو نگران کی کیا ضرورت تھی

سکھدیو نے ترش رو ہو کر کہا تم نے بڑی حماقت کی ہے بلبیر چندر!

بلبیر چندر ـــــ آپ نے خود ہی یہ حکم دیا تھا کہ اب اس کی نگرانی کی زیادہ ضرورت نہیں ہے۔

سکھدیو نے پچھتاتے ہوئے کہا۔ ہاں میں نے کہا تھا۔ میری عقل پر بھی پتھر پڑ گئے تھے لیکن کیا تم نے دروازہ مقفل نہیں کر رکھا تھا۔

بلبیر چندر ـــــ دروازہ پر بڑا تالا لگا ہوا تھا۔ اور تعجب یہ ہے کہ تالا بدستور پڑا ہے لیکن سونے کی چڑیا غائب ہے۔

سکھدیو ـــــ حیرت کی بات ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے چلو میں بھی دیکھوں۔ وہ اٹھا۔ اور بلبیر چندر کے ساتھ روانہ ہوا۔ دونوں چند کمروں اور غلام گردشوں میں سے گذر کر ایک تاریک کمرہ میں پہنچے۔ بلبیر چندر نے یہ اطمینان کر کے کہ وہاں کوئی نہیں ہے ایک مشعل روشن کی اور کسی کل کو دبا کر ایک چھوٹا سا دروازہ نمودار ہوا۔ دونوں اس میں داخل ہوئے دروازہ بند کر دیا گیا۔

دونوں ایک زینہ پر پہنچے اور نیچے اترتے چلے گئے۔ زینہ طے کر کے وہ تہ خانہ میں جا

پہنچے۔ جس طرح بلبیر چندر نے ادھر کے کمرہ میں خفیہ دروازہ کھولا تھا۔ اسی طرح نیچے تہ خانہ میں کئی کمروں کے دروازے کھولے۔ اور ایک مستطیل کمرہ کے دروازہ پر جا کر رکے اس کے دروازہ پر ایک بڑا قفل پڑا ہوا تھا۔ چابی گھما کر بلبیر چندر نے قفل کھولا۔ اور دونوں کمرہ کے اندر گئے۔ کمرہ خالی پڑا تھا۔ سکھدیو سخت متحیر ہوا۔ اس نے کہا۔ بڑے تعجب کی بات ہے آخر وہ کہاں گئی۔

بلبیر چندر ـــــ میں خود حیران ہوں۔

سکھدیو ـــــ اسے تلاش کرنا چاہئے۔ ورنہ ہمارا مستقبل خطرہ میں ہے۔ تم تہ خانہ کے تمام کمرے چھان ڈالو۔ میں اوپر جا کر سن گن لیتا ہوں۔

بلبیر چندر ـــــ بہتر ہے۔

سکھدیو تہ خانہ سے نکل کر اپنے کمرہ میں آیا۔ یہاں کامنی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے کہا۔ چمپا تیار ہو گئی تھی۔

سکھدیو نے جلدی سے کہا۔ چندر موہنی۔ غائب ہو گئی کامنی۔

کامنی یہ سن کر کانپ اٹھی۔ اس نے کہا۔ کہیں وہ مہاراج کے پاس نہ پہنچ جائے۔

سکھدیو نے لرز کر کہا۔ اگر ایسا ہو گیا تو ہماری سلامتی کی امید نہیں تم اپنے کمرہ میں جا کر ٹھہرو۔ میں مہاراجہ کے پاس جا کر تصدیق کرتا ہوں۔

کامنی ـــــ اگر وہ وہاں پہنچ گئی تو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

سکھدیو ـــــ تب ہم یہاں سے فوراً بھاگنے کی کوشش کریں گے۔

کامنی ـــــ مگر وہ گئی کہاں۔؟

سکھدیو ـــــ ممکن ہے اس کمرہ میں کوئی خفیہ دروازہ ہو جسے ہم نہ جانتے ہوں۔ اور اتفاق سے اسے مل گیا ہو۔ لیکن وہ ابھی ضرور تہ خانہ کے کمروں میں ٹکراتی پھر رہی ہو گی بلبیر چندر اس کی تلاش میں گیا ہے۔ ہمارے لیے اسے تلاش کا ابھی کافی وقت ہے کامنی چلی گئی اور سکھدیو مہاراجہ کے پاس جانے کی تیاری کرنے لگا۔

اٹھائیسواں باب

دو دشمنوں کی حیرت انگیز ملاقات

چندر موہنی کے گم ہو جانے سے سکھدیو کے سارے منصوبے خاک میں مل گئے تھے اسے رہ رہ کر تعجب ہو رہا تھا کہ راج کماری گئی کہاں۔

جو تہ خانہ قصر شاہی میں تھا۔ وہ کچھ ایسا بھول بھلیاں نما واقع ہوا تھا کہ ناواقف تو ناواقف ایک دو دفعہ کے دیکھنے اور جاننے والے بھی اس سے باہر نہ نکل سکتے تھے۔

سکھدیو کو یہ بات اور بھی پریشان کر رہی تھی۔ کہ کہیں اندھیرے میں ٹکراتی ہوئی کسی چیز سے ڈر نہ جائے۔ ساتھ ہی اسے معلوم ہو گیا تھا کہ موہن سنگھ زندہ ہے اور قصر میں موجود ہے چونکہ وہ اس کی جان لینے کی دو مرتبہ کوشش کر چکا تھا۔ اس لیے اسے اپنا جانی دشمن بنا لیا تھا۔ اسے خوف تھا کہ وہ کہیں مخبری کر کے اسے گرفتار نہ کرا دے یا خود ہی موقع پا کر قتل نہ کر ڈالے۔

اسے یہی بات مناسب معلوم ہو رہی تھی۔ کہ جس طرح بھی اور جس قدر بھی جلد ہو سکے سومنات سے رخصت ہو جائے۔

وہ اس بات کی سن گن لینے مہاراج کے پاس گیا۔ کہ چندر موہنی وہاں تو نہیں پہنچ گئی یا موہن سنگھ نے جا کر تو اس کا کچا چٹھا بیان نہیں کر دیا۔

لیکن جب وہ مہاراجہ کے کمرہ خاص کے دروازہ پر گیا۔ تو معلوم ہوا کہ مہاراجہ آج سویرے ہی خوابگاہ میں داخل ہو چکے ہیں۔ پہرہ والوں سے یہ اطمینان کر لیا کہ کوئی مرد یا عورت ان سے ملنے نہیں آئے۔

وہ واپس لوٹ آیا۔ لیکن جب اپنے کمروں کی طرف جا رہا تھا تو پھر خیال ہوا کہ کہیں دونوں یا دونوں میں سے کوئی ایک مہارانی کے پاس نہ پہنچے ہوں۔ اس لیے پھر واپس ہوا۔

اور مہارانی کے جائے قیام پر پہنچا۔ لیکن چونکہ رات ذرا زیادہ آ چکی تھی۔ اس لیے داسیوں سے معلوم ہوا کہ مہارانی بھی آرام گاہ میں پہنچ چکی ہیں۔ وہاں بھی دریافت کرنے پر اسے یہی پتہ چلا کہ مہارانی سے بھی کوئی ملنے نہیں آیا۔

اب قدرے اطمینان ہو گیا۔ اور اس نے اپنے کمرہ میں آ کر سب سے پہلے کھانا کھایا۔ اور بلبیر چندر کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔ کچھ دیر کے بعد بلبیر چندر آ گیا۔ اس کے چہرے پر ناکامی کی حسرت ٹپک رہی تھی۔ سکھدیو نے چہرہ دیکھتے ہی معلوم کر لیا۔ پھر بھی اس نے پوچھا!

کیا نہیں ملی؟

بلبیر چندر نے پست لہجہ میں کہا۔ نہیں ملی۔ لیکن ....

سکھدیو نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ اگر تمہارے خیال میں وہ تہ خانہ میں ہی ہے اور پرشوق نگاہوں سے اس کے چہرہ کی طرف ...... دیکھنے لگا۔

بلبیر چندر نے کہا۔ افسوس میں نہیں کہہ سکتا۔ وہ کہاں ہے مگر میں نے تہ خانہ میں موہن سنگھ کو دیکھا تھا۔

سکھدیو نے بے چین ہوتے ہوئے دریافت کیا۔ کہیں موہن سنگھ بھی تو اس کی تلاش میں نہیں پھر رہا ہے۔

بلبیر چندر —— میرا بھی یہی خیال ہے!

سکھدیو —— جب تو چلو! اسے ڈھونڈ کر پکڑ لیں۔ اور قتل کر کے تہ خانہ ہی میں دبا دیں۔

بلبیر چندر —— اسی لیے میں آپ کے پاس آیا تھا۔

سکھدیو —— تم نے خوب کیا۔ چلو۔ جلدی کرو..........

"کہاں جا رہے ہو بھیا!" کامنی کی آواز آئی۔ سکھدیو نے کہا۔ تجھے ابھی تک نیند نہیں آئی ہے کامنی۔

کامنی —— میں ابھی بستر پر گئی ہی نہیں۔

سکھدیو —— کیوں۔

کامنی —— موہن سنگھ کے خوف کی وجہ سے۔

سکھدیو —— اس سے مت ڈر۔ بلبیر چندر نے اسے تہ خانہ میں دیکھا ہے۔ ہم دونوں

اس کی تلاش میں جارہے ہیں۔ تو بے فکر ہو کر سو۔

کامنی —— بستر پہ جاتے ڈر معلوم ہوتا ہے۔

سکھدیو —— میں نے کہا نہیں کہ داسیوں کو اپنے کمرہ میں رکھ لے بعض ان میں سے سوتی رہیں گی۔ بعض پہرہ دیں گی۔

کامنی —— مگر بھیا ان کی موجودگی میں مجھے نیند ہرگز نہ آئیگی۔

سکھدیو —— تب انہیں برابر والے کمرہ میں ٹھہرنے اور باری باری جاگتے رہنے کا حکم دے دے۔

کامنی —— اچھا ...... لیکن بھیا جب تم اسے پکڑ لو تو مجھے ضرور خبر کر دینا۔

سکھدیو —— اچھا۔

سکھدیو اور بلبیر چندر روانہ ہوئے۔ کامنی اپنے کمرہ میں آگئی۔ وہ کئی کنیزوں کو ساتھ لے کر سکھدیو کے پاس گئی تھی۔ اس وقت بھی اس کے کمرہ میں آٹھ دس کنیزیں تھیں۔

کامنی کچھ ڈرپوک عورت نہ تھی۔ وہ راجپوتنی تھی۔ اور راجپوتنیاں نڈر اور دلاور ہوتی ہیں۔ لیکن نہ معلوم کیا بات تھی۔ کہ موہن سنگھ کو دیکھ کر اس کی روح خشک ہو جاتی تھی۔

کچھ دیر تو کامنی کنیزوں کے ساتھ ہنستی بولتی رہی۔ آخر جب اسے نیند آنے لگی۔ تو اس نے انہیں برابر والے کمرہ میں جانے اور چار عورتوں کو ہر وقت جاگتے رہنے کا حکم دیا۔

کنیزیں چلی گئیں۔ اس نے شبخوابی کا لباس بدلا۔ یہ لباس ڈھیلا تھا۔ لیکن اس کا لباس جسم سے چپک کر رہ گیا۔ جس سے جسم کا عضو عضو نظر آکر دعوت نظارہ دینے لگا خصوصاً سینہ کا ابھار حشر بہ داماں بن گیا۔

وہ لیٹ گئی۔ اور اپنی مست نشیلی آنکھیں چھت کی طرف لگا دیں۔

اگرچہ گداز سینہ میں موہن سنگھ کا خوف سمایا ہوا تھا۔ لیکن نیند پھر بھی آنے لگی۔ دو چار مرتبہ اس نے جھنبائی لی۔ اور رفتہ رفتہ اس کی دلکش آنکھیں بند ہو گئیں۔

جوانی کا ہر عالم پر کیف ہوتا ہے۔ جاگنا۔ سونا۔ کھانا۔ چلنا غرض ہر بات میں ایک نئی امنگ اور ہر امنگ میں ایک نئی خوشی ہوتی ہے۔ ساتھ ہی ہر بات میں ایک ادا اور ہر ادا میں دلفریبی ہوتی ہے۔

اور جوں جوں جوانی رخصت ہونے اور ضعیفی آنے لگتی ہے زندگی کا مزہ ہی جاتا رہتا

ہے پھر ہر بات بے کیف ہو جاتی ہے۔

نہ معلوم کتنی دیر تک خوردوش کامنی غفلت کی نیند سوتی رہی۔ دفعتہً اس نے اپنے بدن کے قریب غیر معمولی گرمی محسوس کی اس کی آنکھ کھل گئی جب ذرا نیند کا اثر دور ہوا اور آنکھیں کھول کر غور سے دیکھا۔ تو موہن سنگھ اس کے اوپر جھکا ہوا نظر آیا۔ غالباً وہ لپٹ جانے کی کوشش کر رہا تھا۔

کامنی جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ موہن سنگھ نے اس آہستگی سے کہ کامنی بھی بمشکل سن سکی کہا۔ رانی! میری اور سکھدیو کی خیریت چاہتی ہو تو شور نہ کرنا مجھے معلوم ہے کہ برابر والے کمرہ میں تمہاری داسیاں تمہارے حکم کی منتظر جاگ رہی ہیں۔

کامنی نے بھی سرگوشی کے لہجہ میں کہا۔ لیکن تمہیں میرے کمرہ میں آنے کی جرأت کیسے ہوئی۔

موہن سنگھ —— کیا کرتا۔ کامنی! تم میری دلبری ہو۔ میرے ہر جزو میں بسی ہو۔ میں تم سے الگ کیسے رہ سکتا ہوں۔

کامنی —— موہن اس خیالِ خام سے باز آجا۔

موہن —— میں نے بہت چاہا۔ کہ تمہارا خیال چھوڑ دوں۔ مدتوں کوشش کی کہ تمہیں بھول جاؤں۔ لیکن نہ بھول سکا۔ جب مجبور ہو گیا۔ تب تمہارے سامنے اظہار مدعا کیا۔

کامنی —— لیکن تم جانتے ہو میں کون ہوں۔

موہن —— جانتا ہوں۔ تم انہلواڑہ کی راجکماری ہو۔ اور میں ایک معمولی آدمی ہوں۔ کامنی! پریم رتبہ کو نہیں دیکھتا۔ محبت اندھی ہوتی ہے۔

کامنی —— تمہاری اور میری دونوں کی بھلائی اسی میں ہے کہ تم مجھے بھول جاؤ۔

موہن —— اب یہ زندگی کے آخری سانس تک ناممکن ہے۔

کامنی —— کیا تم میرے بھیا سکھدیو سے نہیں ڈرتے ہو؟

موہن —— اب وہ میرا کچھ نہیں کر سکتا۔ البتہ میں اسے جب چاہوں گرفتار کرا سکتا ہوں۔ خیال کرتا ہوں۔ کہ اس کی موت تمہارے دل کو صدمہ پہنچائے گی۔

کامنی —— میں تم سے یہ التجا کرتی ہوں۔ موہن کہ میرے بھیا کو نہ قتل کرنا نہ گرفتار کرانا۔

موہن —— میں بالکل خاموش رہوں گا۔ اگر تم مجھ پہ مہربانی کرو۔

کامنی —— افسوس تم میرے دل کے حال سے واقف نہیں ہو۔

موہن ——— مجھے شبہ ہے کہ تمہیں بھی کسی سے پریم ہے۔

کامنی ——— تمہارا شبہ غلط نہیں ہے۔

موہن ——— وہ کون خوش قسمت ہے۔

کامنی ——— یہ میرا راز ہے اور میں اسے کسی پر ظاہر کرنا نہیں چاہتی۔

اس وقت برابر والے کمرہ میں کچھ کھٹکا ہوا موہن سنگھ چونکا اور جلدی سے بولا شاید کوئی آ رہا ہے۔ اگر سکھدیو ہو تو اس سے کہہ دینا کہ وہ اب میرا پیچھا نہ کرے۔ میں اب بھی اسے معاف کر دوں گا، ورنہ ....

ابھی اس کا فقرہ پورا نہ ہوا تھا کہ کمرہ کا دروازہ کھلا۔ اور سکھدیو داخل ہوا۔ اس نے پہلے ہی نظر میں موہن کو پہچان لیا۔ موہن نے اسے اور اس نے موہن کو غضبناک نگاہوں سے دیکھا۔ سکھدیو اس کی طرف جھپٹا اور غصہ سے کانپتے ہوئے لہجہ میں بولا۔ پاپی، کمینہ تو یہاں ہے۔

موہن پیچھے ہٹ کر دیوار سے جا لگا۔ اور آہستہ سے کہا۔ تم دو مرتبہ مجھے ٹھکانے لگانے کی کوشش کر چکے ہو۔ لیکن میں ابھی تک زندہ ہوں۔ اس سے تمہیں یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ پرماتما ہی کو یہ منظور نہیں ہے کہ میں تمہارے ہاتھوں مارا جاؤں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ تم میرے ہاتھ سے مارے جاؤ۔ اس لیے مجھ سے الگ رہو۔ اور میرے معاملہ میں دخل نہ دو۔

سکھدیو کو بے انتہا غصہ تھا۔ وہ تلوار نکال کر اس کی طرف دوڑا۔ موہن نے جلدی سے کہا۔ سکھدیو! آئندہ جب ہم تم ملیں گے۔ تو وہ دن میری یا تمہاری زندگی کا آخری دن ہو گا۔

یہ کہتے ہی اس نے کسی کل پر ہاتھ ڈالا۔ دیوار شق ہو گئی۔ اور موہن سنگھ اس میں دھنستا نظر آیا۔ جب سکھدیو بھاگ کر دیوار کے پاس پہنچا۔ تو موہن غائب ہو چکا تھا۔ اور دیوار برابر ہو گئی تھی۔

سکھدیو نے غصہ میں آ کر دیوار میں ٹھوکریں ماریں۔ اور خفیہ دروازہ کھولنے کی لا حاصل سعی شروع کی۔

سربکف مجاہدین

مہاراجہ کے حکم سے قلعہ اور شہر سومنات میں منادی ہو گئی تھی۔ کہ صبح کی پوجا میں تمام لوگ معہ زن و فرزند کے شریک ہوں۔ اور خلوص دل سے دیوتا سومنات سے فتح کی دعا مانگیں۔

چنانچہ صبح ہوتے ہی لوگوں نے پوجا کی تیاریاں شروع کیں۔ ہر شخص نے حسب حیثیت پجاری پنڈتوں کے لیے نذرانہ لیا۔ سومنات کے بت پر چڑھانے کے لیے پھول اور شیرینی لی۔

لوگوں کی پوجا میں ایک یہ چیز بھی رکاوٹ بنی ہوئی تھی۔ کہ عورتیں اور مرد اپنی حیثیت کے مطابق پنڈتوں کو نذرانہ دیتے تھے۔ پھول اور مٹھائی دیوتا پر چڑھاتے تھے۔ اگر روزانہ سومنات کے درشن یا پوجا کے لیے جاتے تو روزانہ ہی بھینٹ دینی پڑتی۔ اور اگر کوئی خالی ہاتھ چلا جاتا تو پنڈت جھٹ کہہ دیا کرتے۔ کہ دیوتا کی پوجا اور درشن کے لیے خالی ہاتھ نہیں آنا چاہیئے۔

پنڈتوں کو اس قسم کے نذرانہ کی آمدنی اس قدر تھی۔ کہ اتنی مہاراجہ کو ملک کے محصولات سے بھی نہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ہر پنڈت دولت مند تھا۔ اور مہا پجاری کے پاس تو بے شمار دولت تھی۔

جو نقدی آتی تھی پنڈت اور مہا پجاری اس میں سے ایک حصہ مندر کی داسیوں کے اخراجات کے لیے الگ نکال دیتے تھے۔ اور باقی آپس میں تقسیم کر لیتے تھے۔

لیکن چاندی، سونے، ہیرے، جواہرات اور لعل و زمرد کی قسم سے جو کچھ آتا تھا۔ وہ سب مندر ہی میں جمع رہتا تھا۔

جوں ہی مندر میں گھنٹیاں گھنٹے اور گھڑیال بجنے شروع ہوئے لوگ جوق در جوق پوجا میں شریک ہونے کے لیے چل پڑے۔ تمام بازار اور ساری سڑکیں دیوتا کے پجاریوں سے بھر گئیں۔

عوام الناس کے علاوہ وہ راجہ اور مہاراجہ بھی معہ اپنی فوجوں کے چل پڑے جو سومنات کی امداد کے لیے آئے تھے۔

خود مہاراجہ سومنات بھی چلے۔ ان کے ساتھ سکھدیو بھی ہو لیا۔

آج مندر کا چپہ چپہ لوگوں کے اژدہام سے بھر گیا۔ اور چونکہ ہر شخص کچھ نہ کچھ نذرانہ دینے اور مندر پر پھل پھول اور مٹھائی چڑھانے کے لیے لایا تھا۔ اس لیے پجاریوں کے گھر بھر گئے۔

جس قدر انہیں ہر سال سورج گرہن کے موقعہ پر ملا کرتا تھا۔ اس سے زیادہ آج مل گیا۔ آج داسیوں کا خاص طور پر ناچ شروع ہوا۔ ہر داسی نے اپنا کمال دکھانے میں پوری پوری کوشش کی۔ سازندوں نے باجہ بجانے میں کمال کر دیا۔ نقرئی گھنٹیاں نہایت

پر کیف آواز سجائی گئیں۔ سنکھ بھی عجیب عجیب انداز سے بجائے جانے لگے۔

ان سب باتوں سے مطلب یہ تھا کہ مہادیو سومنات بھی ان کے ناچنے گانے، باجے بجانے اور پوجا کرنے سے خوش ہو کر ان کی مدد کریں اور مسلمانوں کو جلا کر فنا کر ڈالیں۔

وہ ایک پتھر کی مورتی سے التجا کر رہے تھے۔ اس کے سامنے رو رو کر اس سے دعائیں مانگ رہے تھے بھولے ہوئے تھے۔ اس بات کو کہ پتھر تو پتھر ہی ہوتا ہے۔ نہ اس میں سننے سمجھنے، بولنے اور چھونے کی حس اور صلاحیت ہے اور نہ کچھ کہہ یا کر سکتا ہے۔

کاش وہ اس کی پرستش کرتے جو کائنات کا خالق ہے اس کے سامنے جھکتے جو باعظمت وجلال ہے۔ اس سے دعائیں مانگتے جو سب کی سنتا ہے اور جسے وہ پرماتما یا ایشور کہتے تھے اور جسے مسلمان خدا کہتے ہیں۔

غرض ہندو سومنات کی پوجا میں شریک تھے۔ آفتاب طلوع ہو چکا تھا کائنات کا ذرہ ذرہ اور پتہ پتہ بیدار ہو گیا تھا۔ مسلمان فجر کی نماز سے فارغ ہو کر مسلح ہو چکے تھے۔

غازی سلطان محمود بھی اسلحہ لگا کر خیمہ سے باہر آ گئے تھے۔ انہوں نے رات ہی کو ہر سردار کے پاس یہ حکم بھیج دیا تھا کہ صبح ہوتے ہی پھر قلعہ پر دھاوا کیا جائے۔

التونتاش اور امیر علی خویشاوند دونوں ایک ٹیلہ پر کھڑے سلطانی لشکر کی طرف دیکھ رہے تھے۔ جوں ہی سلطان گھوڑے پر سوار ہوئے اور انہوں نے علم ہاتھ میں لیکر اس کے پھریرہ کو جھٹکا دے کر ہوا میں لہرایا۔ فوراً ہی ان کے دستہ نے اللہ اکبر کا پرشور نعرہ لگایا۔

اس نعرہ کو سنتے ہی التونتاش اور امیر علی خویشاوند دونوں تیزی سے ٹیلہ سے نیچے اتر کر سوار ہوئے۔ اور لشکر کو قلعہ کی طرف بڑھنے کا اشارہ کیا۔

شیرانِ اسلام "بسم اللہ اللہ اکبر" یعنی آغاز سے ساتھ نام اللہ کے اور اللہ بڑا ہے۔ کا ورد کرتے ہوئے بڑی شان سے بڑھے۔

راجپوتوں کا خیال تھا کہ مسلمان گزشتہ روز کی جنگ میں تھک کر خستہ و شکستہ حال ہو گئے ہوں گے۔ . . . . آج وہ آرام کریں گے۔

لیکن جب انہوں نے انہیں قلعہ پر یورش کرتے دیکھا تو بحال متعجب اور بہت زیادہ خوفزدہ ہوئے جب مسلمان بڑھ کر فصیل کے نزدیک آ گئے۔ تب وہ سنبھلے۔ اور انہوں نے شور کرنا، جے کارے لگانا اور تیروں اور پتھروں کا مینہ برسانا شروع کر دیا۔

چونکہ ابھی تک مندر میں پوجا ہو رہی تھی۔ اور وہاں گھنٹے گھنٹیاں اور گھڑیال اس زور سے بجائے جا رہے تھے کہ اور تمام آوازیں ان آوازوں میں مدغم ہو کر رہ گئی تھیں۔ اس لیے قلعہ کے راجپوتوں کے شور کی آواز بھی جذب ہو کر رہ گئی۔ حالانکہ فصیل پر لڑنے والے راجپوتوں کا غل مچانے سے ایک منشا یہ بھی تھا کہ مندر تک ان کی آواز پہنچ جائے۔ اور وہاں سے مدد آ جائے۔

آج مسلمان گویا سروں پر سے کفن باندھ کر آئے تھے۔ انہوں نے نہ تو کافروں کے شور مچانے کا خیال کیا۔ اور نہ تیروں اور سنگریزوں کی پرواہ کی بلکہ اس طرح تیزی سے بڑھتے رہے جیسے کوئی رکاوٹ ہی حائل نہیں ہے۔

جوں جوں مسلمانوں کو بڑھتے آتے دیکھتے تھے۔ راجپوتوں کے اوسان خطا ہوتے جاتے تھے وہ بڑی پھرتی۔ نہایت سرگرمی اور کمال حاقت سے تیر افگنی اور سنگ اندازی کر رہے تھے چاہتے کہ کسی طرح مسلمانوں کا سیلاب رک جائے۔

لیکن مسلمانوں نے جیسے تہیہ کر لیا تھا۔ کہ ان کے قدموں کو موت بھی نہ روک سکے گی۔ حقیقت میں وہ موت کا مقابلہ کرتے ہوئے بڑھ رہے تھے۔

یہ بات نہیں ہے کہ انہیں نقصان نہیں پہنچ رہا تھا۔ یا وہ قتل و زخمی نہیں ہو رہے تھے نہیں وہ برابر زخمی بھی ہوتے جاتے تھے اور بعض شدید طور پر مجروح ہو کر شہید بھی ہو رہے تھے لیکن ایک جماعت اس لشکر کے ساتھ پیادہ پا آ رہی تھی۔ وہ شہیدوں کو فوراً اٹھا کر لے جاتی تھی۔ اور زخمیوں کو علیحدہ لے جا کر جا کر ان کی مرہم پٹی کر دیتی تھی۔

جب راجپوتوں نے دیکھا کہ مسلمان فصیل کے نیچے بھی آ گئے۔ بس تو ان پر عجیب سراسیگی کا عالم طاری ہو گیا۔ وہ تیروں کی باڑھیں مارنا اور پتھروں کی بارش کرنا بھول گئے اور سناٹے کے عالم میں رہ گئے۔ اور فصیل کی چار دیواری کے اوپر سے جھانک جھانک کر یہ دیکھنے لگے کہ اب مسلمان کیا کرتے ہیں

مسلمانوں کے دستے دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ وہ راجپوتوں کی حرکتیں دیکھ رہے تھے۔ انہیں ان پر اس قدر غصہ آ رہا تھا کہ انہوں نے بہت سے مجاہدین کو شہید یا زخمی کر ڈالا تھا۔

مجاہدین اسلام کے کچھ دستوں نے کمانیں ہاتھوں میں لے کر ان میں تیر جوڑے اور

تاک کر چھوڑے۔

تیر فضا کو چیرتے سنسناتے اور رعد سے شور مچاتے فصیل کی طرف شکروں کی طرح جھپٹے۔ جو راجپوت ان مسلمانوں کو جھانک کر دیکھ رہے تھے وہ فصیل کے نیچے پہنچ گئے تھے اس لیے وہ ان تیروں کو نہ دیکھ سکے۔ لیکن بعض ان راجپوتوں نے جو جھروکوں میں آنکھیں لگائے تاک رہے تھے۔ دیکھا بھی تو اس وقت جب تیر عین فصیل پر آ گئے تھے۔

انہوں نے جلدی سے جھانکنے والے راجپوتوں کو کھینچ جا لیا۔ لیکن تیر قضائے مبرم کی طرح ان کے سروں۔ پیشانیوں آنکھوں اور رخساروں میں پیوست ہو گئے۔

تمام زخمی راجپوت ایک دم چلا اٹھے۔ ان میں سے بعض تو فصیل سے نیچے گر پڑے بعض فصیل پر الٹ گئے۔ بعض تڑپنے لگے۔ اور بعض تڑپ تڑپ کر ٹھنڈے ہو گئے۔

مسلمان تیروں کی پہلی باڑھ کا اثر دیکھ چکے تھے۔ اب انہوں نے دوسری باڑھ ماری اور جوں ہی راجپوتوں نے سر ابھارے فوراً ہی تیروں نے ان کی تواضع کی اور وہ بھی چیخ چیخ کر چت جا پڑے۔

اب ان راجپوتوں نے جو سوراخوں میں سے جھانک رہے تھے۔ بلند آواز سے کہا مسلمانوں نے تیر اندازی شروع کر دی ہے۔ دیوار سے اوپر سر نہ نکالو۔

راجپوت ڈر گئے۔ اور پھر کسی کو دیوار کے اوپر سے جھانکنے کا حوصلہ نہ ہوا۔

اس سے مسلمانوں کو امن مل گیا۔ قلعہ کے اوپر سے تیر افگنی اور سنگ اندازی موقوف ہو گئی۔ اب وہ نہایت اطمینان سے بڑھنے لگے۔

اس عرصہ میں جو مسلمان فصیل کے نیچے پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے کمندیں اور سیڑھیاں پھینکنی شروع کیں۔ جو رفتہ رفتہ قلعہ کے کنگوروں میں پھنسنے لگیں۔ اور مسلمان ان کے ذریعہ سے اوپر چڑھنے لگے۔

آج مسلمانوں نے یہ دانش مندی کی۔ ہر وہ شخص جو کمند یا سیڑھی کے ذریعہ سے اوپر چڑھا وہ اپنے دونوں بازوؤں میں سیڑھیاں باندھ کر لے چلا۔ اور کنگوروں کے پاس پہنچ کر کمندوں اور سیڑھیوں کو برابر والے کنگوروں میں باندھ دیا۔

ان کمندوں یا سیڑھیوں پر چڑھنے والوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ اور اس طرح دور تک کمندیں اور سیڑھیاں لٹک گئیں۔

ساتھ ہی مسلمانوں نے یہ بھی احتیاط کی کہ کوئی شخص بھی کنگوروں پر چڑھ کر دیوار پھلانگ کے فصیل پر نہیں گیا۔ بلکہ سب کنگوروں پر کھڑے ہو کر اوروں کے اوپر چڑھنے کا انتظار کرنے لگے جب بہت سے مسلمان کنگوروں پر آ گئے۔ تو انہوں نے ڈھالیں پشتوں پر ڈال کر تلواریں دانتوں میں دبا کر دیوار پر بندروں کی طرح اس طرح جا بیٹھے جیسے کسی لمبے زینے سے جھونکا کھا کر ایک دم آ گئے ہوں

اتنے مسلمانوں کو دیوار پر آتے دیکھ کر راجپوتوں کو بڑی حیرت ہوئی وہ نہ سمجھ سکے کہ وہ کس طرح ایک ساتھ اتنی تعداد میں چڑھ آئے۔

مسلمانوں نے ان کی حیرت سے فائدہ اٹھایا۔ وہ جست لگا کر فصیل پر راجپوتوں کے سروں پر جا کودے۔ اور فصیل پر پہنچتے ہی انہوں نے حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ بائیں ہاتھوں میں ڈھالیں اور داہنے ہاتھوں میں تلواریں لے کر پر جوش حملہ کیا۔

انتیسواں باب

خونریز معرکہ

آج راجپوتوں کی ستی گم تھی۔ کچھ تو اس وجہ سے کہ ان کے افسر سردار راجہ اور مہاراجہ سب پوجا میں شریک ہونے کے لیے گئے تھے۔ کچھ اس سبب سے کہ وہ اپنی تعداد کم سمجھ رہے تھے۔ حالانکہ اب بھی مسلمانوں سے کئی حصے زیادہ تھے۔ اور کچھ اس باعث سے کہ مسلمان کثیر تعداد میں فصیل پر اچانک جا کودے تھے۔

وہ گلے پھاڑ پھاڑ کر چلا رہے تھے۔ اپنی پوری طاقت سے تمام قلعہ ان کی پرشور آوازوں سے گونج اٹھا تھا۔ مسلمانوں کو شمشیر بکف دیکھ کر انہوں نے بھی کھانڈے سنبھال لیے اور جوں ہی مسلمان ان پر حملہ آور ہوئے انہوں نے بھی مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔

جنگ شروع ہو گئی۔ تلواریں قتل کرنے کے لیے اٹھیں۔ تو راجپوت کھانڈے تیزی سے اٹھا رہے تھے۔

اس وقت دونوں فریق جوش و غضب میں بھرے ہوئے تھے۔ ایک دوسرے پر پُر زور حملے کر رہے تھے۔ راجپوت گذشتہ ایام کی طرح مسلمانوں کو فصیل سے نیچے دھکیل دینے کی کوشش کر رہے تھے۔ اور مسلمان راجپوتوں کو پسپا کرنے کی فکر میں لگے ہوئے تھے۔

چونکہ ہر فریق دوسرے پر کاری ضربیں لگا رہا تھا۔ اس لیے خون ریزی کا بازار بھی گرم ہو گیا تھا۔ سر اور ہاتھ کٹ کٹ کر اچھلنے لگے تھے۔ لاشوں پر لاشیں گرنے لگی تھیں خون کی بارش ہونے لگی تھی۔

آج مسلمانوں کی آمد کا تانتا بندھا لگا ہوا تھا۔ چونکہ سیڑھیاں اور کمندیں کافی تعداد میں لگا دی گئی تھیں اس لیے مسلمان جوق در جوق ان کے ذریعہ سے فصیل پر پہنچ رہے تھے اور وہاں پہنچتے ہی تلواریں سونت سونت کر دشمنوں پر جا ٹوٹتے تھے۔

جوں جوں مسلمان فصیل پر زیادہ تعداد میں پہنچتے جاتے تھے۔ جنگ کی آگ بھڑکتی جاتی تھی وہ ادھر ادھر پھیلتے اور راجپوتوں پر حملے کر کے انہیں پیچھے ہٹاتے جا رہے تھے

نہایت ہولناک اور بڑی خونریز جنگ ہو رہی تھی۔ راجپوت پیچھے ہٹنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اور مسلمان انہیں پسپا کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔

ابھی تک مسلمانوں کے افسر فصیل پر نہ پہنچ سکے تھے۔ وہ نیچے کھڑے ہوئے سپاہیوں کو ہدایتیں کر رہے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ وہ بھی پہنچنے لگے۔ اور انہوں نے رزمگاہ میں پہنچتے ہی اس زور سے حملے کیے کہ ایک دفعہ تو راجپوت اتنے پیچھے دبے کہ اپنے پشت کی دیوار سے جا لگے۔ لیکن فوراً ہی ان کی رگ ہمت و شجاعت بھڑکی اور وہ جوش میں آ کر بڑھے اور کچھ اس شدت سے حملہ آور ہوئے کہ متعدد مسلمانوں کو مارتے کاٹتے انہیں ہٹاتے نصف میل تک بڑھ آئے۔

اگرچہ مسلمانوں نے انہیں روکنے کے لیے۔ اپنی پوری قوت صرف کر دی۔ لیکن پرجوش راجپوتوں کا سیلاب نہ روک سکے۔ اور قدم قدم پیچھے ہٹتے اور دبتے چلے آئے۔

اس جد و جہد میں کئی مسلمان شہید ہو گئے اور کئی زخمی ہو کر ایک طرف ہٹ گئے۔ اور اپنے زخموں کو باندھنے لگے۔

مگر فوراً ہی ان زخمیوں اور شہیدوں کی جگہ تازہ دم مسلمان نیچے سے چڑھ آئے۔ اور انہوں نے جوش میں آ کر ایسا شدید حملہ کیا کہ اب راجپوت کٹنے، مرنے زخمی ہونے اور پیچھے ہٹنے لگے۔

اگرچہ راجپوتوں نے قدم قدم پر رکنا اور جانبازی سے مقابلہ کرنا شروع کیا۔ لیکن مسلمانوں کے ریلے نے انہیں پیچھے ہٹا کر ہی چھوڑا۔

اس کوشش میں ان کے بھی بہت سے آدمی کام آئے بہت سے زخمی ہو کر الگ ہٹ گئے۔ لیکن ان زخمیوں کو امن نہ مل سکا۔ مسلمانوں نے انہیں حملے کر کے قتل کر ڈالا۔

مسلمانوں نے اپنے زخمیوں کو اپنے پس پشت لے لیا۔ اور راجپوتوں کو ان تک نہ پہنچنے دیا تھا۔ لیکن راجپوت اس طرح اپنے زخمیوں کی حفاظت نہ کر سکے۔ اور وہ ایک ایک کر کے سب مارے گئے۔

یہ کیفیت دیکھ کر راجپوتوں کو بڑا طرارہ آیا۔ انہوں نے جوش میں آ کر نہایت سختی سے

حملہ کیا۔ مسلمانوں نے ان کا حملہ روکنے میں بڑی کوشش کی۔ جم کر مقابلہ کرنا چاہا۔ لیکن زبردست راجپوتوں کے سیلاب نے انہیں پیچھے ہٹا کر ہی چھوڑا۔

پھر اس معرکہ میں کئی مسلمان شہید ہو گئے۔ اور پھر مسلمانوں کو جوش اور غصہ آ گیا۔ انہوں نے پھر سنبھل کر نہایت پرزور حملہ کیا۔ مسلمانوں کا یہ حملہ نہایت ہی سخت ہوا۔ انہوں نے راجپوتوں کو تلواروں کی باڑھوں پر رکھ لیا۔ اور چشم زدن میں سینکڑوں راجپوتوں کو کاٹ کر رکھ دیا۔

اب راجپوت گھبرا گئے۔ اب تک وہ جس قدر جد و جہد کر تے رہے تھے۔ وہ سب بیکار گئی۔ کئی سپاہی فصیل سے نیچے اتر کر مندر کی طرف اس ہنگامہ کی اطلاع دینے کے لیا دوڑے گئے۔

ادھر التونتاش اور امیر علی خولیشاوند دونوں فصیل پر چڑھ آئے۔ ان کے آتے ہی مسلمانوں میں تازہ روح آ گئی۔ انہوں نے نئے جوش اور نئے ولولے سے نہایت ہی سخت حملہ کیا۔ خود التونتاش اور امیر علی خولیشاوند بھی حملہ آور ہوئے۔ انہوں نے بھی بڑے پرزور حملے کیے۔

اگرچہ راجپوتوں نے ان حملوں کو روکنے کے لیے بڑے استقلال اور بڑی ہمت سے کام لیا۔ خوب مقابلہ کیا۔ نہ صرف مقابلہ ہی کیا بلکہ خود بھی پرزور حملے کئے۔ بڑھ بڑھ کر کھانڈے چلائے۔ لیکن مسلمانوں نے ان کے تمام حملے نہایت جوانمردی سے روکے اور ایسے جوش سے جوابی حملے کئے کہ راجپوتوں کی صفیں الٹ گئیں۔ ان کے بڑے بڑے سورما مارے گئے۔ بڑے بڑے بہادر زخمی ہو کر کراہنے اور چلانے لگے۔

غازی سلطان محمود بھی بڑھے چلے آ رہے تھے۔ وہ اور ان کے جلو میں آنیوالا لشکر دور سے دیکھ رہے تھے۔ کہ مسلمان بڑی پھرتی سے قلعہ پر چڑھ کر فصیل پر کود رہے ہیں۔ چونکہ فصیل پر قد آدم چار دیواری تھی۔ اس لیئے لڑائی کا ہنگامہ نظر نہ آتا تھا۔ لیکن تلواریں اور کھانڈے اٹھتے اور جھکتے دکھائی دے رہے تھے۔

یہ منظر دیکھ کر ہر سوار، ہر افسر اور خود سلطان کے دل میں جوش و ولولے اٹھ رہے تھے۔ اور وہ چاہتے تھے کہ تیزی سے بڑھ کر فصیل پر جا چڑھیں۔ لیکن ابھی فصیل دور تھی۔ اور درمیان میں بہت سے فوجی دستے پھیلے ہوئے تھے۔

جو مسلمان نیچے سے چڑھ کر دیوار پر کھڑے ہوتے تھے۔ وہ نیچے والوں کو جلدی سے اوپر آنے کا اشارہ کر دیتے تھے۔ اور نیچے والے جس قدر تیزی سے ممکن تھا۔ اوپر چڑھنے لگے۔ چونکہ مسلمانوں کی آمد کا تانتا لگا ہوا تھا۔ اس لیے وہ فصیل پر پہنچتے اور جنگ کی آگ میں کود کر کارزار کے شعلوں کو بھڑکاتے جاتے تھے۔

راجپوت فصیل کے چپہ چپہ پر جانیں نچھاور کر رہے تھے۔ بڑی جی داری سے لڑ رہے تھے۔ لیکن مسلمان بھی غضب کی دلیری سے جنگ کر رہے تھے۔ وہ پینترے بدل بدل کر جھپٹ جھپٹ کر بڑی قوت اور پھرتی سے حملے کر کے دشمنوں کو ٹھکانے لگا رہے تھے۔

چند ہی گھنٹوں کی جنگ میں راجپوتوں کی بڑی تعداد ماری گئی۔ اور جگہ لاشوں کے اس قدر ڈھیر لگ گئے۔ کہ لڑنے والوں کو ان کے اوپر سے گذرنا مشکل ہو گیا۔ ساتھ ہی خون سے تمام فصیل اس قدر تر ہو گئی کہ پیر پھسلنے لگے۔

جب کہ یہ ہنگامہ دار و گیر بلند تھا دفعتہً شور ہوا کہ سلطان آ گئے مسلمان اس شور کو سن کر پہلے بھی زیادہ سرفروشی سے لڑنے لگے۔ اور کچھ اس بے جگری سے حملہ آور ہوئے کہ راجپوت ان کا مقابلہ ہی نہ کر سکے۔ ڈٹے جمے لیکن یا تو قتل ہو ہو کر گرنے لگے یا پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔

جوں جوں مسلمان بڑھتے جاتے تھے۔ راجپوت دبتے جاتے تھے۔ اور جوں جوں وہ دبتے تھے مسلمانوں کے حوصلے بڑھتے جاتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر راجپوت اپنی قومی روایات کو قائم و برقرار رکھنے کے لیے پوری سرگرمی سے لڑتے تو ممکن تھا کہ گزشتہ دنوں کی طرح آج بھی مسلمانوں کو فصیل سے نیچے گرا دیتے۔ لیکن آج مسلمانوں کی زیادہ تعداد فصیل پر پہنچ جانے کی وجہ سے ان کی ہمتیں پست ہو گئیں۔ اور وہ جارحانہ حملے کرنے کے بجائے صرف مدافعت ہی کرتے رہے۔ مسلمانوں نے آج فصیل کے ایک حصہ پر قدم جما کر کچھ اس جوش و خروش سے جنگ کی کہ دشمنوں کے چھکے چھوٹ گئے۔

اگرچہ اب بھی راجپوت بڑی بہادری سے مقابلہ کر رہے تھے۔ لیکن ان کے خوفزدہ چہرے اور سہم ناک نگاہیں بتا رہی تھیں کہ ان پر مسلمانوں کی ہیبت چھا گئی ہے۔ اور وہ مسلمانوں کی تلواریں کو دیکھ دیکھ کر خائف ہونے لگے ہیں۔

پھر بھی ابھی تک راجپوتوں میں بھاگ جانے کا خیال پیدا نہیں ہوا تھا۔ اگرچہ وہ گھبرائے ہوئے تھے۔ لیکن برابر جیسے ہوئے لڑ رہے تھے اور جہاں تک بھی ان کے حواس یاوری کر رہے تھے۔ اور طاقت ساتھ دے رہی تھی۔ جنگ کر رہے تھے۔

مسلمانوں نے انہیں اس طرح نرغہ میں لے لیا تھا۔ کہ پیچھے تو دیوار آ گئی تھی۔ اور سامنے مسلمان تھے صرف ادھر اُدھر کے بازو خالی تھے۔

اس وقت مسلمانوں نے جوش میں آ کر اللہ اکبر کا پرشور نعرہ لگایا۔ اس نعرہ سے راجپوت اور بھی سہم گئے۔ ساتھ ہی جب مسلمانوں نے پرزور حملہ کیا۔ تو وہ سراسیمہ ہو کر بھاگ نکلے۔

مسلمانوں نے ان کا پیچھا شروع کر دیا۔ اور اس بری طرح انہیں قتل کرنا شروع کیا کہ جہاں تہاں ان کی لاشیں ڈال دیں۔

اب یہ صورت ہو گئی کہ راجپوت بھاگ رہے تھے اور مسلمان انہیں قتل کرتے ان کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔

اسی طرح آگے پیچھے دوڑتے فصیل سے نیچے اتر آئے اور قلعہ میں پھیلنے لگے۔

کچھ مسلمانوں نے یہ عقلمندی کی کہ جلدی سے دروازہ پر پہنچ کر وہاں کے محافظوں سے جنگ شروع کر دی۔ دروازہ پر تقریباً پانچ سو راجپوت تھے۔ چونکہ وہ تازہ دم تھے۔ اس لیے تلواریں سونت کر مسلمانوں کے مقابلہ میں آ گئے۔

مسلمان چاہتے تھے کہ جس طرح بھی ہو ان راجپوتوں کو کاٹ کر کے دروازہ کھول ڈالیں۔ اس لیے انہوں نے بڑے جوش اور بڑی سرگرمی سے حملے شروع کر دیئے۔

اس وقت یوں تو قلعہ کے بڑے حصہ میں جہاں تک مسلمان اور راجپوت پھیل گئے تھے۔ جنگ ہو رہی تھی۔ لیکن لڑائی کا سب سے زیادہ زور دروازہ پر ہو گیا تھا۔

راجپوت مسلمانوں پہ اور مسلمان راجپوتوں پہ ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے دونوں فریقوں کے جانباز قتل و زخمی ہو رہے تھے۔ لیکن کوئی فریق بھی وہاں سے ہٹنے کا نام نہ لیتا تھا۔

اتفاق سے یا قصداً التونتاش بھی کچھ سپاہیوں کے ساتھ وہاں آ گئے۔ انہوں نے آتے ہی جوش و خروش سے حملہ کیا۔ اور راجپوتوں کو کھیرے اور ککڑی کی طرح سے کاٹنا شروع کر دیا۔

جب راجپوتوں کی زیادہ تعداد نذرِ اجل ہو گئی۔ تب وہ بھاگ نکلے اور مسلمانوں نے

بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

دروازہ کے کھلتے ہی مسلمانوں کا سیلاب اندر داخل ہو گیا۔ اور شہزادوں نے گھوڑے اٹھا کر ہزیمت خوردہ راجپوتوں کو بری طرح قتل کرنا شروع کر دیا۔

شاندار فتح

جس وقت پوجا ختم ہوئی عین اس وقت وہ سپاہی وہاں پہنچے۔ جو قلعہ کی فصیل پر جنگ ہونے کی خبر پہنچانے اور مدد طلب کرنے دوڑ آئے تھے۔ انہوں نے مہاراجہ سے تمام کیفیت بیان کر دی۔ یہ وحشتناک خبر سن کر مہاراجہ کو بے حد رنج و قلق ہوا۔ ان کا رنگ اڑ گیا۔ ان کے قریب جو اور راجہ مہاراجہ کھڑے تھے۔ وہ بھی خائف و ترساں ہو گئے۔

مہاراجہ نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔ تمام مندر لوگوں سے پٹا ہوا تھا۔ انہوں نے بلند آواز سے کہا: "مہادیو سومنات جی کے پجاریو! اگر تم زندہ رہنا چاہتے ہو تو عزت و حرمت کے ساتھ زندہ رہو ورنہ موت زندگی سے بہتر ہے۔

مجھے ابھی معلوم ہوا ہے۔ کہ ملیکش مسلمانوں نے قلعہ پر حملہ کر دیا ہے۔ اور آج بھی ان کے آدمی فصیل پر پہنچ گئے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آج جنگ کا فیصلہ ہو جائے۔ اور سرِ یا دھر اب دشمن کے مقابلہ کے لیے چلو صرف فوجی سپاہی ہی نہیں۔ بلکہ سومنات کا ہر نوجوان اس جنگ کی آگ میں کود پڑے۔ اور ہر شخص کم سے کم ایک ایک مسلمان کو مار ڈالے۔ اس طرح تم بہت جلد مسلمانوں کا خاتمہ کر ڈالو گے۔ اور آج ہی فتح کے جھنڈے لہرا دو گے۔ اب ایک لمحہ کا توقف نہ کرو۔ ابھی چلو۔ عورتوں اور بچوں کو گھر بھیج دو۔ مہادیو سومنات جی کی آخری اور شاندار مدد ہے۔ دنیا میں رہتی دنیا تک تمہارا نام اور تمہارا یہ کارنامہ زندہ اور باقی رہے گا۔

یہ سن کر لوگوں کے دلوں میں کچھ اس قسم کا جوش و جذبہ پیدا ہوا کہ سب سرفروشی پر آمادہ ہو گئے۔ سب نے نعرے لگائے سومنات مہادیو جی کی جے۔ بھارت ماتا کی جے بھارت کے سورماؤں کی جے۔ مہاراجہ سومنات کی جے۔

ان مہیب جے کاروں سے صرف مندر ہی گونج اٹھا۔ بلکہ شہر اور قلعہ بھی گونجنے لگے فوراً ہی راجپوتوں کے دستے قطار در قطار افسروں راجاؤں اور مہاراجاؤں کی سرکردگی

میں روانہ ہوئے۔ ان کے پیچھے عوام الناس مسلح ہو ہو کر چل پڑے۔

مندر میں کچھ اسلحہ جات بھی جمع رہتے تھے مہا پجاری نے ان ہتھیاروں کو تقسیم کرایا اور لوگ ان ہتھیاروں کو متبرک سمجھ کر بڑی شان کے ساتھ روانہ ہوئے۔

مہاراجہ سومنات بھی اپنے رسالہ خاص کو جلو میں لے کر چلے، جو عورتیں اور بچے مندر میں رہ گئے تھے۔ انہیں کچھ آدمی اپنے ساتھ لے کر شہر کی جانب چلے۔

جب یہ عظیم الشان لشکر شہر کو عبور کر کے قلعہ کے سامنے پہنچا۔ تو مسلمانوں کو قلعہ میں گھسے ہوئے دیکھا۔ یہ غیر متوقع نظارہ دیکھ کر راجپوتوں کے حواس باختہ ہو گئے۔ مہاراجہ کو اس قدر صدمہ ہوا۔ کہ باوجود ضبط کرنے کے آنکھوں سے آنسوؤں کے دو موٹے قطرے نکل کر رخساروں پر بہہ گئے

لیکن فوراً ہی انہوں نے ریشمیں رومال سے پونچھ ڈالا۔ اور بلند آواز سے بولے۔ راجپوتو! آج تمہاری بہادری کا امتحان ہے ملک و قوم کی حرمت پر کٹ مرو یا دشمن کو کاٹ کر ڈالو۔ اگر تم نے ذرا بھی کم ہمتی اور بزدلی کی۔ تو مسلمان تمہارے ٹکڑے کر ڈالیں گے۔ اور تمہاری املاک پر قابض ہو کر تمہاری عورتوں کو کنیزیں اور تمہارے بچوں کو غلام بنا لیں گے۔ اس کے علاوہ تم خوب جانتے ہو۔ کہ مسلمان محمود کو ہمارے دیوی دیوتاؤں سے بیر ہے۔ وہ ہمارے مندروں کو کھود ڈالے گا۔ اور ہمارے دیوتاؤں کی مورتیوں کو توڑ کر پھینک دے گا۔ تم یہ دردناک نظارہ دیکھنے سے پہلے یا تو خود فنا ہو جاؤ یا دشمنوں کو فنا کر ڈالو۔ مہادیو سومنات جی تمہیں دیکھ رہے ہیں۔ تم ابھی ان کی پوجا کر کے چلے آرہے ہو۔ وہ ضرور تمہاری مدد کریں گے۔ بولو مہادیو سومنات جی کی جے۔

سب نے اس نعرہ کی تکرار کی۔ اور راجپوتوں نے جوش و خروش سے بڑھنا شروع کیا۔ ابھی مسلمانوں کا تھوڑا ہی سا لشکر قلعہ میں داخل ہوا تھا۔ زیادہ تر قلعہ کے باہر ہی تھا۔ انہوں نے جب اس بے شمار ہندوؤں کے لشکر کو دیکھا۔ تو قلعہ میں داخل ہونے کے بجائے اس جم غفیر کی طرف چل پڑا۔

خود سلطان نے بھی اپنے لشکر کو اس طرف دھکیل دیا اور خود بھی اسی طرف چل کھڑے ہوئے۔ راجپوت ان غازیان اسلام کو دیکھتے ہی ٹھٹک گئے۔ اور ادھر ادھر دور تک پھیل کر صفیں مرتب کرنے لگے۔

لیکن مسلمانوں نے انہیں صفیں قائم کرنے کا موقعہ ہی نہ دیا۔ انہوں نے ان کے پاس پہنچ کر نہایت پرجوش حملہ کیا۔

راجپوت بھی غضب ناک ہو کر مقابلہ پر آگئے۔ تلواریں میانوں سے ابل پڑیں۔ کھانڈے بلند ہو گئے۔ ڈھالیں اٹھنے لگیں۔ اور ہولناک جنگ شروع ہو گئی۔

چونکہ فریقین ابھی طرح اپنی صفیں قائم نہ کر سکے تھے۔ اس لیے بہت جلد گڈ مڈ ہو گئے راجپوت مسلمانوں میں گھس گئے اور مسلمان راجپوتوں میں در آئے۔

اور چونکہ دونوں فریق جوش و غضب میں بھرے ہوئے تھے۔ اس لیے بڑی پھرتی اور نہایت تیزی سے تلواریں اور کھانڈے چلانے لگے۔

ہنگامہ کارزار گرم ہو گیا۔ انسانوں کے خون سے ہولی کھیلی جانے لگی۔ سر کٹ کٹ کر گیندوں کی طرح اچھلنے اور ٹھوکریں کھانے لگے۔ دھڑ تناور درختوں کی طرح گرنے لگے۔ خون سے زمین سیراب ہونے لگی۔

راجپوت مسلمانوں کو کچل ڈالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اور مسلمان راجپوتوں کو بیس ڈالنے کی جدوجہد میں مصروف تھے۔ ہر شخص کی زندگی خطرہ میں تھی۔ اور ہر شخص موت کے قریب کھڑا تھا۔ ذرا سی غفلت میں اچانک موت کا شکار ہو جاتا تھا۔ ذرا آنکھ جھپکی اور تلوار یا کھانڈا سر پر پڑا اور سر کی دو پھانکیں ہو گئیں۔ یا گردن پر تلوار پڑی اور سر اڑ گیا یا کھانڈے نے سینہ صدر تک چیر ڈالا غرض ہندو اور مسلمان دونوں موت کا شکار ہو رہے تھے دونوں لڑ رہے تھے۔ اور دونوں مر رہے تھے۔ بڑی تیزی سے جیسے انہوں نے موت کی مہانی کی ہو اور قضا کا فرشتہ ان کی روحیں نکالنے کے لیے دوڑ رہا ہو۔

مسلمان اگرچہ بہت ہی تھوڑے سے تھے۔ لیکن ایسی دلیری اور ایسے استقلال سے لڑ رہے تھے کہ خود ہندوؤں کو حیرت ہو رہی تھی۔ ہر مسلمان گویا خونخوار شیر یا قضا کا فرشتہ بن گیا تھا۔ جس کسی راجپوت کو کسی مسلمان کی تلوار ذرا چھو بھی جاتی تھی وہیں کشتہ ہو کر پڑ جاتا تھا۔

ہر مسلمان پیکر جوش و غضب بنا بڑی پھرتی سے حملے کر کے دشمنوں کو ٹھکانے لگا رہا تھا۔

خود سلطان بھی جنگ کی آگ میں کود پڑے تھے۔ اور باوجود کبرسنی اور ضعیف العمری کے جوانوں جیسے جوش و خروش سے لڑ رہے تھے۔ جس طرف مسلمانوں پر ہندوؤں کی یورش دیکھتے

فوراً ہی گھوڑا بڑھا کر وہاں پہنچ جاتے۔ اور کچھ اس شدت سے حملے کرتے کہ دشمن بچنے کی کوشش کرنے پر بھی نہ بچتے۔ سلطانی تلوار ان کا قلع قمع کر ڈالتی۔

جس طرف راجپوتوں کے گروہ دیکھتے ان پر جھپٹ کر حملے کر کے انہیں منتشر کر دیتے۔ سلطان بھی اس وقت اس قدر جوش میں بھرے ہوئے تھے۔ صرف بڑھنے، حملہ کرنے اور مارنے کا خیال تھا۔

یہ غنیمت تھا کہ ان کے رسالہ کا بڑا حصہ ان کے ساتھ تھا۔ اور جس طرف حملہ کرتے اسی طرف رسالہ بھی ٹوٹ پڑتا تھا جس گروہ پر وہ ٹوٹتے تھے۔ اسی پر رسالہ جھک جاتا تھا۔ سلطان اور رسالہ شاہی کے سوار دشمنوں کا کھلیان کر ڈالتے۔ انہوں نے بے شمار دشمنوں کو نہنگ اجل کے منہ میں ڈال دیا تو۔ کئی صفوں کو توڑ دیا تھا۔ گروہوں کو منتشر کر دیا تھا۔

سلطان کے چہرہ سے کچھ ایسا جلال ظاہر تھا کہ ہر وہ ہندو جس پر سلطان حملہ کرتے تھے۔ یا جس کی نظر سلطان پر پڑ جاتی تھی۔ خوف و دہشت سے تھر تھر کانپنے لگتا تھا۔

سلطان کو اس قدر جوش و خروش سے لڑتے ہوئے دیکھ کر تمام مسلمانوں کا جوش بہت بلند بڑھ گیا تھا۔ اس جوش کے بڑھنے سے ہر مسلمان میں چار آدمیوں کے برابر طاقت آ گئی تھی۔ اور اس طاقت کے آنے سے ہر مسلمان اس طرح بے خوفی اور دلیری سے لڑ رہا تھا جس طرح چار آدمی لڑ رہے ہوں۔

راجپوت بھی پورے جوش اور پوری سرگرمیوں سے لڑ رہے تھے۔ مقدور بھر مسلمانوں کو [illegible] کرنے کی کوشش کر رہے تھے اگرچہ اس جدوجہد میں کثرت سے مر رہے تھے لیکن موقع پا کر ایک ایک مسلمان کو کئی کئی راجپوت لپٹ جاتے تھے اور بسا اوقات اس مسلمان کو شہید کر ڈالتے تھے جو ان کے نرغہ میں آ جاتا تھا۔

غرض گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی۔ سرفروش بڑی دلیری سے لڑ رہے تھے۔ اور نہایت بے جگری سے قتل ہو رہے تھے۔ دور دور تک لاشوں کے انبار لگ گئے تھے۔ کٹے ہوئے ہاتھوں پیروں اور سروں کے ڈھیر لگ گئے تھے۔ خون بارش کے پانی کی طرح بہنے لگا تھا۔ گھوڑوں کے سم خون آلود ہو گئے تھے اور بعض جگہ ایسی پھسلن ہو گئی تھی کہ گھوڑے بھی پھسلنے لگے تھے۔

یہ سب کچھ تھا۔ لیکن لڑنے والوں کے دلوں پر ان ہولناک مناظر کا بھی اثر نہ ہوتا تھا وہ بدستور جوش و خروش سے لڑ رہے تھے اور جوں جوں آفتاب جلد مغرب کی طرف قدم بڑھاتا

جاتا تھا جنگ کی آگ تیز سے تیز تر ہوتی جاتی تھی۔

گویا متخاصمین نے یہ تہیہ کر لیا تھا کہ آج ہی جنگ کا فیصلہ کر کے دم لیں گے۔

ابھی تک کوئی بھی یہ نہ کہہ سکتا تھا کہ کون فریق فتح و ظفر سے بہرہ مند ہوگا۔ اور کون مقہور و ذلیل ہو کر بھاگ جائے گا۔

جب چار گھڑی دن باقی رہ گیا تب قلعہ کے اندر سے اسلامی جانبازوں کے رسالے التونتاش اور امیر علی خویشاوند کے تھے۔ انہوں نے آتے ہی اس زور سے حملے کئے کہ راجپوتوں کے قدم اکھڑ گئے۔ اور وہ ایک دم پشت دے کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

مسلمانوں نے ان کے بھاگتے ہی اللہ اکبر کے پرشور نعرے لگائے۔ اور ان کے پیچھے تیغ مارتے کاٹتے دوڑنے لگے۔

راجپوتوں کا جس طرف منہ ہو گیا۔ بھاگ کھڑے ہوئے مسلمانوں نے بھی ہر طرف ان کا پیچھا کیا اور انہیں قتل کرنا شروع کیا۔

یہ خونی ڈرامہ دن چھپنے تک کھیلا جاتا رہا۔ آخر جب آفتاب غروب ہوا تو ساتھ ہی ہندوؤں کا ستارہ بھی چھپ گیا۔ وہ سومنات کا قلعہ جو ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا جس کی مدد کے لیے بے شمار راجہ اور مہاراجہ بے پناہ لشکر لے کر آئے تھے۔ آج مفتوح ہو گیا۔ اور مسلمانوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔

اگر یہ خدا کی مدد سے نہ ہوا تو پھر اور کس نے مدد کی مسلمانوں کا خدا پر اعتقاد تھا۔ اس نے ان کی اعانت کی اور فتح یاب ہوئے۔

دن چھپنے کے بعد مسلمان تعاقب سے واپس لوٹے اور گروہ در گروہ نعرے لگاتے ہوئے آئے اور ایک جگہ جمع ہونے لگے

تیسواں باب

جستجو

جبکہ ہنگامہ دار و گیر بلند تھا، سکھدیو مہاراجہ سومنات کے ساتھ کھڑا نہایت خاموشی سے جنگ گاہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ تمام وہ راجہ اور مہاراجہ جو سومنات کی مدد کے لیے آئے تھے، جنگ میں حصہ لے رہے تھے۔ اور چونکہ جنگ نہایت خونریز ہو رہی تھی۔ اس لیے عام سپاہیوں اور افسروں کے ساتھ بہ معاونت کو آنے والے اور لڑنے والے راجہ بھی قتل ہو رہے تھے۔

تاریخوں میں یہ تفصیل درج نہیں ہے۔ کہ کس کس جگہ کے اور کتنے مہاراجہ مدد کے لیے آئے تھے۔ اور ان میں سے کہاں کہاں کے اور کتنے مارے گئے۔

صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ بہت سے راجہ اور مہاراجہ مشہور مشہور مقامات کے بڑے لاؤ لشکر کے ساتھ مدد کے لیے آئے اور ان میں سے کچھ وہیں کھیت رہے۔ کچھ جنگلوں میں گھس گئے اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ جنگلوں سے باہر بھی نکلے یا وہیں مر کھپ گئے۔

البتہ کچھ راجہ جنگلوں کے قریب سے ہوتے ہوئے انہلواڑہ کے قریب سے منصورہ وغیرہ کی طرف نکل گئے۔ لیکن کچھ تو شکست کی ندامت کی وجہ سے اور کچھ شکستہ حالی کے باعث انہوں نے اپنی شخصیت کا اظہار نہیں کیا۔

خیر یہ تو بعد کی باتیں ہیں۔ ابھی تو ہم اسی روز کے واقعات بیان کرتے ہیں جس روز وہ یادگار زمانہ جنگ ہوئی۔ جو آج بھی تاریخوں میں جلی حرفوں سے مرقوم ہے اور جس نے غازی سلطان محمود کو دنیا جہان میں مشہور کر دیا۔

سلطان محمود کا یہی حملہ اور یہی وہ شاندار فتح تھی۔ جس سے ان کی شہرت اقصائے عالم میں پھیل گئی۔

اس روز کے اس وقت کا ذکر ہے۔ جبکہ راجپوت شکست کھا کر بھاگ... مہاراجہ

سومنات نے یہ اندوہ ناک نظارہ دیکھا۔ انہوں نے سکھدیو سے کہا۔ سکھدیو! قسمت پلٹ گئی۔ قلعہ ہاتھوں سے جاتا رہا۔ راجپوت شکست کھا کر فرار ہو گئے۔ اب یا صبح کو شہر اور مندر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے گا۔ اس ہزیمت نے میرا دل توڑ دیا ہے۔ میرے ماتھے پر کلنک کا وہ ٹیکہ لگا ہے۔ جو کسی طرح بھی نہیں چھوٹ سکتا۔ اب زندگی ہیچ ہے......"

سکھدیو نے مہاراجہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ تو کیا حضور کا ارادہ بھی ستی ہو جانے کا ہے؟

مہاراجہ نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ میں کیا کروں گا۔ لیکن زندگی تلخ ہو گئی ہے۔ میری غیرت و حمیت اور شرم یہ گوارا نہیں کرتے۔ کہ میں نے راجپوتوں کی کثرت ان کی شجاعت اور غیرت و حمیت پر بھروسہ کر کے صلح کی دعوت کو ٹھکرا دیا۔ اگر میں چندر موہنی کو ان کے حوالے کر دیتا........ مگر اب اس ذکر سے کیا فائدہ ہے۔ تو اب کہاں جائیگا۔

سکھدیو ...."

سکھدیو ـــــ حضور کو معلوم ہے۔ کہ قلعہ میں میری بہن کامنی موجود ہے۔

مہاراجہ ـــــ ہاں مجھے معلوم ہے۔ اور میں جانتا ہوں کہ تو اسے قلعہ سے باہر لانے کی کوشش کریگا۔ لیکن قلعہ میں مہارانی بھی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ ظالم مسلمانوں کے ہاتھوں میں پڑے کیا تو اقرار کرتا ہے کہ مہارانی کی بھی حفاظت کامنی ہی کی طرح کریگا۔

سکھدیو ـــــ میں اقرار کرتا ہوں۔ لیکن حضور بھی میرے ساتھ کیوں تشریف نہیں لے چلتے۔

مہاراجہ ـــــ اس لیے کہ اگر مسلمانوں نے مجھے گرفتار کر لیا۔ تو اور بھی سبکی اور بدنامی ہو گی۔ تو جا اور دونوں کو قلعہ سے نکال لانے کی کوشش کر۔ اور صرف دونوں ہی کو نہیں بلکہ جس قدر عورتیں اور لڑکیاں تجھے ملیں سب کو اپنی حکمت عملی سے نکال لا۔

سکھدیو ـــــ میں اس کی کوشش کروں گا حضور۔

مہاراجہ ـــــ اچھا جا مہادیو سومنات جی تیری سہاتیا (مدد) کریں۔

یہ کہتے ہی مہاراجہ نے اپنا گھوڑا واپس لوٹایا اور شہر کی طرف کچھ دور چل کر جنگل کی جانب گھوم گئے۔ سکھدیو کچھ دیر تو کھڑا دیکھتا رہا۔ جب وہ دور نکل گئے تو آہستہ سے بولا۔ سومنات کا

---

[1] جس زمانہ کا ہم حال قلم بند کر رہے ہیں۔ اس زمانہ میں ہندو راجاؤں کا یہ قاعدہ تھا۔ کہ جب انہیں شکست ہو جاتی تھی۔ تو آگ میں زندہ جل جایا کرتے تھے اس رسم کو ستی ہونا کہتے تھے۔

بدقسمت مہاراجہ بنوں میں پناہ لینے کے لیے جا رہا ہے۔ کس قدر عبرتناک بات ہے۔ جس کی عظمت کے سامنے سب سر جھکاتے تھے۔ جو زبردست فرمانروا مانا جاتا تھا۔ آج بیکس و بےبس ہو کر یکہ و تنہا جنگلوں میں پناہ لینے جا رہے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن میں افسوس کیوں کروں۔ مجھے اپنا کام کرنا چاہیے۔ ابھی موقعہ ہے۔ مسلمان راجپوتوں کے تعاقب میں الجھے رہے ہیں۔ قلعہ پر ابھی ان کا اچھی طرح تسلط نہیں ہوا ہے۔ شاید میں کامنی اور دوسری عورتوں اور لڑکیوں کو قلعہ سے نکال لانے میں کامیاب ہو جاؤں۔ ممکن ہے چندر موہنی بھی مل جائے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور اگر وہ مل گئی تو قسمت ہی کھل جائے گی۔ یہ کہتے ہی وہ قلعہ کی طرف چلا۔ دن چھپ رہا تھا۔ اور ابھی تک مسلمان راجپوتوں کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔

وہ آسانی سے بغیر مسلمانوں کے سامنے ہوئے قلعہ میں داخل ہو گیا۔ اس نے دیکھا قلعہ میں ایک رعب چھایا ہوا... خوب چہل پہل تھی۔ جس کے چپے چپے پر راجپوت چلتے پھرتے نظر آتے تھے۔ جس میں جگہ جگہ راجپوتوں کے گروہ باتوں میں مصروف رہتے تھے۔ آج بے رونق اور سنسان پڑا تھا۔ نہ روشنی تھی نہ راجپوت تھے۔ اس کے دل پر اس کا گہرا اثر ہوا۔

اور جب وہ قصر شاہی میں پہنچا تو وہ بھی اجڑا اجڑا سا محل معلوم ہو رہا تھا۔ جہاں ہر وقت حسینوں کے سُریلے قہقہے ترنم ریزی کرتے رہتے تھے۔ اس وقت شہر خموشاں بنا ہوا تھا۔

چونکہ اب رات ہو گئی تھی۔ اس کا اندھیرا پھیل گیا تھا۔ وہ اندھیرے میں ٹٹولتا ہوا اپنی جائے قیام پر پہنچا۔ وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ اکو بعل رہے تھے۔ اس نے بڑی کوشش سے ایک مشعل تلاش کر کے روشن کی۔ اور کمروں اور غلام گردشوں میں گھومنے لگا۔

تمام کمرے خالی پڑے تھے اور ان میں عجیب حسرت اور اداسی برس رہی تھی۔ وہ ان کا جائزہ لے رہا تھا کہ دفعتہً ہلکے قدموں کی چاپ ہوئی۔ اس نے پلٹ کر نگاہ کی۔ تو شوبھا دیوی جو کہیں کھڑی نظر آئی۔ سکھدیو نے جلدی سے اسے سلام کرتے ہوئے کہا۔ اوہ! آپ ہیں تم ہو۔

شوبھا دیوی نے کہا۔ ہاں میں ہوں۔ سکھدیو! چندر موہنی کہاں ہے۔

سکھدیو ـــــ مجھے علم نہیں۔

شوبھا دیوی ـــــ لیکن تم نے ہی تو اسے کہیں لے جا کر چھپایا تھا۔

سکھدیو ـــــ چونکہ میں اس بات کا معترف ہوں کہ آپ کو سب باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ اس لیے آپ کے سامنے جھوٹ بولنا فضول ہے۔ یہ سچ ہے کہ میں نے اسے

اشوک تہ خانہ میں پہنچا دیا تھا لیکن وہ وہاں سے بھی غائب ہو گئی۔ کیا آپ کو اس کا علم نہیں ہوا۔

شوبھا ـــــ یہ بات مجھے معلوم ہے۔ اور یہ بھی جانتی ہوں کہ وہ ابھی تہ خانہ کے اندر ہی ہے۔

سکھدیو ـــــ تب آئیے چل کر اسے تلاش کریں۔

شوبھا دیوی ـــــ لیکن ابھی کچھ اور بھی ہستیاں ہیں جنہیں تلاش کرنا ہے۔

سکھدیو ـــــ شاید آپ مہارانی اور کامنی وغیرہ کا ذکر کر رہی ہیں۔

شوبھا دیوی ـــــ ہاں کیا تمہیں معلوم ہے کہ وہ کہاں ہیں۔

سکھدیو ـــــ نہیں۔

شوبھا ـــــ تب آؤ میں بتاؤں۔

شوبھا دیوی چلی۔ سکھدیو اس کے پیچھے چلا۔ دونوں کئی خاموش کمروں میں سے گزر کر ایک تنگ کمرہ میں پہنچے یہاں کامنی تنہا چھپی ہوئی تھی وہ اس وقت سخت خوفزدہ تھی اس کے چہرہ کی سرخی اڑی ہوئی تھی آنکھوں سے غم کی جھلک اور خوف و ہراس کا عالم ظاہر تھا۔ اس نے سکھدیو کو دیکھتے ہی کہا۔ اچھا ہوا بھیا تم آ گئے۔ میں نے ابھی موہن کو دیکھا ہے۔ وہ بھی مشعل لیے کسی کو تلاش کرتا پھر رہا ہے مجھے ماتا جی یہاں چھپا گئی تھیں۔ میں اسے دیکھ کر سہم گئی تھی۔

سکھدیو ـــــ وہ یقیناً تجھے ہی ڈھونڈ رہا ہے۔ لیکن اب چنتا فکر نہ کر میری موجودگی میں وہ تجھے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن مہارانی کو تو نے نہیں دیکھا کامنی۔

کامنی ـــــ نہیں۔ میں نے انہیں دیکھا نہ کوئی داسیوں اور راجکماری کی سہیلیوں میں سے نظر آئی۔ شاید وہ سب قلعہ سے نکل کر بھاگ گئی ہیں۔

شوبھا دیوی ـــــ نہیں ان میں سے کوئی بھی نہیں بھاگی۔ سب قلعہ ہی میں اور اسی محل کے اندر چھپی ہوئی ہیں۔ چلو انہیں تلاش کریں۔

سکھدیو ـــــ چلیے لیکن اگر مسلمان قلعہ میں واپس آ گئے تب کیا ہوگا۔

شوبھا دیوی ـــــ مسلمان عورتوں کو کچھ نہ کہیں گے میں خوب جانتی ہوں کہ وہ صنف نازک کا بڑا احترام کرتے ہیں۔ مگر تم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مگر ابھی یہ ذکر رہنے دو۔ ممکن ہے تم مسلمانوں کے قلعہ میں آنے سے پہلے ہی سب کو تلاش کر کے نکل سکیں۔

سکھدیو ـــــ تب چلیے دیر نہ کیجیے۔

اب یہ تینوں چلے اور ایک ایک کمرہ کو اچھی طرح دیکھتے بھالتے ایک سرے سے دوسرے سرے تک نکل گئے لیکن کسی کمرہ میں بھی انہیں کوئی عورت نہ ملی جب وہ تمام کرے دیکھ چکے تب سکھدیو نے کہا۔ اب کہاں تلاش کرنا چاہیئے۔

شوبھا دیوی نے کہا چلو۔ باغیچہ میں چل کر دیکھیں۔

کامنی نے اس انداز سے جیسے اسے کوئی بھول ہوئی۔ بات یاد آگئی ہو کہا۔ اوہ اب مجھے یاد آیا۔ مہارانی باغیچہ ہی کی طرف بھاگی تھیں۔

شوبھا دیوی نے اس کے منور چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تو نے کب انہیں بھاگتے ہوئے دیکھا تھا۔

کامنی ــــ اس بات کو کون کہہ سکتا ہے۔

شوبھا دیوی ــــ چلو تلاش تو کر لیں۔

اب یہ سب بڑھ کر باغیچہ میں پہنچے۔ وہی باغیچہ جو کبھی گل رخوں کے جم گھٹ کی وجہ سے جنت نظیر بنا رہتا تھا۔ اس وقت خاموش بنا ہوا تھا۔ وہ ادھر ادھر تمام روشوں پر دیکھتے بھالتے اسی لوہے کے پھاٹک پر جا نکلے۔ جس پر سکھدیو موہن سنگھ کو لے کر پہنچا تھا۔ اور جہاں سے اس نے موہن سنگھ کو سمندر میں دھکا دے دیا تھا۔ یہاں انہیں ایک داسی ملی۔ جو خطرہ خوف سے کانپ رہی تھی۔ اور جس کا چہرہ زرد پڑا ہوا تھا۔ شوبھا دیوی نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا مت گھبراؤ۔ اس وقت تم دوستوں کے درمیان ہو۔ کیا تمہیں مہارانی کا کچھ علم ہے۔ کہ وہ کہاں ہیں۔

داسی ــــ وہ شام کے وقت جہاز میں سوار ہو کر چلی گئی۔ ان کے ساتھ بہت سی عورتیں گئی ہیں۔

شوبھا دیوی ــــ تم کیوں ان کے ساتھ نہیں چلی گئیں۔

داسی ــــ میں ڈر کی وجہ سے چھپی رہی۔ اور جب یہاں آئی۔ تو وہ سب جہاز میں سوار ہو چکی تھیں۔ اور جہاز چل پڑا تھا۔ میں نے انہیں آوازیں دیں۔ لیکن فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ سن نہ سکیں۔ اس وقت سے میں یہیں چھپی رہ گئی۔

شوبھا دیوی ــــ کاش مہارانی نہ جاتیں میں ان کے لیے سب کچھ کر لیتی۔ نہ معلوم مہاراجہ کہاں گئے۔

سکھدیو ــــ وہ جنگلوں میں نکل گئے۔

شوبھا دیوی نے افسوس کرتے ہوئے کہا یہ بہت ہی برا ہوا۔ مہاراجہ اور مہارانی دونوں سلطان محمود سے ڈر کر بھاگ گئے۔ انہوں نے سلطان کو پہنچانا نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن خیر جو ہونا تھا ہو گیا۔ اور جو ہونا ابھی باقی ہے ہو کر رہے گا۔ چلو اب راج کماری کو تلاش کریں۔

اب یہ چار آدمی ہو گئے تھے۔ چاروں باغیچہ سے لوٹ کر پھر محلات کے کمروں میں داخل ہوئے اور پھر انہوں نے جستجو شروع کی۔

وہ چند کمرے دیکھ کر جب ایک بڑے کمرہ میں آئے تو شوبھا دیوی نے اس کے ملحقہ کمرہ میں روشنی دیکھی۔ اس نے سب کو روشنی کی طرف اشارہ کر کے خاموش رہنے کے لیے کہا اور سکھدیو کو ساتھ لے کر اس طرف بڑھی۔

جب وہ اس پار والے کمرہ میں داخل ہوئے تو انہوں نے موہن سنگھ کو دیکھا سکھدیو نے نہایت ہی پست لہجہ میں کہا "موہن سنگھ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

شوبھا دیوی نے آہستہ سے کہا "ہاں وہ بھی کسی کو تلاش کرتا پھر رہا ہے۔"

سکھدیو ــــ کامنی کی تلاش میں ہے وہ۔

شوبھا دیوی ــــ آؤ اس کا تعاقب کریں۔

سکھدیو ــــ لیکن کامنی تنہا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

شوبھا دیوی ــــ فکر نہ کرو۔ ایشور اس کی حفاظت کرے گا مجھے شبہ ہے کہ موہن سنگھ کو چندر موہنی کا پتہ ہے۔

سکھدیو ــــ آؤ تب تو ضرور اس کا تعاقب کریں۔

شوبھا دیوی ــــ لیکن پہلے کامنی کو کہیں امن کی جگہ پہنچا دیں۔

سکھدیو ــــ مگر ایسا نہ ہو کہ اس عرصہ میں موہن غائب ہو جائے۔

شوبھا دیوی ــــ یہ ہو سکتا ہے۔ تب آؤ اس کا پیچھا کریں۔

موہن سنگھ نہایت آہستگی سے اس کمرہ کو طے کر کے دوسرے میں داخل ہو گیا۔ یہ دونوں بھی دبے قدموں بڑھ کر اس کمرہ میں آ گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ موہن سنگھ نے دیوار کے پاس جا کر کسی چیز کو دبایا۔ ایک چھوٹا سا خفیہ دروازہ نمودار ہوا۔ اور وہ اس میں گھس گیا اس کے گھستے ہی دروازہ پھر بند ہو گیا۔ یہ دونوں لپک کر اس دیوار کے پاس پہنچے۔ اور سکھدیو نے

ٹٹول کر دیکھا۔ اب یک پر اس کا ہاتھ پڑا جب اس نے اسے دبایا تو دروازہ کھل گیا۔ یہ دونوں بھی دروازہ میں داخل ہو کر غائب ہو گئے۔

شب باشی

شوبھا دیوی اور سکھدیو دونوں نے خفیہ دروازہ سے گزرتے ہی تہ خانہ کا زینہ دیکھا۔ وہ سمجھ گئے کہ موہن سنگھ تہ خانہ میں ہی گیا ہے انہوں نے بھی سیڑھیاں طے کیں اور نیچے ایک کمرہ میں جا کھڑے ہوئے۔ لیکن یہ کمرہ بھی چاروں طرف سے بند تھا۔ شوبھا دیوی نے کہا تعجب ہے وہ کہاں گیا۔ یہ کمرہ تو بند ہے اس میں سوائے اس زینہ کے اور کوئی دروازہ نہیں ہے۔

سکھدیو —— آپ نے شاید یہ تہ خانہ پہلے کبھی نہیں دیکھا ہے۔

شوبھا دیوی —— نہیں میں کبھی یہاں نہیں آئی۔

سکھدیو —— میں اکثر یہاں آیا ہوں۔ یہ تہ خانہ ایک بھول بھلیاں واقع ہوا ہے اس میں ادھر کے متعدد کمروں میں نیچے آتے ہیں اور مختلف کمروں میں اترتے ہیں۔ تمام کمرے ایسے ہی ہیں۔ جیسا یہ کمرہ تم دیکھ رہی ہو۔ لیکن ہر کمرہ میں خفیہ دروازے اسی طرح کے ہیں۔ جیسے دروازوں میں سے میں اور تم گذر کر آئے ہیں۔ ٹھہرو میں خفیہ دروازہ تلاش کرتا ہوں۔

اس نے بائیں ہاتھ میں مشعل پکڑی اور داہنے ہاتھ سے ٹٹولنا شروع کیا۔ شوبھا دیوی ایک طرف کھڑی حیرت بھری نظروں سے دیکھتی رہی۔

تھوڑی ہی دیر میں اس نے کسی چیز کو دبایا اور دروازہ کھل گیا شوبھا دیوی نے کہا بڑی صنعت سے دروازے قائم کئے ہیں۔

سکھدیو —— جی ہاں اس کے بانیوں نے اس میں یہ حکمت رکھی تھی کہ جب ان پر کوئی غنیم چڑھ آئے۔ تو وہ قلعہ کو چھوڑ کر تہ خانہ میں چھپ جائیں لیکن ...... ٹھنڈا سانس لے کر جب ان کی اولاد کو شکست ہوئی۔ یعنی موجودہ مہاراجہ سومنات کو تہ خانہ ان کے کام نہ آسکا۔

شوبھا دیوی —— انسان تو اپنے لیے سب ہی کچھ انتظامات کرتا ہے لیکن جب خدا کو ان سے فائدہ پہنچانا منظور نہیں ہوتا۔ تو ایسے اسباب ہو جاتے ہیں کہ تمام چیزیں رکھی رہ جاتی ہیں۔

سکھدیو —— یہی بات ہے۔ چلئے اسے تلاش کریں معلوم ایسا ہوتا ہے۔ کہ اسے بھی کسی کا خوف ہے کسی کے تعاقب کرنے کا اسی لیے وہ دروازے بند کرتا چلا جاتا ہے۔

شوبھا دیوی —— میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ اگر ہم نے اسے ڈھونڈ نکالا تو چندر مکھی کو پا لیں گے۔

سکھدیو —— میں اسے کافی تلاش کر چکا ہوں۔ لیکن وہ نہیں مل سکا۔ اس وقت اتفاقیہ نظر آگیا ہے۔ کہیں پھر گم نہ ہو جائے۔

شوبھا دیوی —— صحیح کہتے ہو۔ جلدی چلو۔

دونوں خفیہ دروازہ میں داخل ہو کر ایک اور کمرہ میں پہنچے اسے بھی سکھدیو نے کھولا۔ لیکن جس کمرہ میں بھی وہ گئے۔ اسی کو خالی پایا۔ موہن سنگھ کہیں نہ ملا۔

سکھدیو پر گویا جنون سوار ہو گیا تھا۔ جوں جوں اسے ناکامی ہوتی تھی۔ اس کا غصہ بڑھتا جاتا تھا جب وہ کسی کمرہ میں پہنچ کر اسے خالی دیکھتا بے ساختہ اس کے منہ سے گالی نکل جاتی۔ وہ اس بات کا بھی خیال کر رہا تھا کہ اس کے ساتھ ایک قابل احترام ہستی ہے۔ جو صنف نازک سے تعلق رکھتی ہے۔ اسے اس کا لحاظ کرنا چاہیئے۔ اور اس کے سامنے گالیاں نہیں دینی چاہئیں۔

دونوں نے متعدد کمرے دیکھ ڈالے لیکن موہن سنگھ کہیں نظر نہ آیا۔ جب انہیں تہ خانہ میں پھرتے دیر ہو گئی۔ تو شوبھا دیوی نے کہا سکھدیو! ہم کامنی کو اوپر بے پناہ چھوڑ آئے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ اس پر کوئی افتاد پڑ جائے۔

سکھدیو بھی تلاش کرتے کرتے زچ ہو گیا تھا۔ اس نے کہا بیشک آپ نے صحیح فرمایا۔ ہم نے بڑی غلطی کی ہمیں کامنی اور داسی کو اپنے ساتھ لے آنا چاہیے تھا۔

شوبھا دیوی —— اب جو ہو چکا اس پر پچھتانا فضول ہے جلدی ہی واپس چلو۔

سکھدیو —— کتنی بھی جلدی کریں۔ واپس لوٹنے میں کافی دیر لگے گی۔

شوبھا دیوی —— میرا دل کچھ پریشان ہونے لگا ہے۔ پر ماتما کامنی کی حفاظت کرے باتوں میں وقت ضائع نہ کرو۔ اوّل تو خیال ہے کہ مسلمان قلعہ میں واپس آگئے ہوں گے۔ دوسرے اندیشہ ہے کہیں موہن سنگھ کسی دوسرے دروازہ سے پھر اوپر نہ پہنچ گیا ہو۔

سکھدیو —— آپ کی اس گفتگو سے میرے دل میں بھی اضطراب پیدا ہو گیا ہے۔ چلو جلدی اوپر چلیں ...... افسوس کتنا میں احمق ہوں۔ میں نے کامنی کو ساتھ نہ

لانے میں کتنی زبردست غلطی کی ہے۔

یہ کہتے ہی وہ پھرتی سے لوٹا اور اندھا دھند کمروں پر کمرے کھول کھول کر انہیں طے کرنے لگا۔ جلدی میں دروازے بند کرنا بھی بھول گیا۔

شوبھادیوی اس کے ساتھ ساتھ تھی۔ دونوں بڑی تیزی سے چل رہے تھے۔ آخر انہیں ایک زینہ مل گیا۔ بغیر یہ خیال کئے ہوئے کہ یہ زینہ کہاں جاتا ہے وہ دونوں چڑھ کر دیوار کے پاس پہنچے اور سکھدیو نے خفیہ دروازہ کھولا تو ایک عالیشان کمرہ میں نکلے۔

شوبھادیوی نے مشعل کی دھندلی روشنی میں کمرہ پر نظریں ڈالیں اس نے کہا اوہ یہ تو مہارانی کا توشہ خانہ ہے۔

شوبھادیوی ——— مہارانی کی تمام چیزیں اسی کمرہ میں مقفل رہتی ہیں۔

سکھدیو——— مضبوط اور بڑے بڑے صندوقوں میں بھاری بھاری قفل پڑے ہیں معلوم ایسا ہوتا ہے کہ نہ تو مہارانی اس سے کوئی چیز نکال کر لے گئی ہیں۔ اور نہ اور کسی نے ابھی اس کو ہاتھ لگایا ہے۔

شوبھادیوی——— تمہارا خیال درست ہے۔ مگر ہمیں تو پہلے کامنی کو تلاش کرنا ہے۔

سکھدیو ——— بیشک۔ ہم جس کمرہ سے تہ خانہ میں داخل ہوئے تھے اس سے بہت فاصلہ پہ باہر نکلے ہیں۔ اس لیے اس تہ خانہ کو بھول بھلیاں کہا جاتا ہے کچھ ایسے پیچ در پیچ کمرے اور کمروں میں سے زینے نکالے گئے ہیں۔ کہ آدمی کہیں کا کہیں جا نکلتا ہے۔ ناممکن ہے کہ جس زینہ سے نیچے اترے اس سے اوپر چلا آئے۔

شوبھادیوی ——— یہ کیا بُری عادت ہے تمہاری کہ وقت دیکھو نہ بےوقت تقریر سی شروع کر دیتے ہو۔ مجھے کامنی کی لوگی ہوئی ہے۔

سکھدیو ——— اس وقت مجھے بھی صرف اسی کا خیال ہے لیکن تہ خانہ کی ماہیت...

شوبھادیوی نے بگڑ کر کہا۔ چولہے میں جھونکو اس ماہیت کو اگر زندہ رہے تو اس کی ماہیت بیان کرنے اور سننے کے بہت سے موقعے ہوں گے

سکھدیو——— ٹھیک کہا آپ نے۔ چلو پہلے انہیں تلاش کریں۔ کامنی تو بہت زیادہ ڈر رہی ہوگی دونوں اس کمرے سے نکلے۔ انہوں نے احتیاطاً کمرے کے دروازے بند کر دئیے اور تیزی سے چل کر اس کمرہ میں آئے جس میں کامنی اور داسی کو چھوڑ گئے تھے

وہ دونوں وہاں موجود تھیں لیکن حد درجہ خوفزدہ تھیں بیچاریاں اندھیرے میں گٹھری بنی ڈر کر کانپ رہی تھیں۔

جوں ہی انہوں نے شوبھادیوی اور سکھدیو کو دیکھا ان کے چہروں پہ رونق آ گئی کامنی نے کہا بڑی دیر لگا دی بھیا! ہم دونوں ڈر رہی تھیں۔

سکھدیو ——— ہاں دیر ہو گئی۔ ہم نے غلطی کی کہ دونوں کو ساتھ نہ لے لیا۔ تمہاری وجہ سے ہم واپس آ گئے۔ وہ شیطان اب بھی نہ ملا۔

کامنی——— اور اسی شیطان کا خوف ہم دونوں کو لاحق رہا۔ اس وقت اللہ اکبر کے پرشور نعرہ کی آواز آئی۔ یہ سب چونک کر خوفزدہ ہو گئے سکھدیو نے کہا ان کمبختوں نے نہ معلوم یہ نعرہ کیسا لگایا ہے۔

شوبھادیوی——— میرے خیال میں وہ لوگ میدان جنگ سے واپس آ گئے ہیں۔

شوبھادیوی نے سچ کہا تھا مسلمانوں نے مغرب کی نماز میدان ہی میں پڑھی تھی۔ اور سب وہاں جمع ہو کر اس وقت قلعہ کے اندر آئے تھے۔

سکھدیو نے کہا۔ اب قلعہ سے باہر نکلنا تو مشکل معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے ہمیں ابھی موہن اور چندر موہنی کو تلاش کرنا ہے لیکن یہاں ٹھہرنا بھی خطرہ سے خالی نہیں۔ ممکن ہے مسلمان رات ہی کو قلعہ کی دیکھ بھال اور کمروں کا جائزہ لینا شروع کر دیں۔

شوبھادیوی——— میرے خیال میں ہمیں قلعہ ہی میں رات گذارنی چاہیئے۔

سکھدیو——— بالکل درست کہا تم نے۔ لیکن کھانا.......

کامنی ——— اور بھوک بھی کیسے ہے بھیا!

سکھدیو ——— پھر بھی کچھ نہ کچھ تو چاہیئے۔

شوبھادیوی ——— اس کی فکر نہ کرو۔ ذرا ٹھہرو کھانا میں لاتی ہوں۔ یہ کہتے ہی وہ چلی گئی۔ اور تقریباً ایک گھنٹے میں کچھ کھانا لے کر آ گئی۔ چونکہ انہیں خوف تھا۔ کہ کہیں مسلمان نہ آ جائیں اس لیے یہ سب پھر تہ خانہ میں داخل ہوئے۔ اور ایک محفوظ کمرہ میں پہنچ کر سب نے کھانا کھایا اور آرام کرنے کی تیاری کرنے لگے۔

چونکہ ہر کمرہ میں معقول فرش ہو رہا تھا۔ اس لیے یہ سب فرش پر لیٹ گئے۔ اور غفلت کی نیند سو گئے جب آنکھ کھلی تو اندھیرا ہونے کی وجہ سے یہ تو معلوم نہ ہو سکا کہ کیا وقت ہے سورج نکلا ہے یا نہیں لیکن..... چونکہ نیند بھر چکی تھی۔ اس لیے یہ اٹھے۔ ابھی اٹھ کر بیٹھے ہی تھے کہ کچھ کھٹکا ہوا یہ سب دم بخود ہو کر بیٹھے رہ گئے۔

اکتیسواں باب

دُرِ مقصود

کھٹکا کچھ اس قسم کا تھا۔ جیسے کوئی خفیہ دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہا ہو۔ سکھدیو نے ایسے پست لہجہ میں کہ جس سے کمرہ میں آواز نہ گونجے کہا معلوم ہوتا ہے موہن ہی آ رہا ہے۔ تم سب یہیں بیٹھی رہنا میں اس کا تعاقب کروں گا۔

سب چپ چاپ بیٹھے رہے۔ چند ہی ثانیہ میں خفیہ دروازہ نمودار ہوا۔ اور کسی کے قدموں کی بھاری چاپ ہوئی۔

ہم بیان کر آئے ہیں۔ کہ تہ خانہ کے کمروں میں اندھیرا چھایا رہتا تھا اور اندھیرا بھی ایسا کہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے پر بھی کچھ نظر نہ آتا تھا۔ اس کمرہ میں موجود رہنے والوں نے بڑے غور سے دیکھا۔ لیکن کوئی بھی نظر نہ آیا۔ البتہ دروازہ بند ہونے کی آواز آئی جس سے انہوں نے سمجھ لیا کہ آنے والے نے خفیہ دروازہ بند کر دیا ہے۔

جس کمرہ میں یہ سب بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کا وہ دروازہ کھلا ہوا تھا جس سے یہ اس کمرہ میں آئے تھے انہوں نے قدموں کی چاپ سے یہ سمجھ لیا کہ کوئی دبے قدموں دروازہ کی طرف چلا جا رہا ہے۔

دفعتًا انہوں نے آواز سنی۔ کوئی حیرت بھرے لہجہ میں کہہ رہا تھا تعجب ہے یہ دروازہ بھی کھلا ہوا ہے۔ کون ہے جو دروازے کھولتا پھرتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اس دروازہ کو کھول کر واپس لوٹ رہا ہے۔ ہو نہ ہو سکھدیو ہوگا۔ لیکن اگر وہ خفیہ دروازے کھولنے جانتا ہے تو پھر اس کمرہ کا دروازہ بھی کیوں نہ کھول لیا۔ اگر وہ اس دروازہ کو بھی کھول لیتا۔ تو درِ مقصود پا لیتا۔

سکھدیو نے اس کی آواز سے اسے پہچان لیا۔ وہ موہن سنگھ ہی تھا۔ اس کے دل میں

مسرت کی لہر اٹھی۔ وہ سمجھ گیا کہ چندر موہنی موہن سنگھ کے قبضہ میں ہے۔ اس نے اپنے دل میں کہا۔ اگر میں رات کو ایک دروازہ اور کھول لیتا۔ تو یقینًا دُرِ مقصود ہاتھ آجاتا۔ کیسی حیرت اور کس قدر مسرت کی بات ہے کہ میرے اور اس کے درمیان جس کی تلاش میں میں سرگرداں ہوں صرف ایک دیوار حائل ہے۔ اس پاجی کو نکل جانے دو۔ اس کے جاتے ہی میں اسے اپنے قابو میں کر لوں گا۔ اور پھر۔ . . . . وہ اسی طرح حیران و پریشان رہ جائے گا۔ جس طرح میں رہ گیا تھا۔

شوبھا دیوی نے سکھدیو کی ران میں چٹکی لے کر کچھ اشارہ کیا۔ سکھدیو نے سرگوشی کے لہجہ میں کہا۔ "ہمیں معلوم ہو گیا۔ ذرا خاموش رہو۔ اسے نکل جانے دو۔ . . . . . "

انہوں نے پھر سنا موہن سنگھ کہہ رہا تھا۔ کامنی نہیں ملی۔ معلوم نہیں وہ سکھدیو کے ساتھ ہے یا مسلمانوں کے ہاتھوں میں پڑ گئی۔ اگر مسلمانوں نے اسے گرفتار کر لیا تو بڑی مشکل پیش آجائے گی۔ لیکن مسلمان تہ خانہ کے راز کو نہیں جانتے میں بھوت بن کر. . . . "

وہ دوسرے کمرہ میں داخل ہو چکا تھا۔ اور چونکہ نہایت آہستہ آہستہ باتیں کر رہا تھا۔ اس لیے بعض فقرے سنائی دیتے تھے۔ بعض نہیں۔

اب سکھدیو اٹھا اور اس نے بڑھ کر آہستہ سے اس کمرہ کا وہ خفیہ دروازہ بند کر دیا جس سے موہن گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ موہن دوسرے کمرہ سے بھی تیسرے میں جا پہنچا ہے۔

اب سکھدیو نے کہا تم سب یہیں رہو میں اس برابر والے کمرہ میں جاتا ہوں۔

کامنی نے کہا۔ مجھے بھی ساتھ لے چلو بھیا۔

سکھدیو ـــــ تو ڈر رہی ہے۔ شاید اس وجہ سے کہ موہن سنگھ تیری تلاش میں ہے۔ کہیں واپس آکر تجھے نہ دیکھ لے۔

کامنی ـــــ ہاں۔ مجھے اس کی صورت سے خوف معلوم ہونے لگا ہے۔

سکھدیو ـــــ پگلی۔ تو راجپوتنی ہو کر ڈرتی ہے۔

کامنی ـــــ ایک راجپوت سے ہی تو ڈر معلوم ہوتا ہے۔

شوبھا دیوی ـــــ اور مسلمانوں سے . . . .

کامنی ـــــ وہ راجپوتوں سے بھی زیادہ خطرناک ہیں۔

شوبھا دیوی ـــــ نہیں مسلمانوں سے عورتوں اور بچوں کو کوئی اندیشہ نہیں۔

کامنی ـــــ تب یا میں تمہارے ساتھ ضرور چلوں گی۔

سکھدیو ـــــ میرے ساتھ آنا جی ہو میں خوف نہ کر۔ میں ابھی واپس آجاؤں گا۔ یہ کہتے ہی سکھدیو نے ٹٹول کر دروازہ کھولا۔ اور دوسرے کمرہ میں داخل ہوا۔ یہاں بھی اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ وہ خاموش کھڑا رہ کر ٹوہ لینے لگا۔ لیکن کوئی آواز کسی قسم کی بھی نہ آئی حتیٰ کہ سانس لینے تک کی آواز نہ تھی۔

اب وہ بڑھا اور اس نے آہستہ سے پکارا "راجکماری۔۔۔۔۔۔"

خود اس کی آواز کمرہ میں گونج اٹھی۔ لیکن کسی نے اسے جواب نہیں دیا۔ اس نے کمرہ میں ٹٹولنا شروع کیا۔ اسے بہت جلد معلوم ہو گیا کہ کمرہ خالی ہے۔

اسے بڑا غصہ آیا۔ اور وہ موہن کو گالیاں دینے لگا۔ جب ذرا اس کا غصہ فرو ہوا تب دفعتہً اسے خیال ہوا کہ کہیں دوسرے کمرہ میں نہ ہو۔ اس خیال کے آتے ہی اس نے ٹٹول کر دوسرا دروازہ کھولا۔ جونہی دروازہ کھلا روشنی کی جھلک اس کمرہ میں آئی۔

خوشی سے اس کا چہرہ تمتما گیا۔ کیونکہ اس نے سمجھ لیا کہ روشنی کا ہونا اس کمرہ میں کسی کے ہونے کی دلیل ہے۔ وہ جلدی سے اس کمرہ میں داخل ہوا۔ اس نے سرسری نگاہ سے کمرہ کا جائزہ لیا۔

اس نے دیکھا کہ کمرہ میں ایک طرف ایک مشعل رکھی ہوئی ہے۔ جو روشن ہو رہی ہے اور کمرہ کے عین وسط میں ایک خوشنما قالین پر وہ ماہوش بیٹھی ہے جس کی اسے تلاش تھی یعنی چندر موہنی موجود ہے۔

خوشی سے اس کا دل باغ باغ ہو گیا۔ وہ بڑھ کر اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ چندر موہنی نے بھی اسے دیکھ لیا تھا اور وہ حسین نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

سکھدیو کو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے حسن کی تجلی سے وہ کمرہ بھرا ہوا ہو۔ مشعل کی روشنی پر چندر موہنی کے عارض کی روشنی غالب تھی۔ اس کے چہرہ سے حسن کی شعاعیں پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی تھیں۔ گویا آفتاب حسن ضیا باری کر رہا تھا۔

سکھدیو نے التجائی لہجہ میں کہا "چندر موہنی! میرا قصور معاف کر دو۔ میری وجہ سے تمہیں بڑی تکلیف ہوئی۔"

چندر موہنی نے نحیف آواز اور افسوسناک لہجہ میں کہا "تمہارا کیا قصور میری قسمت میں جو کچھ لکھا ہے پیش آ رہا ہے۔"

سکھدیو ـــــ افسوس یہ ہے کہ میرے آدمیوں نے مجھ سے دغا کیا۔

چندر موہنی ـــــ تم بھی اپنے کرموں کا پھل بھوگ رہے ہو۔ اور بھوگو گے۔

سکھدیو ـــــ موہن سنگھ نے تمہیں تکلیف تو نہیں پہنچائی۔

چندر موہنی ـــــ اگر تاریک تہ خانہ میں مقید رکھنے کو تکلیف نہیں کہہ سکتے تو اس نے کوئی تکلیف نہیں پہنچائی ہے۔

سکھدیو ـــــ اس پاجی کے ہاتھ تم کیسے آ گئیں۔

چندر موہنی ـــــ جس طرح تم مجھے میری خواب گاہ سے اٹھوا لائے تھے۔

سکھدیو نے دانت پیستے ہوئے کہا "کمبخت کو اب مل جانے دو۔ اس کا سر نہ توڑ دوں تو سکھدیو نام نہیں۔"

چندر موہنی ـــــ کیا تم بھی پھر مجھے اس تہ خانہ میں قید رکھو گے۔

سکھدیو ـــــ اگرچہ اب اس کی ضرورت تو نہیں رہی لیکن مجبوری ہے۔

چندر موہنی ـــــ کیا مجبوری ہے۔

سکھدیو ـــــ تمہیں معلوم نہیں کہ قلعہ کے اندر کیا واقعات پیش آ گئے۔

چندر موہنی ـــــ میں دنیا سے الگ یہاں پڑی ہوئی ہوں۔ مجھے باہر کے واقعات کا کیا علم ہے۔

سکھدیو ـــــ مجھ سے سنو۔ ظالم مسلمانوں نے قلعہ پر قبضہ کر لیا ہے۔

چندر موہنی کو افسوس ہوا۔ اس نے کہا "اور مہاراجہ کیا ہو گئے۔"

سکھدیو ـــــ وہ جنگل کی طرف نکل گئے۔

چندر موہنی کے دل پر چوٹ لگی۔ اس نے غمناک ہو کر کہا "اور ماتا جی۔۔۔۔۔۔"

سکھدیو ـــــ وہ سرلوک سدھار گئیں۔

چندر موہنی کو سخت رنج ہوا۔ اس کی حسین آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس نے کہا "افسوس گھر ہی برباد ہو گیا۔"

سکھدیو نے تسلی دہ لہجہ میں کہا "غم نہ کرو راجکماری! جو ہو گیا اس پر پچھتانا فضول ہے۔ اگر کسی کے بس میں ہوتا تو ایسا نہ ہونے پاتا۔ لیکن ایشور ہی کو یہ سب منظور تھا۔ پرماتما کی لیلا دیکھو یاد ہے۔"

چندر موہنی ـــــ ٹھیک ہے۔ لیکن میرا کیا حشر ہوگا۔

سکھدیو ـــــ تمہارے ہمدرد جب تک تمہارے ساتھ موجود ہیں اس وقت تک تمہیں کسی بات کا اندیشہ نہ کرنا چاہیئے۔ میں ہوں۔ تمہاری سہیلی کامنی ہے۔ اور ماتا جی شوبھا دیوی ہیں۔

شوبھا دیوی کا سنکر چندر موہنی کو قدرے تسکین ہوئی۔ اس نے جلدی سے پوچھا۔ کہاں ہیں ماتا جی؟

سکھدیو ـــــ قریب ہی دوسرے کمرہ میں ہیں۔

چندر موہنی ـــــ انہیں بلا لاؤ۔ وہی مجھے اندوہناک وقت میں کچھ تسلی دے سکیں گی۔

سکھدیو ـــــ میں انہیں بلائے لاتا ہوں۔ لیکن میرے دل کی تسکین کے لیے صرف اتنا کہدو کہ تم میری ہو جاؤ گی۔ . . . پھر میں مسلمانوں سے بھی نمٹ لونگا اور موہن سنگھ سے بھی۔

چندر موہنی ـــــ کیا یہ وقت ان باتوں کے طے کرنے کا ہے۔

سکھدیو ـــــ جانتا ہوں کہ تمہارے نازک دل کو اس وقت صدمہ پہنچا ہوا ہے لیکن میں بھی تو حد درجہ غمناک ہوں۔ تمہاری زبان سے نکلا ہوا تسلی کا ایک لفظ . . . .

چندر موہنی ـــــ اس بات کو ماتا جی پر چھوڑ دو۔ مجھے ان سے عقیدت ہے۔ اور تمہیں بھی ہو گی۔ جو وہ کہیں گی ہم دونوں اسی پر عمل کریں گے۔

سکھدیو کو پوری امید تھی کہ شوبھا دیوی وہی کرے گی جو اس سے کہے گا۔ اس لیے وہ خوش ہو گیا۔ اس نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ بس ٹھیک ہے۔ ہم دونوں کو انہیں کے حکم کی تعمیل کرنی چاہیئے۔ میں انہیں بلائے لاتا ہوں۔

وہ لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا چلا گیا۔ چندر موہنی نے اپنا لباس درست کیا۔ تھوڑی ہی دیر میں سکھدیو شوبھا دیوی کامنی اور داسی کو لے کر آ گیا۔ چندر موہنی نے کھڑی ہو کر جوگن کے پیر چھوئے۔ اگرچہ اس نے ضبط کرنا چاہا۔ لیکن پھر بھی آنسو نکل ہی آئے۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا ماتا جی! یہ کیا ہو گیا۔

شوبھا دیوی نے اس کا نازک سر اپنی چھاتی سے لگا کر کہا۔ بیٹی رنج و افسوس نہ کر۔ ایشور جو کرتا ہے اچھا ہی کرتا ہے۔ تیرا یہ رنج عنقریب خوشی سے بدلنے والا ہے۔ تجھے وہ مسرت حاصل ہو گی جو شاید آج تک نصیب نہ ہوئی ہو۔ اپنے دل کو تسلی دے۔

چندر موہنی کو شوبھا دیوی کی گفتگو میں کچھ ایسے اشارے معلوم ہوئے جو اس کی سمجھ

سے بالاتر تھے۔ اس نے کہا کیا میرا غم دور ہو جائیگا۔

شوبھا دیوی ـــــ خدا کی ذات سے یہی امید ہے۔

چندر موہنی نے حیرت سے جوگن کی طرف دیکھ کر کہا۔ خدا کی ذات سے۔

شوبھا دیوی ـــــ خدا کا نام سن کر تو چونکی کیوں۔ ایشور۔ پرماتما۔ پربھو۔ خدا سب ایک ہی ہستی کے نام ہیں۔

سکھدیو ـــــ اب یہاں زیادہ دیر ٹھہرنا مناسب نہیں ہے۔ ممکن ہے موہن سنگھ آ جائے۔ اگر وہ آ گیا تو خون خرابہ ہوگا۔ کیونکہ وہ دھمکی دے چکا ہے کہ آئندہ جب ہم دونوں ملیں گے تو وہ دن ہم دونوں کی زندگی میں سے کسی کی زندگی کا آخری دن ہو گا۔

شوبھا دیوی ـــــ تب چلو۔

کامنی ـــــ لیکن چلیں کہاں؟

سکھدیو ـــــ میرے ساتھ آؤ۔ میں دوسری طرف سے لے چلونگا۔

شوبھا دیوی ـــــ چلو۔

سکھدیو بڑھا۔ اس نے خفیہ دروازہ کھولا۔ اور سب اس کے پیچھے چلے اس نے یکے بعد دیگرے کئی دروازے کھولے۔ اور کئی کمروں سے گذرا جس کمرہ میں سے نکل کر دوسرے میں جاتا تھا احتیاط کے خیال سے پہلا کمرہ بند کر دیتا تھا۔

اسی طرح وہ چلا جا رہا تھا کہ ایک بڑے کمرہ میں پہنچا جوں ہی ایک دروازہ سے یہ داخل ہوئے دوسرے دروازہ سے موہن آ گیا۔

ایک مشعل سکھدیو کے ہاتھ میں تھی اور دوسری موہن کے۔ روشنی کافی ہو رہی تھی۔ ایک نے دوسرے کو قہر آلود نگاہوں سے دیکھا موہن نے کہا۔ آخر ہم دونوں مل گئے۔ اور اب ہم دونوں میں سے ایک کو مر جانا چاہیئے۔

یہ کہتے ہی اس نے مشعل زمین پر رکھدی اور تلوار نکال لی سکھدیو نے بھی مشعل داسی کو پکڑا دی اور تلوار سونت کر کھڑا ہو گیا۔ شوبھا دیوی نے کہا۔ موہن لڑائی اچھی نہیں۔

موہن ـــــ میں بھی اچھا نہیں سمجھتا۔ لیکن مجھ پر دو مرتبہ قاتلانہ وار کیئے گئے ہیں۔ اور اب میں انتقام لوں گا۔ اب تیسری باری ہے۔

یہ کہتے ہی اس نے سکھدیو پر حملہ کیا۔ کامنی نے سریلی آواز سے کہا موہن لڑائی موقوف کرو۔

موہن ـــــ تمہارا حکم ٹالا نہیں جا سکتا۔

عین اس وقت کمرہ کی چھت گری۔ لیکن خیریت یہ ہوئی کہ کچھ مٹی گر کر ایک بڑا سوراخ ہو گیا جس سے کافی دن کی روشنی کمرہ میں بھر گئی۔

یہ سب لوگ حیران ہو کر دیکھنے لگے۔ ساتھ ہی مسلمانوں کے بولنے کی آواز آئی جس سے سب خائف و ترساں ہو گئے۔

نہال آرزو

مسلمانوں کو نہایت عظیم الشان فتح حاصل ہوئی تھی۔ راجپوتوں کو زبردست ہزیمت ملی تھی۔ دن چھپے تک مسلمان مفرور راجپوتوں کا تعاقب کر کے انہیں قتل کرتے رہے۔ جب آفتاب بالکل ہی غروب ہو گیا تب وہ واپس لوٹ کر میدان جنگ میں جمع ہوئے۔

کئی آدمیوں نے جلدی جلدی وضو کر کے اذان دی اور تمام لشکر نے مغرب کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی۔ نماز کے بعد غازی سلطان محمود نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ وہ اپنی ہیچمدانی کا اقرار کر کے خدا کے عظمت و جلال کا اعتراف کر رہے تھے۔ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب ابل رہا تھا۔ یہ آنسو مسرت و شادمانی کے تھے۔

کیا حیرتناک امر ہے کہ انسان زیادہ رنج و قلق میں بھی آنسو بہاتا ہے۔ اور فرط مسرت و انبساط میں بھی آنسو نکل آتے ہیں۔

نماز کے بعد سلطان نے ان سپاہیوں کو جو زخمی نہیں ہوئے تھے میدان جنگ میں مجروح مجاہدین کی تلاش پر مامور کیا۔ کچھ کو زخمیوں کی مرہم پٹی پر متعین کیا۔ اور کچھ کو میدان جنگ سے ہتھیار اور قیمتی سامان اٹھانے پر لگایا۔ کچھ مسلمان از خود ہی راجپوتوں کے ان گھوڑوں کو پکڑنے کے لیے چلے جو ابھی تک میدان جنگ میں دوڑ لگاتے پھر رہے تھے اور جن کے راکب مر چکے تھے۔

فوراً سینکڑوں مشعلیں روشن کر لی گئیں اور ہر جماعت اپنا کام کرنے لگی۔ تھوڑی دیر میں کچھ لوگ ایسے زخمی اٹھا کر لائے، جو اگرچہ زندہ تھے لیکن بے ہوش تھے۔ اور اگر ان کی فوری خبر گیری نہ کی جاتی تو رات ہی میں شہید ہو جاتے۔

ان کو قلعہ میں پہنچا دیا گیا اور تیمارداری شروع کر دی گئی۔ زخمیوں کی مرہم پٹی سے

فراغت ہو گئی۔ ہتھیار اور راجپوتوں کا مال غنیمت بھی جمع کر لیا گیا اور کچھ گھوڑے بھی پکڑ لیے گئے۔

ان کاموں میں کافی وقت گذر گیا۔ مسلمانوں نے عشاء کی نماز بھی میدان جنگ ہی میں پڑھی اور شہیدوں کو جمع کر کے ان کی نماز جنازہ پڑھ کر انہیں دفن کیا گیا۔

اب مسلمان قلعہ کی طرف لوٹے۔ اور قلعہ میں داخل ہو کر انہوں نے اللہ اکبر کا پر شور نعرہ لگایا یہی وہ نعرہ کی آواز تھی، جسے سکھدیو شوبھا دیوی اور کامنی نے سنا تھا۔ اور اس آواز سے خائف ہو کر وہ تہ خانہ میں جا گھسے تھے۔

قلعہ میں آتے ہی مسلمانوں نے کمریں کھولیں اور چونکہ تمام دن جنگ کرتے رہے کھانا پکانا بھی میسر نہ آیا۔ اس لیے کھانا تیار کرنا شروع کیا۔

اگرچہ سلطان کا خاصہ تیار ہو چکا تھا۔ لیکن انہوں نے اس لیے کھانا نہ کھایا کہ تمام لشکر بھوکا تھا۔ اور کھانے کا انتظار کر رہا تھا۔

جب انہیں معلوم ہوا کہ سپاہیوں کا کھانا تیار ہو چکا ہے اور کھانے لگے ہیں تب انہوں نے بھی خاصہ طلب فرما کر کھایا اور رات آرام سے سو رہے۔

التونتاش اور امیر علی خویشاوند نے ایک ہزار آدمیوں کا ایک دستہ لشکر کی حفاظت پر مقرر کر کے شب بیداری اور گرداوری پر مقرر کر دیا۔ یہ دستہ تمام رات خوب گشت لگاتا رہا۔

صبح بہت سویرے بیدار ہو کر مسلمانوں کے مؤذن نے اذان دی جب انہوں نے کہا الصلوٰۃ خیر من النوم یعنی بیدار ہو کر نماز کے لیے آؤ۔ تو ہر مرد مجاہد اٹھ کر کھڑا ہو گیا خود سلطان بھی بیدار ہو کر باہر نکل آئے

سب نے ضروریات سے فراغت کر کے صبح کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی۔ اور قرآن شریف کی تلاوت میں مشغول ہو گئے۔

جب آفتاب طلوع ہو گیا۔ تب سلطان نے قلعہ اور شاہی محل سے مال غنیمت نکال کر جمع کرنے کا حکم دیا۔ اور یہ بھی فرمان جاری کیا کہ اگر کوئی ہندو مرد کسی کمرہ میں چھپا ہوا ملے تو اسے گرفتار کر کے سلطان کے روبرو پیش کیا جائے۔ اور اگر عورتیں اور بچے ملیں تو انہیں صرف حراست میں لے کر سامنے لایا جائے۔ سختی کسی شخص پر بھی نہ کی جائے۔

چنانچہ مسلمانوں کے چند دستے قلعہ اور محل میں پھیل گئے اور انہوں نے چھوٹی بڑی

معمولی اور قیمتی تمام چیزیں انبار در انبار جمع کرنی شروع کیں۔

بعض چیزیں شاہی محل میں نہایت بیش قیمت اور نادر الوجود ملیں۔ ان میں زیادہ تر ہاتھی دانت، چاندی اور سونے کی مورتیاں کھڑاویں۔ صندوقچیاں، چوکیاں، میزیں اور دوسری چیزیں تھیں۔

لیکن سب سے زیادہ قیمتی زیورات تھے۔ جو زیادہ تر خالص سونے اور قیمتی جواہرات کے تھے۔ لاکھوں نہیں کروڑوں روپے کی مالیت کا سامان وغیرہ ان کے ہاتھ آیا۔

ایک خوبصورت مگر مختصر کمرہ میں کئی تاج اور چھوٹے تخت رکھے ہوئے ملے۔ تاج سونے اور جواہرات کے تھے۔ اور تخت چاندی کے تھے۔ یہ سب تخت و تاج سومنات کے دربار کے تھے۔

چونکہ اس کمرہ میں زیادہ بیش قیمت چیزیں تھیں اس لیے مسلمانوں نے اس کا فرش اس خیال سے کھودنا شروع کیا کہ شاید زمین کے اندر بھی خزانہ یا دفینہ موجود ہو۔

لیکن تھوڑا سا ہی کھودنے پر چھت میں خلا ہو گیا۔ مسلمانوں کو اسے دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔ مگر فوراً ہی وہ سمجھ گئے کہ اس کے نیچے تہ خانہ ہے۔ چنانچہ ایک شخص نے کہا۔ یقیناً یہ تہ خانہ ہے۔

دوسرا بولا "بیشک، سوائے تہ خانہ کے اور کیا ہو سکتا ہے۔"

اسی کمرہ کی مٹی سکھدیو، چندر موہنی، شوبھا دیوی اور کامنی پر پڑی تھی۔ اور مسلمانوں کی آواز سنکر وہ حیران رہ گئے تھے۔

جس وقت یہ تہ خانہ نمودار ہوا عین اس وقت سلطان تشریف لے آئے۔ مسلمانوں نے انہیں تہ خانہ پر آمد ہونے کی اطلاع دی۔

اس خبر کو سنکر دفعتہً ان کا چہرہ بشاش ہو گیا۔ انہوں نے کہا میرا دل گواہی دیتا ہے کہ اس تہ خانہ میں شاہی خاندان کے افراد چھپے ہوئے ہیں۔ ممکن ہے چندر موہنی بھی ہو جلدی اس تہ خانہ میں اترو۔ اور اس کا جائزہ لو۔

سلطان کے یہ فرماتے ہی بہت سے مسلمان اچانک اس طرح تہ خانہ میں کود گئے کہ سکھدیو اور اس کی ساتھ والی عورتوں کو کسی طرف نکل جانے یا بھاگنے کا موقعہ ہی نہ مل سکا۔

چونکہ سکھدیو ابھی تک مشعل لیے ہوئے تھا۔ دوسری مشعل بھی قریب ہی رکھی ہوئی روشن ہو رہی تھی۔ اس لیے مسلمانوں نے تہ خانہ میں جاتے ہی ان سب کو دیکھ لیا۔ جو وہاں موجود تھے۔

سکھدیو اور موہن دونوں مسلمانوں کو دیکھ کر لرز گئے۔ کامنی اور چندر موہنی بھی سہم گئی تھی بھی تھر تھر کانپنے لگی۔ لیکن شوبھا دیوی نہایت استقلال اور اطمینان سے کھڑی رہی۔

سکھدیو اور موہن کو کھانڈے بکف دیکھ کر مسلمانوں نے یہ خیال کیا۔ کہ وہ ان پر حملہ کرنے والے ہیں۔ انہیں کیا خبر تھی کہ ابھی چند ثانیہ پہلے وہ لڑ رہے تھے۔

مسلمانوں نے فوراً ہی ڈپٹ کر کہا خبردار کوئی اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے۔ ورنہ سر تن سے جدا کر دیا جائے گا۔ جس کے پاس جو ہتھیار ہو وہ ڈالدے۔

کسی میں یہ جرأت نہ تھی کہ اس حکم کی تعمیل نہ کرتا۔ بادل ناخواستہ موہن اور سکھدیو دونوں نے اپنے اپنے کھانڈے ڈالدیئے۔ مسلمانوں نے ان سب کو گرفتار کر کے ان کی مشکیں کس لیں۔

ان دونوں کے گرفتار ہو جانے سے چندر موہنی اور کامنی بھی خائف ہو گئیں۔ لیکن مسلمانوں نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا "تم عورتوں اور لڑکیوں میں کوئی نہ گھبرائے تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہ کی جائے گی۔"

مسلمانوں کی گفتگو کی ترجمانی شوبھا دیوی کر رہی تھی۔ اب تہ خانہ والے مسلمانوں نے اوپر والوں سے کہا۔ دو آدمی اور تین عورتیں یہاں سے ہاتھ آئی ہیں۔ ریشمین سیڑھیاں لٹکا دو تاکہ انہیں اوپر لے کر آئیں۔

فوراً دو سیڑھیاں لٹکا دی گئیں۔ پہلے موہن اور سکھدیو کو چڑھایا گیا اور پھر کامنی اور چندر موہنی کو ان کے بعد داسی اور شوبھا دیوی کو سب کے بعد وہ مسلمان جو تہ خانہ میں اترے تھے اوپر چڑھ آئے۔

سلطان کمرہ سے باہر بیٹھ گئے تھے۔ ان قیدی مردوں اور عورتوں کو ان کے سامنے پیش کیا گیا۔ جوں ہی انہوں نے چندر موہنی اور کامنی کو دیکھا۔ بیساختہ بول اٹھے۔ یہ دونوں راجہ کے خاندان کی لڑکیاں معلوم ہوتی ہیں اور ان میں سے ایک چندر موہنی ہے۔

شوبھا دیوی نے چندر موہنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "ظل اللہ نے ٹھیک فرمایا۔ چندر موہنی یہ ہے۔ یہی آپ کا در مقصود ہے۔"

سلطان کو یہ بات سُن کر بڑی مسرت ہوئی۔ حالانکہ چندر موہنی کا چہرہ فق پڑ گیا۔ اسے گزرا کر شوبھا دیوی نے کیوں اسے بتا دیا۔

سلطان کھڑے ہو گئے۔ وہ چندر موہنی کے پاس آئے اور اس کے سر پر دست شفقت پھیرتے ہوئے بولے "بیٹی ڈرو نہیں۔ مگر اونٹ ہم تمہاری ہی حاصل کرنے کے لیے تو آئے ہیں۔ خدا کا شکر ہے تم مل گئیں۔ ہماری محنت ٹھکانے لگ گئی۔

چندر موہنی کو ان الفاظ کے سننے سے کچھ تسلی ہوئی اور فرطِ خوف و دہشت سے اس کے چہرہ کا رنگ جو سفید ہو گیا تھا۔ اس پر پھر شباب کی سرخی بکھر گئی۔ اور پھر اس کے آشنا گل انار کی طرح دمکنے لگے۔

سلطان نے شوبھا دیوی سے مخاطب ہو کر .... کامنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا "اور یہ کس کی لڑکی ہے؟

شوبھا دیوی —— مہاراجہ انہلواڑہ کی۔

اس کے بعد اس نے سکھدیو اور موہن کا بھی تعارف کرا دیا۔ سلطان نے ان دونوں کو قید خانہ میں لے جانے کا حکم دیا اور عورتوں کو اپنے ساتھ لے کر اپنے کمرہ کی طرف چلے۔

تیسواں باب

سومنات کی فتح

سلطان راستہ بھر چندر موہنی کو تسلی اور دلاسا دیتے گئے۔ چندر موہنی بھی جو آہوئے رمیدہ کی طرح خوفزدہ تھی قدرے مطمئن ہو گئی۔

چندر موہنی اور کامنی وغیرہ نے دیکھا کہ تمام قلعہ میں مسلمان بکھرے ہوئے ہیں۔ اور ہر طرف سے ان کے رسالے مسلح ہو ہو کر آ رہے ہیں۔

سلطان نے اپنی قیام گاہ پر پہنچ کر چندر موہنی سے کہا۔ بیٹی! تو قیدی نہیں ہے آزاد ہے۔ تیری ذات سے ایک راز وابستہ ہے جس کا عنقریب انکشاف کیا جائے گا۔ اور اس راز کو سن کر تجھے معلوم ہو جائے گا کہ تو اب تک قید تھی۔ اپنی ناواقفیت کے باعث اور اس قید کو تو آزادی سمجھ رہی تھی۔ ...... تو حیران ہو رہی ہے حیرانی کی بات بھی ہے چونکہ ابھی مجھے بہت کچھ کرنا ہے۔ اس لیے تجھ سے رخصت ہوتا ہوں۔ تو اطمینان سے یہاں رہ۔

چندر موہنی کو اور بھی حیرت ہوئی کہ میرے جاننے کا حال سلطان کو کیا معلوم۔ لیکن رعب سلطانی اور جلال شاہی سے اسے کچھ دریافت کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

سلطان نے شوبھا دیوی سے مخاطب ہو کر کہا "تمہیں کچھ دھرم پال کا" معلوم نہیں ہوا۔

شوبھا دیوی —— ظل اللہ! اب تک مجھے ان کا سراغ نہیں ملا۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ آج ہی ان کا پتہ لگا لوں گی۔ جب میں رات حضور سے مل کر رخصت ہوئی تھی۔ تو ان کی جستجو کرتی رہی لیکن افراتفری کی وجہ سے ٹھیک پتہ نہ چل سکا۔

چندر موہنی سمجھ گئی کہ شوبھا دیوی سلطان سے پہلے ہی مل چکی ہے اسے تعجب ہوا کہ سلطان سے کیوں ملی اور دھرم پال کا سلطان کو کیوں زیادہ خیال ہے لیکن اس کے

ننھے سے دل اور نازک دماغ میں کوئی وجہ نہ آئی۔

سلطان نے جنگی لباس طلب کیا۔ خادموں نے لاکر حاضر کر دیا۔ انہوں نے جلدی سے زرہ بکتر پہن کر چار آئینے لگائے اور اسلحہ جات سے بدن کو آراستہ کر کے چلے۔

جب سلطان باہر آئے۔ تو دیکھا کہ تمام رسالے مسلح کھڑے ہوئے ہیں۔ التونتاش، خوشیاوند اور دوسرے افسران سلطان کا انتظار کر رہے ہیں۔

چونکہ قلعہ پر مسلمانوں کا تسلط ہو چکا تھا۔ اور وہاں ایک راجپوت بھی باقی نہ رہا تھا اس لیے اب قلعہ کی طرف سے کوئی اندیشہ نہ رہا تھا۔

سلطان نے کہا۔ خدا کے فضل سے دُرِ مقصود ہاتھ آگیا ہے۔ چندر مورتی مل گئی ہے لیکن شہر اور مندر میں ابھی راجپوتوں کا اجتماع ہو رہا ہے۔ اس لیے ان مقامات کو بھی فتح کرنا ضروری ہے کچھ معلوم ہوا کہ مہاراجہ سومنات کہاں گئے۔

التونتاش ـــــ عالم پناہ معلوم ہوا ہے۔ کہ راجہ جنگلوں میں گھس گیا۔ لیکن راجپوت اسے منا پھا کر پھیر لے آئے ہیں۔ اور وہ مندر میں موجود ہے۔

سلطان ـــــ تب مندر پر جنگ ہونا یقینی ہے۔

امیر علی ـــــ پیر و مرشد جب تک راجپوتوں میں مہاراجہ موجود ہے۔ اس وقت تک لڑائی ہونا ضروری ہے۔

سلطان ـــــ کچھ پرواہ نہیں۔ خدا حافظ و ناصر ہے لشکر کو شہر اور مندر پر یورش کا حکم دو۔

تمام افسر اپنے اپنے دستے میں پہنچ گئے۔ اور لشکر قلعہ سے نکل کر شہر کی طرف بڑھنے لگا سلطان بھی اپنے دستہ کے جلو میں روانہ ہوئے۔ جب وہ شہر کے قریب پہنچے تو معزز شہری ہندوؤں نے لشکر کا استقبال کیا۔ اور شہر کے کوتوال نے سلطان کے حضور میں حاضر ہو کر شہر کے پھاٹک کی کنجیاں حوالے کرتے ہوئے کہا۔ جب آپ نے قلعہ فتح کر لیا ہے تو شہر فتح کرنا کیا دشوار ہے۔ ہم شہری لوگ خونریزی کو پسند نہیں کرتے۔ امن و امان چاہتے ہیں۔ شہر کے پھاٹک کی کنجیاں موجود ہیں۔ ہم حضور کے مراسم خسروانہ سے اپیل کرتے ہیں کہ شہر میں خونریزی نہ کی جائے۔ جو تاوان ہم پر عائد کیا جائے گا۔ ہم اسے ادا کریں گے۔

سلطان خود خونریزی کو پسند نہ کرتے تھے۔ انہوں نے کہا۔ ہم نے تو بہت چاہا کہ خونریزی نہ ہو۔ مہاراجہ صلح و آشتی سے معاملہ طے کر لیں۔ لیکن ان کے مشیروں نے شاید انہیں نیک صلاح نہ دی۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی۔ جو لوگ اطاعت قبول کر لیتے ہیں۔ ہم ان سے درگذر کرتے ہیں۔ تم نے نہایت دانشمندی کی کہ شہر کی کنجیاں ہمارے سپرد کر دیں۔ سرِدست ہم شہر پر حملہ نہ کریں گے۔ اب ہم مندر پر دھاوا کرتے ہیں۔

لیکن یہ حکم دیتے ہیں۔ کہ کوئی شہری شہر سے باہر نہ نکلے۔ اگر اس حکم کی خلاف ورزی کی گئی تو پھر شہر پر بھی حملہ کیا جائے گا۔

کوتوال نے ـــــ اعلیٰ حضرت اطمینان رکھیں۔ ہم شہری سلطان کے فرمان کی تعمیل کرینگے۔

سلطان ـــــ تب ہماری طرف سے شہریوں کو امان کا مژدہ سنا دو۔ کوتوال رخصت ہو گیا۔ اور اسلامی لشکر مندر کی طرف بڑھا۔ ہم بیان کر آئے ہیں۔ کہ مندر بھی چھوٹا سا قلعہ تھا۔ ابھی راجپوتوں کا کافی لشکر باقی رہا تھا۔ جو مندر کی حفاظت کر رہا تھا۔ التونتاش کو یہ اطلاع بھی مل گئی تھی کہ راجپوت رات ہی کو مہاراجہ سومنات کو ڈھونڈ لائے تھے۔ اور وہ مندر میں موجود تھے۔

مندر کی حفاظت پر چار ہزار جنگجو اور جیالے راجپوت مقرر تھے ان کے علاوہ ہزاروں اور راجپوت جمع ہو گئے تھے جو شکست کھا کر واپس آئے تھے۔

اور چونکہ سومنات کے مندر کا ہر راجپوت کے دل میں بہت زیادہ احترام تھا۔ اس لیے رات ہی کو ان لوگوں نے تلسی کے پتے چبا چبا کر یہ حلف اٹھایا تھا۔ کہ مرتے دم تک مندر کی حفاظت کریں گے۔

ہندوؤں میں تلسی کے پودے کو بھی بڑا متبرک خیال کیا جاتا۔ جو شخص اس پتے کو چبا کر قسم کھاتا ہے وہ مرتے دم تک اپنی قسم کو نبھاتا ہے۔

جوں ہی اسلامی لشکر مندر کے سامنے پہنچا۔ راجپوتوں نے شور کر کے تیروں کی باڑھ ماری۔ پیش کش اور خنجر تاک کر مارنے لگے۔

مسلمانوں نے ڈھالیں سامنے کر دیں۔ اور ان ڈھالوں کا قلعہ بنا کر آگے بڑھنا شروع کیا۔ راجپوتوں نے بڑی پھرتی، اور بڑے جوش سے اپنے حربے استعمال کیے۔

غازیان اسلام آہستہ آہستہ بڑھتے رہے یہاں تک کہ مندر کی فصیل کے نیچے پہنچ گئے۔ یہ فصیل قلعہ کی طرح کچھ زیادہ اونچی نہ تھی۔ البتہ اس کے چار پھاٹک تھے۔ اور چاروں نہایت عالیشان، اور مضبوط تھے۔

مسلمانوں نے فصیل کے نیچے پہنچ کر گھوڑوں پر کھڑے ہو کر فصیل کے کنگورے پکڑ کر اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔

راجپوتوں نے ان کی یہ کیفیت دیکھ کر ان پر حملہ کر دیا۔ جو مسلمان فصیل پر پہنچ گئے تھے انہوں نے تلواریں سونت لیں۔ اور ہندوؤں پر ٹوٹ پڑے۔

ادھر راجپوت جو مندر کی حفاظت کا حلف اٹھا چکے تھے۔ جوش و غضب میں آ کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے مندر کی فصیل پر جنگ کی آگ بھڑک اٹھی۔ لڑائی شروع ہو گئی۔ مسلمان راجپوتوں کو قتل کرنے لگے۔

تلواریں اور کٹاریں پھرتی سے اٹھنے اور سرفروشوں کے سروں کی طرف جھکنے لگے۔ سر دھڑ اور ہاتھ اور پیر کٹنے لگے۔ خون کے فوارے ابل ابل کر لڑنے والوں کو خون میں رنگنے لگے۔

چونکہ مسلمان تھوڑی تعداد میں ابھی تک فصیل پر پہنچے تھے۔ اس لیے ان کا پلہ ہلکا تھا مگر وہ اس بے جگری اور جوش سے پینترے بدل بدل کر اور جست لگا لگا کر حملے کر رہے تھے کہ راجپوت حیران رہ جاتے تھے۔

مسلمانوں کی کوشش یہ تھی کہ راجپوتوں کو پچھلی طرف دھکیلے رکھیں۔ تاکہ جو مسلمان گھوڑوں پر کھڑے ہو کر فصیل پر چڑھ رہے تھے۔ ان کی آمد کا سلسلہ جاری رہے رکنے نہ پائے

اور راجپوت اس فکر میں تھے کہ جو مسلمان اوپر چڑھ آئے ہیں۔ انہیں کاٹ کر رکھ دیں اور مزید مسلمانوں کو روک دیں۔

دونوں فریق اپنے مقدور بھر سعی بلیغ کر رہے تھے۔ لیکن نہ تو مسلمان قتل ہی ہو رہے تھے اور نہ پیچھے ہٹتے تھے۔ بلکہ بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے اور راجپوتوں کو پیچھے ہٹاتے اور دبائے چلے جاتے تھے۔

انہوں نے اس سے فصیل کا وہ حصہ دور تک خالی کرا لیا تھا۔ جہاں نیچے سے مسلمان پہنچ رہے تھے۔

مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ برابر قائم تھا نیچے سے ہر دستہ گھوڑے پر سوار ہو کر بڑھنا شروع کرتا تھا۔ اور فصیل سے گھوڑے لگا کر اور ان پر کھڑے ہو کر فصیل پر جا پہنچتا تھا خالی گھوڑے خود ہی ادھر ادھر ہٹ جاتے تھے۔

چونکہ راجپوت بھی نہایت جوش و خروش سے لڑ رہے تھے۔ اس لیے وہ مسلمانوں کو بھی مجروح اور شہید کر رہے تھے لیکن مسلمانوں کی آمد کچھ اس تیزی سے ہو رہی تھی کہ زخمیوں اور مرنے والوں کی جگہ تازہ دم مسلمان پہنچ جاتے تھے۔ اور تلواروں کی باڑھ پر راجپوتوں کو روک لیتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ راجپوتوں پر مسلمانوں کا رعب و خوف طاری ہو چکا تھا۔ اگر وہ مندر کی حفاظت کا حلف اٹھائے نہ ہوتے۔ تو اب تک وہ کبھی کے میدان چھوڑ کر پسپا ہو گئے ہوتے۔

وہ لڑ رہے تھے۔ اور موت کی لڑائی لڑ رہے تھے۔ گویا انہوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ کٹ کٹ کر مر جائیں گے۔ لیکن پیچھے نہ ہٹیں گے۔

مگر مسلمانوں نے کچھ اس جوش و خروش سے حملوں پر حملے کر کے انہیں اس طرح روندنا شروع کر دیا کہ بالآخر ان کے قدم اکھڑ گئے۔

وہ گھبرا کر پیچھے ہٹے مسلمانوں نے بڑھ کر ان پر ایک پر زور حملہ کیا۔ اور اس ایک حملہ میں تقریباً ایک ہزار راجپوتوں کو کاٹ کر رکھ دیا۔

اب راجپوتوں نے ٹھہرنا دشوار سمجھا۔ وہ بدحواس ہو کر ایک دم بھاگ کھڑے ہوئے مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا۔ اور انہیں مارتے کاٹتے ان کے پیچھے دوڑتے ہوئے چلے گئے۔ راجپوت فصیل کو چھوڑ کر مندر کے صحن میں اتر گئے مسلمان بھی وہاں پہنچ گئے۔ اور وہاں پہنچ کر راجپوتوں کو قتل کرنے لگے۔

ادھر کچھ مسلمانوں نے پھاٹک کھول دیا اور مسلمانوں کے رسالے مندر میں داخل ہو گئے۔ راجپوتوں کے حواس غائب ہو گئے اور وہ دوڑ دوڑ کر مندر کے پشت کی طرف پہنچے اس طرف چھوٹے چھوٹے جہاز اور کشتیاں موجود تھیں۔ وہ سمندر میں کود کود کر ان میں سوار ہو گئے۔

مہاراجہ بھی ایک جم غفیر کے ساتھ دوڑے لیکن سلطان رسالہ کے ساتھ ان کا مقابلہ ہوا۔ اور اس رسالہ نے ان تمام راجپوتوں کو ایک ایک کر کے قتل کر ڈالا۔ مہاراجہ بھی اس معرکہ میں کام آئے۔

جو راجپوت جہازوں اور کشتیوں میں لاد کر سوار ہوئے تھے۔ وہ بھی زیادہ دور

نہ گئے تھے کہ دوسری طرف سے چند بڑی بڑی کشتیاں آئیں اور انہوں نے ان جہازوں کو روک لیا۔ جب راجپوتوں نے کسی میں سوار ہونے والوں کو دیکھا۔ تو وہ ٹھٹک گئے۔

مجاہدین اسلام کو دیکھ کر راجپوتوں کے دل ان کے سینوں میں ڈوب گئے۔ اور وہ گھبرائی ہوئی نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگے۔

بندرگاہ کی فتح

جس روز ٹھٹھہ اور مندر پر سلطان نے حملہ کیا۔ اس روز برہان اور ہارون نے بندرگاہ پر یورش کر دی۔ راجپوتوں نے ساحل سمندر پر کھڑے ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ نہایت ثابت قدمی سے کیا۔ اور کچھ اس طرح تیروں کی بارش کی کہ ایک دفعہ تو مسلمانوں کے منہ پھیر گئے۔

لیکن فوراً ہی ہارون ڈھال کی آڑ میں آگے بڑھے۔ برہان نے بھی ان کی تقلید کی۔ ان دونوں کو اس طرح بڑھتے ہوئے دیکھ کر مسلمانوں کو شرم دامن گیر ہوئی۔ اور انہوں نے بھی سپروں کا قلعہ بنا کر آگے بڑھنا شروع کیا۔

راجپوت اب بھی نہایت تندہی اور بڑی پھرتی سے تیر برسا رہے تھے۔ لیکن ان کے تیر ڈھالوں سے ٹکرا ٹکرا کر اچٹ جاتے تھے۔

کچھ دور چلنے کے بعد ہارون نے کہا۔ راجپوتوں کی تیر اندازی اس وقت تک ختم نہ ہو گی۔ جب تک ان پر بھی تیروں کی باڑھ نہ ماری جائے۔

برہان نے کہا۔ خیال تو آپ کا درست ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ راجپوت کچھ اس تیزی سے تیر برسا رہے ہیں۔ کہ ہمیں اپنی حفاظت کرنی مشکل ہو رہی ہے تیر افگنی کی مہلت تو کہاں مل سکتی ہے۔

ہارون ــــــ ان کی یہ شدت اس وقت تک ہے جب تک ان پر زد نہیں پڑتی اور جب ان پر بھی زد پڑنے لگے گی۔ تو جس طرح اس وقت ہم ان تیروں سے بچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اسی طرح وہ بھی اپنی حفاظت کرنے پر مجبور ہوں گے۔

برہان ــــــ تب ہمیں تھوڑی دیر کے لیے ڈھالوں کی پناہ چھوڑ دینی چاہیے۔

ہارون ــــــ اس سے کیا مطلب ہے تمہارا!

برہان ــــــ جب تک ہم ڈھالوں کو سامنے سے نہ ہٹا دیں گے اس وقت

ہم کمانوں سے کر تیر اندازی کیسے کر سکتے ہیں۔

ہارون ــــــ کیا تمہارا یہ مطلب ہے۔ کہ ہم جو اگلی صف میں جا رہے ہیں۔ اپنے سامنے سے ڈھالیں ہٹا دیں۔

برہان ــــــ بغیر اس کے چارہ ہی کیا ہے۔

ہارون ــــــ معاف کرنا تم نے غلط سمجھا۔ اگر ہم ذرا بھی ڈھالیں ہٹائیں۔ تو کافروں کی طرف سے اس شدت سے تیر افگنی ہو رہی ہے۔ کہ ہم میں سے ایک بھی زندہ باقی نہ بچے گا۔

برہان ــــــ پھر کیا کرنا چاہیے ہمیں۔

ہارون ــــــ پچھلی صف کی طرف اشارہ کرو۔ وہ جھک کر ہمارے درمیان میں سے تیر نکال کر ایک دم باڑھ ماریں۔ سمجھ گئے۔ برہان نے خوش ہو کر کہا۔ نہایت اچھی تدبیر ہے۔ راجپوت بغیر کسی حفاظت کے سامنے ہی کھڑے ہیں۔ تیروں کی باڑھ ان کی صفیں الٹ دے گی۔

ہارون ــــــ اور جب وہ اپنی حفاظت میں مصروف ہو جائیں گے اس وقت ہم بھی ڈھالیں پشتوں پر ڈال کر ایک دم ان پر تیروں کی بارش کر دیں گے۔

برہان ــــــ ٹھیک ہے۔

برہان نے ذرا پیچھے ہٹ کر پچھلی صف والے مسلمانوں سے ہارون کی تدبیر بتا دی۔ فوراً پچھلی صف بڑھ کر پہلی صف کے عین پیچھے اور پاس آ گئی۔

تمام مسلمان ڈھالوں کی آڑ میں جھکے جھکے چل رہے تھے۔ چونکہ پچھلی صف والے مجاہدین پہلی صف کی آڑ میں آ گئے۔ اس لیے کفار کے تیروں سے محفوظ ہو گئے۔ انہیں ڈھالوں کی ضرورت ہی نہ رہی۔

انہوں نے جلدی جلدی ڈھالیں پشتوں پر لٹکا لیں۔ اور شانوں پر سے کمانیں نکال کر ہاتھوں میں لیں۔ ترکشوں میں سے تیر نکال کر چلّے جوڑے اور مسلمانوں کے پہلوؤں میں سے تیروں کا راستہ کر کے ایک ساتھ باڑھ ماری۔

راجپوتوں کو خواب میں بھی یہ خیال نہ تھا۔ کہ مسلمان اس طرح اچانک ان پر تیروں کی باڑھ ماریں گے۔ وہ سینہ تانے کھڑے تیر برسا رہے تھے۔ اس بات سے بے خبر تھے۔ کہ موت ان کی گھات میں لگ گئی ہے۔

جوں ہی مسلمانوں کے تیر سنسنانے اور فضا کو چیرتے ہوئے چلے راجپوتوں نے حیرت سے دیکھا۔

حیرت کی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کی اگلی صفیں ڈھالوں کی آڑ لیے بڑھی چلی آ رہی تھیں۔ وہ اس قدر اپنی حفاظت میں مصروف تھے کہ تیر چلا ہی نہ سکتے تھے۔ نہ انہوں نے تیر چلائے تھے۔ ابھی راجپوت حیران ہی ہو رہے تھے۔ کہ تیروں کی باڑھ ان کی پہلی صف پر پڑی۔ اور بہت سے جانبازوں کے سر و سینوں میں تیر پیوست ہو کر رہ گئے۔

راجپوتوں کی پہلی صف الٹ کر دوسری پر جا گری۔ اور اتنے میں دوسری صف والے سنبھلیں اتنے میں دوسری باڑھ پڑی۔ اور دوسری صف کا بھی ستھراؤ ہو گیا۔

راجپوت اس اچانک تیر اندازی سے گھبرا گئے۔ اب انہوں نے تیر اندازی چھوڑ دی۔ اپنی حفاظت کرنے لگے۔

یہ حالت دیکھتے ہی ہارون نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ یہ اشارہ تھا اس بات کا کہ اگلی صف والے مسلمان بھی تیر برسائیں۔

چنانچہ اگلی صف کے مسلمانوں نے بھی پھرتی کے ساتھ ڈھالیں پشتوں پر ڈالیں۔ اور کمانیں لے کر نہایت تیزی سے تیر افگنی شروع کر دی۔ ساتھ ہی جھپٹ کر آگے بڑھنے لگے۔ راجپوتوں کی بڑی تعداد لقمہ اجل ہو گئی۔ اور جو باقی رہے۔ وہ دوڑ دوڑ کر کشتیوں اور جہازوں میں سوار ہو گئے۔

چونکہ مسلمان بڑھے چلے آ رہے تھے۔ اس لیے انہوں نے کشتیاں اور جہاز پیچھے سمندر میں ہٹا لیے۔ ہارون نے برہان سے کہا" دوست یہی موقع ان پر ضرب لگانے کا ہے۔ خدا نے آج ہی کے دن کے لیے ہمیں ان کی کشتیاں دلوائی تھیں۔ دوڑ کر جاؤ اور کشتیاں کھینچ کر سمندر میں لا ڈالو۔

برہان بغیر کچھ کہے فوراً چل پڑے۔ اور ہر مسلمان بڑھ کر ساحل پر پہنچ گیا۔ اس طرح مسلمانوں کا بندرگاہ پر قبضہ ہو گیا۔ لیکن ابھی راجپوت جہازوں اور کشتیوں میں بیٹھے تیر برسا رہے تھے تھوڑی ہی دیر میں برہان کشتیاں لے کر آ گئے۔ اگرچہ مسلمان جہاز رانی یا ملاحی کے فن سے بالکل ہی واقف نہیں تھے۔ کیونکہ وہ خشکی کے رہنے والے تھے۔ سمندر کا کنارہ ان کی قلمرو میں نہ تھا۔ کشتیاں یا جہاز چلانے کا انہیں اتفاق ہی نہ ہوا تھا۔ مگر برہان کے دستہ والے کئی مرتبہ ان کشتیوں کو چلا چکے تھے۔ اور اس لیے انہیں کچھ مہارت ہو گئی تھی۔

چنانچہ بہت سے مسلمان کشتیوں میں سوار ہو گئے۔ اور جو مجاہدین فن کشتی رانی سے واقف ہو گئے تھے۔ وہ کشتیاں چلانے لگے۔

ایک کشتی میں برہان اور ایک میں ہارون دس دس پندرہ پندرہ غازیان اسلام کو ساتھ لے کر بیٹھ گئے۔ اور یہ کشتیاں دشمنوں کی کشتیوں کی طرف بڑھیں۔

مسلمانوں نے اس شدت سے تیر افگنی شروع کی۔ کہ راجپوتوں نے ان سے بچنے کے لیے تیزی سے اپنی کشتیوں کو پیچھے ہٹانا شروع کیا۔

مسلمان بڑھتے رہے اور تیر اندازی کرتے رہے ایک مرتبہ کئی کشتیوں کے راجپوت ایک دم ایک کنارہ پر کشتیوں کے کنارے پہنچ گئے۔ جس کی وجہ سے توازن قائم نہ رہ سکا۔ اور پانچ چھ کشتیاں الٹ گئیں۔ ان کشتیوں کے تمام راجپوت سمندر میں ڈبکیاں لینے اور غوطہ کھانے لگے۔

کچھ راجپوتوں کی کشتیاں انہیں بچانے کے لیے آگے بڑھیں۔ اور انہوں نے رسّے سمندر میں پھینک دیئے۔ جن کے ذریعہ سے راجپوت تیر کر کشتیوں پر چڑھنے لگے۔ لیکن چونکہ وہ اپنی جانیں بچانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس لیے احتیاط ملحوظ نہ رکھی اور ڈوبنے والے کشتیوں کے کنارے پکڑنے لگے۔ اور کشتیوں میں بیٹھنے والے ان کے ہاتھ پکڑنے کے لیے جھک گئے۔ اس سے ان کشتیوں کا بھی توازن قائم نہ رہا۔ اور وہ بھی الٹ گئیں۔ ان میں بیٹھے ہوئے راجپوت بھی سمندر میں جا گرے۔

اس طرح بہت سی کشتیاں اور سینکڑوں راجپوت ضائع ہو گئے۔ اس عرصہ میں مسلمانوں کی کشتیاں قضائے مبرم کی طرح ان کے سروں پر جا پہنچیں۔ جہاز والوں کو اندیشہ ہوا کہ کہیں مسلمان کشتیاں جہازوں سے لگا کر اوپر نہ چڑھ آئیں۔ اس لیے انہوں نے راہ فرار اختیار کی اور سمندر کے بیچ میں اپنے جہاز دوڑائے۔

جب وہ دور نکل گئے۔ تب مسلمانوں نے اپنی کشتیوں کا رخ شہر کی طرف کر دیا۔ چونکہ راجپوتوں کی اور بھی بہت سی کشتیاں ساحل پر موجود تھیں۔ اس لیے مسلمانوں نے انہیں بھی اپنے تصرف میں لے لیا۔

جب یہ کشتیاں شہر اور مندر کے قریب پہنچیں تو انہوں نے اس طرف سے راجپوتوں کو کشتیاں دوڑاتے لاتے دیکھا۔ وہ فوراً ان کے مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے۔ یہ مسلمانوں کی کشتیاں تھیں جو مندر سے کشتیوں میں آنے والے راجپوتوں کو ملی تھیں۔

تینتیسواں باب

نہنگِ اجل

ہم بیان کر آئے ہیں کہ سندر میں سے بھاگنے والے راجپوت جو کشتیوں میں سوار ہو کر فرار ہوئے تھے مسلمانوں کی کشتیاں دیکھتے ہی گھبرا گئے اور سہمگین نگاہوں سے مسلمانوں کو دیکھنے لگے۔

انہیں مسلمانوں پر بڑا غصہ آ رہا تھا۔ کہ انہوں نے خشکی اور تری دونوں ہی طرف سے ان پر یورش کر دی تھی۔ لیکن ساتھ ہی اس خیال سے خوف بھی معلوم ہو رہا تھا کہ مسلمان ان کی طرح انسان ہی ہیں۔ یا جیسا کہ مشہور ہے۔ کہ وہ دیو یا جن یا بھوت ہیں۔ ان تینوں میں سے کوئی مخلوق ہیں۔

انہیں یہ شک ہو گیا کہ وہ انسان نہیں ہیں۔ اور یہ شک ان کے دلوں میں اس لیے اور بھی جڑ پکڑ گیا کہ اگر وہ ان سے ڈر کر سمندر میں بھاگ نکلے تو وہاں بھی وہ ان کے سامنے آ گئے۔

انہوں نے بندرگاہ کی طرف دیکھا۔ وہاں ایک بھی جہاز یا کشتی نظر نہ آئی چونکہ وہ سراسیمگی کی حالت میں بھاگے تھے۔ اس لیے سمندر میں دور تک انہوں نے نگاہ نہ ڈالی تھی۔ ورنہ انہیں اپنے جہاز سمندر میں دور تک بھاگتے ہوئے نظر آ جاتے۔ اور وہ شاید سمندر میں کود پڑنے کی غلطی نہ کرتے۔

اب بندرگاہ سے نگاہیں ہٹا کر جو انہوں نے دیکھا تو دور سمندر کے افق میں انہیں جہازوں کے مستول نظر آئے۔ ان کے دل بحرِ رنج والم میں ڈوب گئے۔ حوصلے پست ہو گئے اور ہمتیں جواب دے گئیں۔

وہ خوفزدہ نگاہوں سے کبھی مسلمانوں کو بیم و ہراس کی نظروں سے کبھی ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

ہارون، برہان اور ان کے ساتھی اپنی کشتیوں کو ان کی طرف بڑھاتے لیے چلے آ رہے تھے۔ چونکہ وہ کشتیاں چلانے کے فن سے ناواقف تھے۔ اس لیے الٹے سیدھے پتوار چلا رہے تھے۔ جس سے کبھی تو کشتیاں سیدھی ہو کر راجپوتوں کی کشتیوں کی طرف دوڑنے لگتی تھیں اور کبھی ترچھی ہو کر ادھر ادھر جھک جاتی تھیں۔

جوں جوں یہ کشتیاں راجپوتوں کے قریب ہوتی جاتی تھیں۔ ان کا خوف و ہراس بڑھتا جاتا تھا۔ اور فرطِ رعب و دہشت سے روحیں تن کی کا بدنوں میں پھڑپھڑانے لگتی تھیں۔

انسان جوشِ غصہ، غم اور خوف میں دیوانہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ اکثر ایسی حرکتیں کر بیٹھتا ہے۔ جو خود اس کے لیے مضر ہوتی ہے۔ چنانچہ ان راجپوتوں نے بھی غیر مہذبانہ اور مضحکہ خیز حرکت کی کہ دور ہی سے مسلمانوں کو گالیاں دینی شروع کر دیں۔

عام مسلمان تو سمجھے بھی نہیں۔ کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ لیکن ہارون اور دو چار دوسرے لوگ ان کی زبان کچھ سمجھنے لگے تھے۔ وہ سن رہے تھے بلکہ خاموش تھے۔ گالیاں سن کر بھی نہیں۔ نہ جواب ہی دشنام طرازی شروع کی۔ بلکہ نہایت اطمینان سے کشتیوں میں بیٹھے رہے۔

راجپوت چاہتے تھے کہ کسی طرح کشتیاں واپس لوٹا کر پھر سندر میں داخل ہو جائیں لیکن اب اس کا موقعہ نہیں رہا تھا۔ مسلمانوں کی کشتیاں پانی کو چیرتی ہوئیں ان کے نزدیک ہوتی جاتی تھیں۔ اور ان کی بارعب اور پُرہول صورتیں ان سے قریب تر ہوتی جا رہی تھیں۔

مسلمانوں کو دیکھ دیکھ کر راجپوت اس طرح خوف زدہ ہوتے جاتے تھے جس طرح بندر بھیڑیوں کو دیکھ کر خائف ہو جاتے تھے۔

آخر مسلمانوں کی کشتیاں راجپوتوں کی کشتیوں کے اس قدر پاس آ گئیں۔ کہ مسلمان زقند لگا لگا کر ان کی کشتیوں میں کود گئے اور تلواریں کھینچ کھینچ کر خوفزدہ راجپوتوں پر جا پڑے۔

راجپوتوں نے بھی کانڈے اٹھا لیے اور اپنی حفاظت کے لیے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے لگے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کی بہت سی کشتیاں تھیں۔ جو دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ ہندوؤں کی تو یہ جرأت نہ ہوئی۔ کہ وہ مسلمانوں کی کشتیوں میں کود جاتے۔ البتہ مسلمان ان کی کشتیوں میں کود آئے تھے اور ان سے جنگ کر رہے تھے۔

راجپوت بھی جوش و غیرت میں آ کر جٹ گئے تھے جس وقت سمندر میں جنگ ہونے لگی تھی۔ جب کسی کا سر کٹتا تھا۔ تو اچھل کر سمندر میں جا گرتا تھا۔ اور تھوڑی دور تک سمندر کے

نیلگوں پانی کو سرخ رنگ میں رنگ دیتا تھا۔ کبھی کبھی ہاتھ بھی کٹ کر سمندر میں جا پڑتے تھے اور اکثر ایسا بھی ہوتا تھا کہ کوئی راجپوت اپنی جان بچانے کے لیے کشتی کے کنارے سے جا لگتا تھا اور کوئی مسلمان اسے کاٹ کر سمندر میں پھینک دیتا ہے۔

اس طرح کشتیوں کے قریب کا پانی سرخ ہو جاتا تھا۔ راجپوتوں نے چلانا شروع کر دیا تھا۔ ان کی پرشور آواز سے سمندر گونجنے لگا تھا۔

مسلمان خاموش تھے۔ لیکن ان کی تلواریں شور و شر کرتی دشمنوں کو کاٹ چھانٹ رہی تھیں۔

ہر کشتی کے مسلمان یہ چاہتے تھے۔ کہ دوسری کشتی والوں سے پہلے راجپوتوں کو کاٹ کر صاف کر دیں۔ اس لیے ہر مسلمان بڑی جانکاہی، بڑی جی داری سے جنگ کرنے لگے تھے۔

ادھر مسلمان اس فکر میں تھے۔ کہ جس طرح بھی ممکن ہو جلد سے جلد انہیں ٹھکانے لگا کر مندر پر چڑھ جائیں۔ اس لیے نہایت جوش و خروش سے بڑی گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی۔ راجپوت مسلمانوں کو قتل کر رہے تھے اور مسلمان راجپوتوں کو کاٹ رہے تھے۔

یہ عجیب بات تھی کہ کشتیوں میں بہت کم لوگ مر کر گر رہے تھے۔ زیادہ تر سمندر میں لڑھک رہے تھے۔ پھر بھی تمام کشتیاں جن میں راجپوت موجود تھے۔ خون سے رنگتی چلی جا رہی تھیں۔

جو راجپوت زخمی ہو جاتے تھے اور زخموں کی شدت کی وجہ سے ان کے جسموں میں آگ سی لگ اٹھتی تھی۔ وہ ٹھنڈک پہنچانے کے لیے سمندر میں کود جاتے تھے۔ بغیر اس امر کا خیال کیے ہوئے کہ سمندر کے پانی میں غرق ہو کر رہ جائیں گے۔

رفتہ رفتہ ان کی تعداد کم ہوتی چلی جا رہی تھی۔ مسلمانوں کی تلواروں نے انہیں کھیتی کی طرح کاٹ کاٹ کر بچھانا شروع کر دیا تھا۔

اگرچہ راجپوتوں کی تعداد اب بھی مسلمانوں سے کہیں زیادہ تھی۔ اور اگر وہ ہوش و خرد اور جوش و جرأت سے کام لیتے تو ممکن تھا کہ مسلمانوں کو مار بھگاتے لیکن ان پر مسلمانوں کا کچھ ایسا رعب اور کچھ ایسی دہشت طاری ہو گئی تھی کہ ان کے حوصلے پست ہو گئے تھے۔ اور جرأت کوچ کر گئی تھی۔

وہ صرف مدافعت کر رہے تھے۔ مسلمانوں کے ہولناک حملوں سے بچنے کی کوشش میں مصروف تھے۔ جارحانہ حملے بالکل نہ کر رہے تھے۔

اور مسلمان بڑھ بڑھ کر وار کر رہے تھے۔ ان کی تلواریں نہایت پھرتی سے اٹھ رہی تھیں۔ اور بڑی تیزی سے کانڈوں کے ٹکڑے اڑا رہی تھیں۔ ڈھالوں کو پھاڑ رہی تھیں اور راجپوتوں کے سرتن کے فیصلے کر رہی تھیں۔

راجپوت بھی مر رہے تھے۔ مگر آسانی کے ساتھ نہیں زخم کھاتے تھے ادھر ادھر کشتیوں میں دوڑ لگاتے تھے۔ اور جب شدید زخمی ہو جاتے تھے۔ تو سمندر میں کود پڑتے تھے۔

مگر جب راجپوتوں نے دیکھا کہ مسلمانوں نے ان سب کے مار ڈالنے کا قصد ہی کر لیا ہے۔ اور ان کی بے پناہ تلواریں ان میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گی۔ تو وہ گھبرا گئے اور بغیر کسی پس و پیش کے کشتیوں سے کود کود کر سمندر میں جا پڑے۔ اس طرح ان کے وجود سے تمام کشتیاں خالی ہو گئیں۔ اور وہ سب نہنگ ان کے منہ میں جا پڑے۔

مسلمانوں کو اس نظارہ سے بڑی عبرت حاصل ہوئی۔ وہ دیکھ کر رہے تھے کہ جب کوئی راجپوت سمندر میں چھلانگ لگاتا ہے۔ تو وہ تین مرتبہ ڈبکیاں کھاتا سر ابھار کر حسرت بھری نگاہوں سے اپنے ادھر ادھر دیکھتا اور پانی کی تہ میں اتر جاتا۔

یہ نظارہ بڑا تکلیف دہ تھا۔ لہروان نے اس نظارہ سے متاثر ہو کر کہا۔ کاش یہ لوگ امان مانگ لیتے۔ تب انہیں قید کر لیا جاتا اور ان کی جانیں بچ جاتیں۔

لیکن غیور راجپوتوں میں سے کسی ایک نے بھی امان نہ مانگی اور وہ یا تو تلواروں کی بھینٹ چڑھ گئے۔ یا سمندر کی نذر ہو گئے۔

جب ان کا وجود ہی مٹ گیا تب مسلمانوں نے اللہ اکبر کا پرزور نعرہ لگایا۔ آج پہلی مرتبہ سمندر کے اس حصہ نے خالق برتر۔ واحد مطلق اور خدائے برحق کا نام اس کی عظمت و جلال کی صفت کے ساتھ سنا۔

اب مسلمانوں نے کشتیاں مندر کی فصیل کی طرف بڑھا دیں۔ اور چونکہ اب کوئی ان کی مزاحمت کرنے کے لیے باقی نہ رہا۔ اس لیے وہ بلا کسی دقت اور رکاوٹ کے فصیل تک پہنچ گئے۔

مندر کے پشت کی جانب سمندر کی طرف بڑی لمبی اور پوری سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ انہی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر سومنات مندر کے پنڈت یا پجاری روزانہ غسل کیا کرتے تھے۔

یہ سیڑھیاں مندر کے اندر تک چلی گئی تھیں۔ مسلمانوں نے اپنی کشتیاں ان سیڑھیوں کے کنارہ کنارہ دور تک پھیلا دیں اور بسم اللہ کر کے کشتیوں سے اتر کر سیڑھیوں پر چڑھنے لگے۔ ان کا خیال تھا کہ شاید مندر میں ابھی تک جنگ ہو رہی ہو۔ اور اس طرف سے راجپوت ان کے داخلہ میں کچھ مزاحمت کریں۔ اس لیے وہ شمشیر بکف ہو کر چل رہے تھے۔

لیکن جب وہ سیڑھیاں عبور کر کے مندر کے اندر داخل ہوئے تو انہوں نے وہاں سراسیمگی اور ابتری پھیلی ہوئی دیکھی۔ مسلمانوں کے رسالے مندر کے تمام صحن میں بکھرے پڑے تھے۔ مسلمانوں نے ایک طرف سلطان کو کھڑے دیکھا۔ ان کے گرد پجاریوں کا ہجوم تھا۔ یہ سب بھی اسی طرف روانہ ہو گئے۔

معلق بت کا راز

جب ہارون اور برہان سلطان کے پاس پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ بہت سے پنڈت ذات ہمایوں کے گرد کھڑے تھے۔ ہارون کو دیکھتے ہی سلطان نے خوش ہو کر کہا اور تم بھی آ گئے۔ ہارون! کیا تم نے بندرگاہ فتح کر لیا۔

ہارون نے سر نیاز جھکا کر کہا۔ جی ہاں اقبال سلطانی سے بندرگاہ فتح ہو گیا۔ اس وقت خشکی اور سمندر پر جہاں پناہ کا قبضہ ہو گیا ہے۔

سلطان نے مسرت بھرے لہجہ میں کہا۔ یہ خدا کا انعام و احسان ہے سب سے بڑی خوشخبری یہ ہے۔ ہارون! اگر چندر موہنی بھی مل گئی۔

یہ سنکر ہارون کا چہرہ جوش مسرت سے تمتما اٹھا اس نے کہا۔ خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اعلیٰ حضرت کی محنت ٹھکانے لگی۔

سلطان —— ہاں اس کا احسان ہے۔ تم نے یہ چھوٹا مندر دیکھا ہے ہارون!

سلطان نے اس مندر کی طرف اشارہ کیا۔ جس میں ایک سیاہ بت معلق قائم تھا۔

ہارون نے کہا نہیں عالم پناہ میں نے نہیں دیکھا ہے

سلطان —— بیشک نہ دیکھا ہو گا۔ اس میں حیرتناک بات یہ ہے کہ بت کسی چیز پر قائم نہیں ہے۔ یہ پنڈے کہتے ہیں کہ یہ بت صدیوں سے اسی طرح قائم ہے اور اسی ...... طرح قائم رہنا اس بت کا معجزہ ہے آؤ میں دکھاؤں۔

یہ کہتے ہی سلطان مندر کی طرف گھوم گئے۔ ہارون اور برہان دونوں ان کے پیچھے چلے

سلطانی رسالہ کے کچھ سوار بھی ساتھ ہو لیے۔ کچھ پنڈت بھی چلے۔

ہارون نے مندر میں داخل ہو کر یہ حیرت انگیز نظارہ دیکھا کہ ایک سیاہ بت بغیر کسی سہارے کے مندر کے عین بیچ میں قائم ہے۔

مندر کے اندر دیواروں پر سیاہ رنگ پھیرا ہوا تھا۔ چھت بھی سیاہ تھی۔

ہارون اور برہان دونوں نے حیران کن نگاہوں سے بت کو دیکھا دیواروں کو دیکھا چھت اور فرش کو دیکھا کسی طرف بھی کوئی ایسی بات نہ تھی جس سے ظاہر ہوتا کہ بت کو کوئی چیز سہارا دیئے ہوئے ہے۔

سلطان نے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ دیکھا تم نے ہارون۔

ہارون —— جی دیکھا پیرو مرشد۔

سلطان —— تعجب انگیز بات ہے یا نہیں۔

ہارون —— بیشک۔ عقل حیران ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا یہ کیا معاملہ ہے۔ کس چیز پر بت قائم ہے۔

سلطان —— ہم بھی دیر سے غور و خوض کر رہے ہیں۔ لیکن کسی بات پر رائے نہیں جمتی۔ اگر دھرمپال ہوتے تو یہ معمہ حل ہو جاتا۔

ہارون —— بہت ممکن تھا۔ وہ اس کی اصلیت ظاہر کر دیتے۔ لیکن وہ مقید ہیں۔

سلطان —— ابھی تک قید ہی ہیں۔

ہارون —— شاید یہ پتہ نہیں چلا۔ کہ وہ کس جگہ قید ہیں۔

سلطان —— بات یہ ہے کہ ابھی تک گھڑی بھر اطمینان سے بیٹھنا نصیب نہیں ہوا۔ اس لیے ان کی تلاش و تجسس نہیں کی جا سکی۔ انشاءاللہ اب سراغ لگایا جائے گا۔

ہارون —— مہاراجہ کا کیا حشر ہوا اعلیٰ حضرت۔

سلطان —— معلوم ہوا ہے وہ جنگ میں مارا گیا۔ افسوس یہ ہے کہ اس نے از خود یا کسی کے بہکانے سکھانے میں آ کر مصالحت سے انکار کر دیا ورنہ ...... سومنات کا یہ حشر ہوتا نہ مہاراجہ مارا جاتا۔ لیکن خدا کو یہی منظور تھا جو ہوا۔

ہارون —— انہوں نے اپنے لشکر کی کثرت پر غرور کیا۔ اور غرور خدا کو مطلق بھی پسند نہیں ہے۔ اس لیے یہ عبرتناک انجام ہوا۔

سلطان ——— کبریائی خدا کی چادر ہے۔ جو تکبر و غرور کرتا ہے اس سے خدا ناخوش ہوجاتا ہے۔ اور جس سے خدا ناخوش ہوجاتا ہے اس کا انجام ایسا ہی ہولناک ہوا کرتا ہے لیکن ہم کیا ذکر لے بیٹھے۔ تذکرہ تھا اس معلق بت کا۔

ہارون ——— بیشک جہاں پناہ اہم باتوں میں کہیں کے کہیں نکل گئے۔ ٹھہریئے میں امتحان کر لوں۔ کہ کوئی تار یا اور چیز تو ایسی نہیں ہے۔ جس پر یہ بت لٹک رہا ہو۔

سلطان ——— ہاں دیکھو۔

ہارون بڑھ کر بت کے قریب جا کھڑے ہوئے اور تلوار میان سے نکال کر انہوں نے بت کے چاروں طرف اور اوپر نیچے چلائی۔ مگر کوئی چیز بھی تلوار مس نہ ہوئی۔

شاید ابھی تک ہارون کو یہ خیال تھا۔ کہ بت کسی ایسے سیاہ تار سے لٹک رہا ہے جو ہر طرف سیاہ رنگ و روغن ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آتا ہے لیکن جب انہوں نے تلوار چلا کر یہ اطمینان کر لیا۔ کہ بت نہ کسی چیز پر قائم ہے نہ کسی تسمے سے بندھا ہوا لٹک رہا ہے۔ تو انہیں بکمال حیرت ہوئی ایسی حیرت کہ ان کا منہ کھلا اور آنکھیں پھیلی رہ گئیں۔

سلطان ان کی حالت تحیر دیکھ کر مسکرائے۔ اور فرمایا کہو امتحان کر لیا تم نے۔

ہارون ——— جی ہاں امتحان کر لیا۔ سخت استعجاب ہے

سلطان ——— اب تم ان ہندوؤں کے عقیدے کے متعلق کیا کہتے ہو۔ کہ یہ بت اپنے معجزے کی وجہ سے معلق ہے۔

ہارون ——— میں اس بات کو نہیں مانتا۔

سلطان ——— کیا استدلال ہے تمہارے پاس اسکا۔

ہارون ——— سب سے پہلی بات تو یہی ہے کہ اگر اس بت میں معجزہ دکھانے کی طاقت ہوتی۔ تو میرے تلوار چلانے سے ناخوش ہو کر مجھے کوئی سزا دیتا۔

سلطان ——— ٹھیک کہا تم نے۔ مگر اس کے معلق لٹکنے کا راز ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ہارون ——— ابھی لاینحل ہے میرے خیال میں عام پنڈوں کو تو نہیں۔ البتہ خاص خاص پجاریوں کو جو عمر رسیدہ ہیں اس کا راز معلوم ہوگا۔

سلطان ——— تب ان سے دریافت کرو۔

ہارون ——— وہ ہرگز بھی آسانی سے اس راز کو نہ بتائیں گے

سلطان ——— پھر کیا طریقہ اختیار کیا جائے گا۔

ہارون ——— جلالتمآب اس مندر کے تمام پجاریوں کی گرفتاری کا حکم دیدیں۔

سلطان ——— ہارون، برہان اور سب لوگ مندر سے باہر نکل آئے۔ سلطان نے پنڈوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ اس مندر کے تمام پجاری ایک طرف آجائیں۔

سب پجاری ایک طرف چلے تقریباً ساٹھ ستر پجاری تھے۔ سلطان نے پوچھا۔ کوئی اور تو یہاں نہیں رہ گیا۔

ایک بڈھے پجاری نے کہا۔ جی نہیں۔

سلطان نے سپاہیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ انہیں سب کو گرفتار کر لو۔ سپاہی پجاریوں کی طرف بڑھے۔ پنڈے خوف و ہراس سے کانپنے لگے۔ سپاہیوں نے انہیں حراست میں لے لیا۔

ہارون ان قیدیوں کے پاس آئے۔ اور ان پر سرسری نظر ڈالی ان میں ایک ادھیڑ عمر کا پجاری ان کی طرف کچھ ایسی نگاہوں سے تکتا نظر آیا جس سے معلوم ہوا۔ وہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔

ہارون نے اس سے پوچھا۔ کیا تم کچھ کہنا چاہتے ہو!

پجاری نے سہمی ہوئی پست آواز میں کہا۔ جی ہاں۔

ہارون ——— تم میرے پیچھے چلے آؤ۔

سپاہیوں نے اسے چھوڑ دیا۔ اور وہ ہارون کے پیچھے پیچھے چل کر مندر کے دروازہ پر پہنچا۔ ہارون نے کہا۔ کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔

پجاری ——— ہم نے سنا تھا۔ کہ مسلمان اور سلطان مذہبی رہنماؤں کو کوئی آزار نہیں پہنچاتے۔

ہارون ——— تم نے صحیح سنا تھا۔ کہ اس وقت جو تم لوگوں پر یہ سختی کی گئی ہے اس لیے کہ تمہارا وہ بت جس کے تم پجاری ہو اور جو معلق ٹھہرا ہوا ہے۔ تمہیں اپنے معجزہ سے بچائے۔ سلطان اس کے معجزہ کا امتحان لینا چاہتے ہیں۔

پجاری ——— شاید حضور نے یہ نہیں سمجھا۔ کہ یہ دیوتا کیوں اور کیسے اس طرح قائم ہیں۔

ہارون ——— سلطان یہی معلوم کرنا چاہتے ہیں۔

پجاری ——— اگر میں یہ راز بتا دوں۔

ہارون ——— تو تم اسی وقت چھوڑ دیئے جاؤ گے اور ممکن تمہیں کچھ انعام بھی مل جائے۔

پجاری ــــ اور میرے بالک (بچے) اور استری (بیوی)۔

ہارون ــــ انہیں بھی امان دے دی جائے گی۔

پجاری ــــ آپ اس کے ذمہ دار ہیں۔

ہارون ــــ ہاں میں ذمہ دار ہوں۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔

پجاری ــــ اچھا تو سنو۔ یہ بت خالص لوہے کا ہے۔

ہارون ــــ یہ تو اس کی بناوٹ سے ہی معلوم ہوتا ہے۔

پجاری ــــ اس مندر کی چار دیواروں اور چھت اور فرش پر سنگِ مقناطیس کی چادریں اس حکمت سے لگائی گئی ہیں کہ ہر طرف سے اس کی کشش برابر پڑتی ہے۔ اور مقناطیس پتھروں کی یہ کشش لوہے کے بت کو سنبھالے ہوئے ہے۔

ہارون کا استعجاب فوراً ہی دور ہو گیا یہ بات اس کی سمجھ میں بھی آ گئی۔ وہ سلطان کے پاس آئے اور ان سے یہ باتیں بیان کر دیں۔ سلطان نے کہا۔ اگر ایسا ہے تو کسی طرف کی دیوار گرانے سے بت گر جائے گا۔

ہارون ــــ یقیناً۔ اس کا امتحان کر لیا جائے۔

سلطان ــــ ضرور امتحان کرو۔

ہارون نے چند سپاہیوں کو مندر کی شرقی دیوار گرانے کا حکم دیا اگرچہ یہ بات ہندوؤں کو سخت ناگوار گذری۔ لیکن وہ محکوم ہو چکے تھے۔ قضا و قدر نے انہیں غلام بنا دیا تھا۔ اور غلاموں کا کوئی مذہب باقی نہیں رہا کرتا۔ اس لیے وہ خاموش رہ گئے۔ اور سپاہیوں نے چشم زدن میں دیوار کھود کر گرا دی۔

دیوار کے گرتے ہی بت بھی اوندھا ہو کر گرا۔ مسلمانوں نے خوش ہو کر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ جو ہندو اس حکمت سے خبردار نہیں تھے۔ وہ بھی بت کو اس طرح گرتے دیکھ کر حیران رہ گئے۔ سلطان نے کہا۔ کس قدر چالاک ہیں یہ ہندو۔ پجاریوں نے اپنی دوکان چلانے کے لیے کیسا جال پھیلا رکھا تھا۔ عام ہندو اس بت سے کس قدر عقیدت رکھتے ہوں گے۔

ہارون ــــ ہم لوگ ہی جب حیران رہ گئے تھے۔ تو ان عقیدت کیش ہندوؤں کا کیا ذکر ہے۔ یہ تو اسے دیوتا نہیں بلکہ خدا مانتے ہوں گے۔

سلطان ــــ یقیناً۔ لیکن یہ راز منکشف ہونے پر بھی میرے خیال میں ہندوؤں کی

عقیدت میں کوئی فرق نہ آئے گا۔

ہارون ــــ وہ مجبور ہیں۔ انہیں دیوی دیوتاؤں کے نام سے اس قدر ڈرا دیا جاتا ہے کہ وہ ان کی نہ تذلیل گوارا کر سکتے ہیں۔ اور نہ اپنے عقیدہ سے ہٹ سکتے ہیں!....

.... عالم پناہ میں نے اس پجاری کی رہائی کا وعدہ کر لیا ہے۔ جس نے یہ راز بتایا تھا

سلطان ــــ صرف اسی کو نہیں بلکہ تمام پجاریوں کو رہا کرا دو۔ یہ مذہبی رہنما ہیں۔

ہارون ــــ مگر میں نے اس سے انعام کا بھی وعدہ کیا ہے۔

سلطان ــــ اسے انعام دیا جائے گا۔ آؤ چلو۔ اب سومنات کے بت کو دیکھیں۔

ہارون ــــ چلیئے.... اب یہ سب سومنات کے بت کی طرف روانہ ہوئے۔

چونتیسواں باب

بُت شکن

جب سلطان سومنات کے مندر کے دروازہ پر آئے۔ تو تمام پنڈے وہاں موجود تھے وہ سر جھکائے پیکرِ رنج وحسرت بنے کھڑے تھے۔ التونتاش اور امیر علی خولیشاوند بھی وہیں تھے۔ سلطان کو دیکھتے ہی پنڈے رکوع کی شان سے جھک گئے۔ اور انہوں نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔ ان کے یہاں مہاراج اور سیراج کی تعظیم کا یہی طریقہ تھا۔

سلطان ان کے درمیان میں سے ہو کر مندر کی سیڑھیوں پر چڑھے اور بہ آسانی تک پہ جا کر گئے۔ ذات ہمایوں کے عین پیچھے التونتاش۔ امیر علی خولیشاوند یارون برہان اور چند دوسرے وفادار اور جان نثار افسرانِ فوج تھے۔ ان فوجی سرداروں کے پیچھے پنڈوں کا لشکر تھا۔

اگر مسلمانوں نے سومنات کو فتح نہ کر لیا ہوتا۔ اور پنڈوں کی حالت غلامانہ نہ ہو گئی ہوتی۔ تو ناممکن تھا کہ کوئی مسلمان کسی حالت میں بھی مندر کے اندر داخل ہو سکتا۔

اب بھی کسی مسلمان کو مندر میں جانے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ یہ بات کچھ اس لیے نہیں ہے۔ کہ ہندو یہ سمجھتے ہوں کہ مسلمانوں کے مندر میں داخل ہونے کی وجہ سے مورتیاں نجس ہو جائیں گی۔ بلکہ جہاں تک غور کیا یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مسلمان مندروں کی عجیب وغریب مورتیاں دیکھ کر ان کا مضحکہ اڑائیں گے۔ اگر یہ بات نہیں ہے اور واقعی مسلمانوں کے مندر میں داخلہ سے کوئی جگہ یا مورتیاں نجس ہو جاتی ہیں تو مسلمان عام راستوں۔ تفریح گاہوں۔ پارکوں اسٹیشنوں اور ریل گاڑی کے ڈبوں میں ہندوؤں سے مل کر بیٹھتے ہیں۔ مل کر چلتے ہیں ہندوؤں کے کپڑے یا ہندو نجس کیوں نہیں ہو جاتے۔ کیوں وہ ان مقامات پہ جانا نہیں چھوڑ دیتے۔ جن میں مسلمان جاتے ہیں۔ انہیں تو یہ چاہیے۔ کہ اپنے گھروں اور مندروں میں چھپے بیٹھے رہیں۔ نہ گھروں سے نکلیں۔ نہ مسلمانوں سے بھڑیں۔ نہ نجس ہوں۔

یہ بات نہیں ہے۔ اور اگر حقیقت میں یہ بات ہوتی۔ تو ہندو ان راستوں سے کبھی نہ چلتے۔ جن میں مسلمان مل جائیں۔ بلکہ بات وہی ہے کہ مندروں میں عجیب عجیب شکلوں کی مورتیاں دیکھ کر مسلمان ہنسنے نہ لگیں۔

اور چونکہ مسجدوں میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہوتی۔ جس سے غیر قوموں کو ہنسنے کا موقع ملے۔ اس لیے مسلمان ہندوؤں کو کشادہ دلی سے مسجدوں میں آنے کی اجازت دے دیتے ہیں۔ حالانکہ کل مشرکٍ نجسٌ۔ یعنی تمام مشرک نجس ہیں۔ کے مصداق ہر بت پرست کافر اور نجس ہے۔

اور نجس آدمی جس جگہ جائے گا اسے نجس کر دے گا۔ لیکن اللہ کے نیک بندے مسلمان اس بات کا لحاظ نہیں کرتے۔

غرض مسلمان مندر کی عمارت میں داخل ہوئے۔ اور جب انہوں نے اس کے ان عالیشان کمروں کو دیکھا۔ جو درجہ بدرجہ تھے۔ اور ان کی دیواروں میں جواہر اور الماس کو جڑے ہوئے دیکھا تو متعجب ہوئے۔

ہم بیان کر آئے ہیں۔ کہ اس مندر کے اندر باہر کی روشنی نہ آتی تھی۔ اگرچہ کمرے نہایت کشادہ۔ اونچے اور عالیشان تھے۔ لیکن ان کے دروازوں کے سامنے دیواروں کے گھونگھٹ اس طرح قائم کیے گئے تھے۔ کہ باہر کی روشنی کا عکس تک نہ آتا تھا۔ ان کمروں میں چھپن ستون مرصع جواہرات کے لگے ہوئے تھے۔

سینکڑوں قندیلیں چھتوں میں آویزاں تھیں۔ اور ان میں بھی جواہرات اور الماس جڑے ہوئے تھے۔ در و دیوار میں جواہرات نصب تھے اور ان الماس اور جواہرات کی ضو سے ان کمروں میں رات اور دن کی سی روشنی پھیلی رہتی تھی۔

سلطان اور دوسرے مسلمان ان کمروں، کمروں کی دیواروں قندیلوں اور مرصع بہ جواہر ستونوں کو دیکھتے ہوئے بڑھے۔ ایک وسیع کمرے میں ہی انہیں حسین وجمیل داسیاں دلفریب لباس میں ملبوس سونے اور جواہرات کے زیورات پہنے پری پیکر بنی کھڑی ہوئی ملیں۔

چونکہ وہ خوف زدہ تھیں۔ اس لیے ان کے پیارے چہروں اور حسین آنکھوں سے خوف وہراس ٹپک رہے تھے۔ سلطان نے حیرت سے انہیں دیکھ کر پوچھا یہ لڑکیاں کون ہیں۔ اور یہاں کیوں آئی ہیں۔

مہا پجاری نے آگے بڑھ کر کہا۔ جگ داتا! یہ لڑکیاں مندر کی داسیاں ہیں۔

سلطان سمجھے نہیں انہوں نے پوچھا۔ داسیاں کون ہوتی ہیں؟ مہا پجاری نے بتایا کہ یہ ناچنے گانے والی مقدس لڑکیاں ہیں۔ جو مہادیو کے غسل اور پوجا کے اوقات میں ناچتی اور گاتی ہیں۔

سلطان نے مسکرا کر کہا۔ "تم لوگوں نے حظِ نفس کے لیے ان کھلونوں کو رکھ چھوڑا ہے۔ مگر آج سے یہ سب لڑکیاں آزاد ہیں"۔

اب سلطان بڑھ کر اس کمرہ میں پہنچے۔ جس میں سونے کی وہ موٹی زنجیر لٹک رہی تھی۔ جس کا وزن دو سو من تھا۔ اور جس میں بے شمار گھنٹے اور گھڑیال نصب تھے۔ سلطان نے انہیں دیکھا۔ اور جب ان کی نظر چھت پر پڑی تو دیکھا۔ کہ تمام کمرہ میں باریک سونے کی زنجیروں کا جال بچھا ہوا ہے اور ان میں سونے کی چھوٹی چھوٹی گھنٹیاں لٹک رہی ہیں۔

سلطان نے دریافت کیا۔ یہ گھنٹیاں گھنٹے اور گھڑیال کس وقت بجائے جاتے ہیں۔؟

مہا پجاری نے کہا۔ "مہادیو سومنات جی کی پوجا اور غسل کے وقت"۔

سلطان ـــــ دوسرے اوقات میں تو نہیں بجائے جاتے۔

مہا پجاری ـــــ بالکل نہیں۔

سلطان ـــــ ان کی آواز تو بہت پرشور ہوتی ہوگی۔

مہا پجاری ـــــ جی ہاں۔

سلطان ـــــ اچھا انہیں بجاؤ۔ ہم بھی سنیں۔

مہا پجاری نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ اس نے پنڈتوں کو اشارہ کیا اور تقریباً دو سو پنڈتوں نے آکر زنجیر کو اپنی پوری طاقت سے کھینچنا شروع کیا۔

زنجیر کے کھنچتے ہی گھنٹیاں گھنٹے اور گھڑیال ایسی پرشور آواز سے بجے کہ سلطان اور دوسرے مسلمانوں نے فوراً اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیں اور اشارہ سے زنجیر کھینچنے کو منع کر دیا۔ پنڈت ہٹ گئے۔ سلطان نے کہا۔ کس قدر شور دار آواز گونجتی ہے۔ لیکن تم تو کہتے تھے کہ یہ گھنٹے اور گھڑیال سومنات کے غسل اور پوجا کے وقت ہی بجائے جاتے ہیں۔ اس وقت کیسے بجا دیئے تم نے۔

مہا پجاری ـــــ حضور کے حکم کی تعمیل میں اس وقت بجائے گئے۔

سلطان ـــــ مذہب کے سامنے کسی کے حکم کی تعمیل کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ اور یہ اگر سچ ہے تو سومنات سے زیادہ تم نے میرا احترام کیا ہے۔ اور اس سے تمہیں یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ سومنات ایک پتھر کا بت ہے جو کوئی اصل حقیقت نہیں رکھتا۔ اگر وہ پوجے جانے کے قابل ہوتا۔ اگر کوئی قوت و طاقت اس میں ہوتی۔ اگر وہ نفع نقصان پہنچا سکتا۔ تو ہم مسلمانوں کو فنا کر دیتا۔ تم نے جو خلاف وقت گھنٹے بجائے تم پر اپنے قہر نازل کرتا۔ لیکن وہ تو پتھر کی ایک تصویر ہے۔ جس جگہ اسے رکھ دیا ہے۔ رکھا رہے گا۔ جہاں ڈالو گے۔ پڑا رہے گا۔ اس کی پرستش سے کیا فائدہ ہے۔

مہا پجاری ـــــ ہم بھی جانتے ہیں ان داتا۔ کہ یہ بت ہے۔ لیکن اس کی صورت مہادیو جی کی صورت کے مشابہ ہے۔ ہم اسے مہادیو سمجھ کر اس کی پوجا کرتے ہیں۔

سلطان ـــــ یہ اور بھی غلطی ہے۔ ایک فرضی تصویر بنانا اور اسے پوجنا ذی فہم انسان کا کام نہیں ہے۔

مہا پجاری خاموش ہو گیا۔ سلطان نے کہا۔ مسلمان اپنی مسجدوں میں پانچ وقت اذان کہتے ہیں۔ اگر کوئی خلاف وقت اذان دینے کے لیے ان سے کہے یا انہیں مجبور کرے۔ تو وہ ہرگز اذان نہ دیں گے۔ خواہ مار ہی کیوں نہ ڈالے جائیں۔

مذہب وہ ہے جس کی بنیادیں مستحکم اور مستقل ہوں۔ تم نے اپنے مذہب کو خود مضحکہ خیز بنا رکھا ہے۔

یہ کہتے ہی سلطان آگے بڑھے۔ اور اب اس چبوترہ کے سامنے جا کھڑے ہوئے جس پر مہادیو جی کا بت تھا۔

سلطان نے اس بت کو دیکھا۔ داسیاں، پنڈت۔ اور مسلمان سب مؤدب کھڑے تھے سلطان نے کہا۔ یہی وہ بت ہے جس کی عزت و عظمت ہندوستان بھر کے ہندوؤں کے دلوں میں ہے۔ جسے بچانے کے لیے بڑے بڑے راجہ اور مہاراجہ بڑے بڑے لاؤ لشکر کے ساتھ آئے۔ اور جی توڑ کر خوب لڑے۔ لیکن نہ وہ اور نہ ان کا یہ خدا (سلطان نے سومنات کے بت کی طرف اشارہ کیا)۔ ان کی کچھ بھی مدد نہ کر سکا۔ آج اس باعظمت و جلال بت کا خاتمہ کئے ڈالتا ہوں۔ میرا گرز لاؤ۔

یہ سن کر مہا پجاری کانپ گیا۔ اور جب اس نے پنڈتوں اور داسیوں کو سلطان

گفتگو کا مطلب سمجھا یا تو سب لرز اٹھے۔ مہا پجاری نے آگے بڑھ کر سلطان کے پیر چھوئے اور ہاتھ جوڑ کر بولا۔ مہاراج اور مہیراج (شہنشاہ) ایسا نہ کیجئے۔ اس سے ہندوستان بھر کے ہندوؤں کے دل ٹوٹ جائیں گے۔ ہندو جاتی (قوم) کو بڑا صدمہ پہنچے گا۔

سلطان ـــــ نہیں مہا پجاری۔ اس سے انہیں معلوم ہو جائے گا۔ کہ وہ ایک پتھر کے اصل بت کی پرستش کرتے رہے تھے۔ اس کی جس میں عظمت و جلال کا نام بھی نہ تھا۔ وہ دھوکہ میں پڑے ہوئے تھے۔ ان کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ ان کے دلوں پر جو اس بت کا رعب چھا یا ہے۔ وہ دور ہو جائے گا اور پھر وہ کسی بت کی بھی پرستش نہ کیا کریں گے۔

مہا پجاری ـــــ لیکن ان داتا کو شاید یہ بات معلوم نہیں ہے۔ کہ ہندوستان کے ہندو ... دریاؤں۔ درختوں جانور رعل رینگنے والے کیڑوں سورج ستاروں۔ اور دوسری چیزوں کو پوجتے ہیں۔

سلطان ـــــ مجھے معلوم ہے۔ اور ان کی عقل و سمجھ پر سخت افسوس ہوتا ہے میرے خیال میں تو ہندو ڈرپوک اور اوہام پرست قوم ہے جس سے ڈرنے لگتی ہے۔ اسی کو معبود سمجھ کر اس کی پرستش شروع کر دیتی ہے اور تو اور چیچک ایک مرض ہے اور متعدی مرض ہے۔ ہندو اسے ماتا کہتے ہیں۔ اور ماتا کے نام بھی کئی بنا لئے ہیں۔ اور انہیں بھی پوجتے ہیں۔ در اصل بات تو یہ سمجھا ہوں کہ ہندو سچے مذہب اور حقیقی معبود کی تلاش میں ٹھکرا رہے ہیں۔ اسی لئے وہ ہر اس چیز کی پوجا شروع کر دیتے ہیں جو انہیں ضرر پہنچا سکتی ہے۔ . . . . ان سے کہہ دو ان کے دلوں کو تسکین اسلام کے دامن میں پناہ لینے سے مل سکتی ہے۔ مسلمانوں کا خدا ہر جگہ ہے اور ہر جگہ موجود رہتا ہے۔ واحد ہے زبردست قوت والا ہے۔ بڑا مہربان اور نہایت رحیم ہے۔ جو اس کی طرف جھکتا ہے۔ وہ اس پر مہربانی کرتا ہے۔ جو اس سے روگرداں ہوتا ہے۔ اس پر اپنا قہر نازل کرتا ہے۔ زندہ کو مردہ اور مردہ کو زندہ کر دیتا ہے۔ اس کا نور ایسا لطیف ہے کہ انسانی آنکھ دیکھنے کی تاب نہیں لا سکتی سب اسی کی پرستش کریں۔ اسی کے سامنے جھکیں۔ وہ انہیں نوازے گا۔ اور انہیں ایک زبردست قوم بنا دے گا۔

اسی وقت التونتاش نے گرز سلطان کے سامنے پیش کیا۔ سلطان گرز لے کر چبوترہ پر چڑھ گئے اور بلند آواز سے بولے۔ ہندوؤ! میں تمہارے اس معبود کے ٹکڑے کرتا ہوں تم اس سے کہو کہ اگر اس میں کوئی قوت ہے تو مجھے یہاں سے ہٹا دے یا میرا خاتمہ کر ڈالے۔

پنڈت انتہائی رنج و خوف بھری نگاہوں سے سلطان کو دیکھ رہے تھے۔ مہا پجاری نے پھر سلطان کے قدم چومے۔ اور دست بستہ ہو کر کہا۔ اے ان داتاؤں کے ان داتا! ہمارے معبود توڑ کر ہمارے دلوں کو صدمہ نہ پہنچایئے۔ ہم نے سنا ہے کہ آپ اس مندر کی دولت کا حال سن کر حملہ آور ہوئے ہیں۔ ہم ساری دولت آپ کے حوالہ کئے دیتے ہیں۔ اور اس مہادیو کی مورتی کا اندازہ کرائیے۔ یہ سینکڑوں من وزنی ہے۔ اتنا ہی سونا ہم دیں گے۔ لیکن اسے نہ توڑیئے۔

سلطان نے برہم ہو کر کہا۔ مہا پجاری! تم نے غلط سنا۔ میں دولت کے لالچ میں حملہ آور نہیں ہوا ہوں۔ میرے حملہ کرنے کی وجہ تمہارے مہاراجہ کو معلوم تھی۔ میں نے قاصد بھیج کر انہیں متنبہ کر دیا تھا۔ لیکن انہوں نے میری عرضداشت پر کچھ توجہ نہ کی میں دولت نہیں چاہتا۔ تم مجھے ایک کوڑی بھی نہ دو۔ لیکن بت پرستی سے توبہ کر لو۔ میں ابھی واپس چلا جاؤں گا۔

مہا پجاری ـــــ لیکن حضور! جس چیز کو ہمارے باپ دادا پوجتے چلے آئے ہیں ہم اسے کیسے چھوڑ دیں۔

سلطان ـــــ تب تم اپنے معبود کا حشر اپنی آنکھوں سے دیکھو اور عبرت حاصل کرو۔ یہ کہتے ہی سلطان نے گرز اٹھا یا تمام پنڈت اور ساری داسیاں سلطان کے قدموں میں آگرے۔ اور رو رو کر کہنے لگے۔ مہاراج!"

اومہیراج! ہم پر رحم کیجئے۔ ہمارے معبود کو نہ توڑیئے۔ ہم اس کے عوض جس قدر زر و جواہر ہم سے طلب کئے جائیں گے دیں گے۔

سلطان نے جوش میں آ کر کہا کیا تم مجھے بت فروش مشہور کرنا چاہتے ہو۔ ناشتا میں بت فروش نہیں ہوں کسی قیمت پر بھی اس بت کو نہ بیچوں گا۔ میں بت شکن ہوں۔ اور بت شکن ہی کے نام سے مشہور ہونا چاہتا ہوں۔

مہا پجاری نے پھر کہا۔ ذرہ نواز! میں اس بت کو جواہرات سے تول دوں گا۔ آخر کہئے تو آپ اس کے عوض کتنی دولت لینا چاہتے ہیں۔

سلطان ـــــ اگر تم اس مندر کی تمام عمارتوں کو بھی سونے چاندی سے بھر دو۔ یا اتنا سونا اور جواہرات مجھے دے دو کہ میں انہیں اٹھا کر غزنی نہ لے جا سکوں۔ میں تب بھی اسے تمہارے ہاتھوں میں فروخت نہ کروں گا۔ ضرور اس بت کو توڑ ڈالوں گا۔ تم نے اسے خدا کا مظہر بنا رکھا ہے

سلمان اس کفر و ضلالت کو برداشت نہیں کر سکتا میں مسلمان ہوں سچا اور پکا مسلمان۔ دولت
کا لالچ میرے اعتقاد اور میرے قدموں کو نہیں ڈگمگا سکتا۔

یہ کہتے ہی سلطان نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ اور گرز اٹھا کر پوری طاقت سے سومنات
کے سر پر حملہ کیا۔

سلطانی ضرب سے پتھر کا مضبوط بت کھل گیا۔ چونکہ وہ اندر سے کھوکھلا تھا۔ اس لیے اس
کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ جوں ہی اس کا پیٹ پھٹا اس میں سے بیش بہا ہیرے، موتی، پکھراج
زمرد، لعل اور شب یمانی کے اتنے بڑے بڑے ٹکڑے نکلے جنہیں دیکھ کر سلطان اور تمام مسلمان
حیران رہ گئے۔ کروڑوں روپے کی مالیت کے جواہرات برآمد ہوئے۔ ان کی چمک دمک سے
تمام کمروں میں ایسی تیز روشنی پھیل گئی جیسے اچانک آفتاب چھتوں کو پھاڑ کر اندر گھس آیا ہو۔

یہ منظر دیکھ کر مسلمانوں نے خوش ہو کر پھر اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا سلطان نے مسرور ہو کر مہاپجاری
سے کہا۔ دیکھیں میرے خدا کی عظمت و برکت۔ جتنی دولت تم دیتے ہو اس سے سو حصے زیادہ اس
بت میں سے نکل آئی۔

اب سلطان نے تمام زر و جواہر ایک جگہ جمع کرنے کا حکم دیا اور سونے کی موٹی اور پتلی زنجیریں
کھولیں اور توڑی جانے لگیں، قندیلیں اتاری جانے لگیں۔ در و دیوار میں سے جواہرات کھرچے
جانے لگے، اور تہ خانوں میں سے دولت سمیٹی اور اکٹھی کی جانے لگی۔

جب یہ تمام چیزیں ایک جگہ ڈھیر کی گئیں تو اس قدر تھیں کہ چشم فلک نے بھی شاید کبھی
ایک جگہ اس قدر جمع نہ دیکھی ہوں گی۔ ان کی قیمت کا اندازہ ہی نہ ہو سکا۔ خود سلطان اس قدر
دولت دیکھ کر حیران رہ گئے۔

عبرتناک تاریخی داستان

سلطان نے سیم و زر اور جواہرات قلعہ میں لے چلنے
کا حکم دیا۔ مسلمانوں نے اس بے شمار دولت
کو مندر سے قلعہ میں منتقل کرنا شروع کر دیا۔ پنڈے حسرت و رنج بھری نگاہوں سے دیکھتے رہ گئے۔

سلطان التونتاش کو مندر میں چھوڑ کر امیر علی خویشاوند۔ ہارون، برہان اور جنید اور افسران
کو لے کر قلعہ میں آ گئے۔

جن کمروں میں سلطان ٹھہرے ہوئے تھے۔ ان میں ہی سے ایک کمرہ میں دولت کے انبار

لگائے جانے لگے۔ ذات ہمایونی نے امیر علی کو اس جگہ متعین کر کے ہدایت کر دی کہ جب تمام خزانہ
آ جائے۔ تب اسے مقفل کر کے پہرہ لگا دیں اور خود آرام گاہ کی طرف لوٹے۔ ہارون اور برہان
نے رخصت ہونے کی اجازت چاہی۔ تو سلطان نے کہا۔ چلو ہمارے ساتھ ہی خاصہ کھانا تناول کرنا۔

یہ زبردست عزت افزائی تھی۔ دونوں نے سلطان کا شکریہ ادا کیا۔ اور ان کے ساتھ چلے
جوں ہی وہ کمروں میں داخل ہوئے۔ سلطان نے دھرم پال کو بیٹھے دیکھا۔ چندر موہنی، شوبھا دیوی
اور کامنی بھی بیٹھی تھیں۔ سلطان کو دیکھتے ہی سب اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ دھرمپال نے اسلامی طریقہ
پر "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" یعنی تم پر سلامتی ہو۔ اللہ کی رحمت ہو اور اس کی برکتیں نازل
ہوں" کہا۔

سلطان سلام کا جواب دیتے ہوئے آغوش کشادہ ہو کر ان کی طرف بڑھے۔ دھرم پال
بھی بڑھے۔ اور دونوں بغل گیر ہو کر ملے

کمرہ کے اندر اس وقت جس قدر افراد بھی موجود تھے۔ سب ہی یہ نظارہ دیکھ کر متحیر ہوئے۔
سلطان مسند زرنگار پر بیٹھ گئے۔ دھرمپال، ہارون اور برہان ان کے سامنے بیٹھے۔ اور
چندر موہنی، کامنی۔ اور شوبھا دیوی داہنی طرف بیٹھ گئیں۔

چندر موہنی اور کامنی کبھی کبھی دزدیدہ نگاہوں سے ہارون کو دیکھ لیتی تھیں۔ اگرچہ ہارون
کا دل بھی چاہتا تھا کہ چندر موہنی کو دیکھے لیکن رعب شاہی کی وجہ سے سر جھکائے نظر نیچی کیے
بیٹھے تھے ادھر ادھر دیکھنے کی جرأت بھی نہ ہوتی تھی۔

سلطان نے دھرمپال سے کہا۔ آپ کیسے رہا ہو گئے۔

دھرمپال نے شوبھا دیوی کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا ان دیوی جی کی بدولت۔

سلطان بھی معنی خیز نگاہوں سے شوبھا دیوی کو دیکھ کر مسکرائے شوبھا دیوی نے مسکرا
کر سر جھکا لیا۔ یہ نظارہ بھی سب نے دیکھا اور سب ہی کو تعجب ہوا۔

اسی عرصہ میں خاصہ آ گیا۔ خادموں نے کھانا چنا۔ سلطان نے کہا۔ بیٹی چندر موہنی! کیا
تم ہمارے ساتھ کھانے میں شرکت کرو گی۔

دھرمپال نے جلدی سے کہا۔ جہاں پناہ! ابھی اسے شریک نہ کریں تو اچھا ہے۔

سلطان ——— اچھا۔ لیکن تم اور شوبھا دیوی۔

دھرمپال ——— ہم ضرور شریک ہوں گے۔

چندر موہنی اور کامنی دونوں دھرمپال کے اس جواب پر چونک پڑیں دونوں نے حیرت بھری نگاہوں سے دھرمپال اور شوبھا دیوی کو دیکھا۔ دھرمپال نے ان کی تحیر آمیز نظروں سے جان لیا کہ وہ ملامت کر رہی ہیں۔ انہوں نے تمسخرانہ لہجہ میں کہا تم دونوں حیران ہو رہی ہو۔ تم نہیں جانتیں۔ کہ سادھو اور جوگن کا مذہب کیا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

سلطان ـــــ کھانا کھانے کے بعد یہ گفتگو ہوگی۔ (خادماؤں سے) کیا ان دونوں لڑکیوں کے لیے کھانا تیار کر دیا گیا ہے۔

خادم ـــــ جی ہاں۔

سلطان ـــــ فوراً لے آؤ۔

خادم گئے اور سب لوگوں کے سروں پر تھال لا لائے۔ کامنی اور چندر موہنی کے سامنے بھی کھانا لگا دیا گیا۔ ان دونوں نے کبھی غیر مردوں کے سامنے کھانا کہاں کھایا تھا۔ لیکن رعب شاہی کی وجہ سے انکار بھی نہ کر سکیں۔

سب نے کھانا شروع کیا۔ دھرمپال اور شوبھا دیوی سلطانی خاصہ میں شریک ہو گئے۔ کامنی اور چندر موہنی شرما شرما کر کھانا کھانے لگیں۔

تھوڑی دیر میں کھانا اٹھوا دیا۔ سلطان نے دھرمپال سے کہا۔ آج مبارک دن ہے سومنات فتح ہو گیا ہے بے شمار دولت ہاتھ آئی ہے۔ چندر موہنی تم اور شوبھا دیوی مل گئے ہو۔ اب ضرورت ہے کہ اس راز کا انکشاف کرایا جائے۔

دھرمپال ـــــ بہت اچھا ہے تو کیا اس راز کا مجھے حال بیان کرنا ہوگا۔

سلطان ـــــ تم سے زیادہ کوئی شخص موزوں نہیں معلوم ہوتا۔

اب دھرمپال سب کی طرف مخاطب ہو کر بولے۔ میرے بچو! آج میں ایک تاریخی داستان بیان کرتا ہوں۔ یہ افسانہ نہیں ہے بلکہ سچی اور پُر درد کہانی ہے۔ اس کا لفظ لفظ غور سے سننا۔

انہوں نے سلطان سے کہا۔ کیا اجازت ہے کہ میں ایک تاریخی داستان بیان کروں۔

سلطان ـــــ بیان کرو۔ لیکن مختصر طور پر تفصیلات میں نہ پڑ جانا۔

دھرمپال ـــــ نہیں میں خود اختصار سے عرض کروں گا۔

"میرے بچو! ۳۹۵ھ کا ذکر ہے کہ ملتان کا قرمطی فرمانروا ابوالفتح داؤد تھا۔ اس نے اپنے بدعتی مذہب کی تبلیغ شروع کی۔ اس وقت ملتان میں جو مسلمان آباد تھے۔ ان پر زور ڈالا

کہ وہ آئین قرمطی قبول کر لیں۔ بعض اس کے کہنے میں آ گئے۔ بعض نے انکار کیا۔ جن لوگوں نے انکار کیا۔ ابوالفتح داؤد ان کا دشمن ہو گیا۔ اور ان پر طرح طرح کی سختیاں شروع کیں۔ اس کے ان مظالم کی اطلاع جب غازی سلطان محمود کو ہوئی۔ تو وہ لشکر لے کر اس کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے لیکن موسم برسات آ گیا بارشیں اس کثرت سے ہوئیں کہ ندی نالے اور دریا چڑھ گئے اور شاہی لشکر کا ان دریاؤں کو عبور کر کے ملتان پر حملہ آور ہونا ناممکن ہو گیا۔

اس زمانہ میں پشاور سے لاہور تک راجہ انند پال کی حکومت تھی۔ سلطان نے راجہ سے درخواست کی کہ وہ شاہی لشکر کو اپنی قلمرو میں سے گذرنے کی اجازت دے دے۔ لیکن انند پال نے نہ صرف سلطان کی اس درخواست کو ٹھکرا دیا۔ بلکہ اس طمع میں کہ سلطان اس وقت پریشان ہیں۔ انہیں شکست دے کر غزنی پر قبضہ کر کے اپنی فوجوں کو فراہم کرنا شروع کر دیا۔

یہ خبر بیدار مغز سلطان کو بھی ہو گئی۔ سلطان نے ہمت نہیں ہاری۔ بلکہ ملتان کی مہم سے پہلے انند پال سے جنگ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

چنانچہ پر جوش سلطان نے انند پال پر حملہ کر دیا۔ ہندو مسلمانوں کا مقابلہ نہ کر سکے۔ بھاگ گئے اور بری طرح بھاگے۔ سلطان نے ان کا تعاقب کیا۔ راجہ جنگلوں میں گھس گیا۔ سلطان نے درختوں کو کٹوا یا اور جنگلوں میں آگ لگانا شروع کیا۔ انند پال گھبرا گیا۔ اور سلطان سے رحم و کرم کی درخواست کی۔ ابھی سلطان اس کی درخواست کا کوئی فیصلہ نہ کرنے پائے تھے کہ انہیں معلوم ہوا کہ ابوالفتح داؤد سرا ندیپ کی طرف بھاگ جانا چاہتا ہے چونکہ اس نے مسلمانوں پر مظالم کیے تھے۔ اس لیے سلطان نے انند پال کا تعاقب چھوڑ کر ملتان کا رخ کیا۔ اور دو منزلہ سہ منزلہ کر کے ملتان کا محاصرہ جا کیا۔ سات ہی روز کے محاصرہ میں ابوالفتح داؤد کو معلوم ہو گیا کہ قلعہ عنقریب فتح ہو ہی جائے گا۔ اس لیے اس نے سلطان کی بے حد منت سماجت کی اپنے گناہوں کا اقرار کر کے توبہ کی۔ سلطان نے اسے معاف کر دیا۔ اور غزنی لوٹ گئے۔ اعلیٰ حضرت کا ہندوستان پر یہ چوتھا حملہ تھا۔

۳۹۹ھ میں سلطان نے ایک عظیم الشان لشکر تیار کیا۔ اور انند پال کی سزا دہی کیلئے چل پڑے۔ جوں ہی انند پال نے اس خبر کو سنا۔ اس نے ہندوستان بھر کے راجاؤں اور مہاراجاؤں کو لکھا کہ "سلطان محمود ہندوستان سے ہندوؤں کو بے دخل کرنا اور ہندو مذہب کو مٹانا چاہتا ہے اگر ہندو جاتی کو قائم رکھنا ہے۔ تو میری مدد کرو۔ اگر میری مدد نہ کی اور مجھے شکست ہو گئی۔ تو سلطان کے ہاتھوں میں ہندوستان کی کنجی آ جائے گی۔ اور پھر کوئی راجہ بھی محفوظ نہ رہ سکے گا۔"

راجاؤں کے دلوں پر یہ تحریر اثر کر گئی۔ اور اجین، کالنجر، قنوج، دلی، اجمیر اور گوالیار کے راجاؤں نے اپنے منتخب لشکر انند پال کی مدد کے لیے بھیج دیئے۔

اس جنگ کی تیاری میں ہندو امیر عورتوں نے اپنے سونے چاندی گلا کر اور جواہرات بیچ کر اور مفلس عورتوں نے چرخہ پونی کات کات کر جنگی سامان تیار کرنے میں مدد دی تھی۔

انند پال کے پاس اتنا کثیر لشکر جمع ہو گیا، کہ ایک اسلامی فرمانروا کیا، کئی حکمرانوں کے مقابلہ کے لیے کافی ہوتا۔ پشاور کے ریگ زار میں سلطانی لشکر فروکش تھا۔

انند پال بھی وہیں پہنچ گیا۔ دونوں لشکر چالیس روز تک آمنے سامنے پڑے رہے۔ اس عرصہ میں کسی نے بھی پیش قدمی نہیں کی۔

دراصل انند پال کو مزید فوجوں کے آنے کی امید تھی۔ اور قریب قریب روزانہ دستوں پر دستے چلے آ رہے تھے۔

اس عرصہ میں انند پال نے گکھڑوں کو فوج میں بھرتی کرا لیا۔[1] یہ قوم نہایت جفاکش اور جنگجو تھی۔ بیس ہزار گکھڑ بھرتی ہو گئے۔

آخر ایک دن انند پال نے ان بیس ہزار گکھڑوں کو اسلامی لشکر کی طرف بڑھا دیا۔ اور خود بھی ان کے پیچھے اپنے بے شمار لشکر سے حملہ آور ہوا۔

اگرچہ سلطان نے ہر قسم کی پیش بندی کر لی تھی۔ لیکن گکھڑ مسلمانوں میں گھس ہی گئے۔ اور انہوں نے بیدریغ اسلامی مجاہدوں کو شہید کرنا شروع کر دیا۔

مسلمان بھی ان کے مقابلہ میں آ گئے۔ لیکن مشکل یہ ہوئی کہ ایک طرف سے گکھڑوں نے حملہ کیا تھا۔ اور دوسری طرف سے انند پال نے۔ اسلامی لشکر دونوں کے مقابلہ میں آ گیا لیکن دشمنوں نے مسلمانوں کو تلواروں کی باڑھ پر رکھ لیا۔ اور چونکہ یہ حملہ غیر متوقع طور پر اچانک ہوا۔ پھر ہندوؤں کا تمام لشکر ایک دم مسلمانوں پر آ ٹوٹا اس لیے مسلمانوں کا کافی نقصان ہوا۔ تین ساڑھے تین ہزار آدمی چشم زدن میں شہید ہو گئے۔ اگرچہ مسلمانوں نے بھی پانچ چھ ہزار راجپوتوں کو مار ڈالا لیکن ہندوؤں ہی کا بھاری رہا۔ اور غضب پر غضب یہ ہوا کہ وحشی گکھڑوں نے سراپردہ پر حملہ کر دیا۔ شکیب ارسلان سراپردہ کا محافظ اپنی پوری قوت سے گکھڑوں پر حملہ آور ہوا۔ اور اس

[1] از تاریخ ہندوستان جلد اول صفحہ ۲۷۷۔

زور شور سے لڑا کہ ان کے قدم اکھڑ گئے۔ مگر وہ بھاگتے ہوئے شکیب ارسلان کی بیٹی نوشابہ کو اٹھا کر لے گئے۔

نوشابہ کی عمر اس وقت صرف ایک سال تھی۔ نہایت خوبصورت بچی تھی۔ بالکل گل گوتھنا سی۔ جو اسے دیکھتا وہی اسے پیار کرنے پر مجبور ہو جاتا۔ شاید گکھڑوں کو بھی وہ پسند آئی۔ اس کی والدہ ستارہ کو اس قدر رنج و قلق ہوا کہ وہ بے ہوش ہو گئی۔

جب شکیب ارسلان نے گکھڑوں کو شکست دی۔ اس وقت انند پال کے بیشمار لشکر سے غازی محمود جنگ کر رہے تھے۔ نہایت گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی۔ اگرچہ مسلمان جی توڑ کر بڑی بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ لیکن نظر یہ آ رہا تھا کہ ہندوؤں کا لشکر مسلمانوں کو کچل کر رکھ دے گا۔

مگر خدا کی اعانت مسلمانوں کے شامل حال تھی۔ اتفاق سے وہ ہاتھی جس پر انند پال سوار تھا۔ بگڑ کر بھاگا۔ ہاتھی کو بھاگتے ہوئے دیکھ کر ہندوؤں نے سمجھا کہ انند پال کو شکست ہو گئی۔ وہ بھی بھاگ کھڑے ہوئے۔

مسلمانوں نے ان کا تعاقب کر کے انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ عبدالطائی اور شکیب ارسلان دس ہزار سواروں سے ان کے تعاقب میں دوڑے اور آٹھ ہزار راجپوتوں کو قتل کر کے واپس لوٹے۔ اور سرداروں نے بھی بہت سے راجپوتوں کو مرگ جام پلایا۔ اس طرح مسلمانوں کو فتح عظیم حاصل ہوئی۔ یہ غازی سلطان محمود کا ہندوستان پر چھٹا حملہ تھا۔

اس جنگ میں ہندوستان کے بڑے بڑے راجہ مہاراجہ شریک ہوئے تھے۔ لاتعداد لشکر لائے تھے۔ لیکن خدا نے انہیں ہزیمت دی۔ یوں تو مسلمانوں کو شاندار اور نمایاں فتح حاصل ہوئی۔ لیکن یہ زبردست نقصان پہنچا کہ نوشابہ کافروں کے پنجہ میں چلی گئی۔ جس سے شکیب ارسلان کا دل ٹوٹ گیا۔ اور وہ فوجی خدمات سے سبکدوش ہو گیا۔

ہر چند غازی سلطان محمود نے نوشابہ کی واپسی کے لیے کوشش کی۔ لیکن مطلب برآری نہ ہوئی۔ یہ معلوم ہی نہ ہو سکا کہ وحشی گکھڑ اس معصوم بچی کو کہاں لے گئے۔ اور اسے کس کے حوالہ کر دیا۔

اس قدر کہہ کر وہ پیر سپاہی رک گئے۔ ان کے چہرہ سے کچھ افسردگی اور اضمحلال کے آثار ظاہر ہونے لگے۔

پینتیسواں باب

انکشاف راز

دھرمپال کی تاریخی داستان سب نہایت غور اور توجہ سے سن رہے تھے۔ اب تک انھوں نے غازی سلطان محمود کے دو حملوں کا ذکر کیا تھا۔

دھرمپال نے پھر سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"میں ایک بات بیان کرتا بھول گیا شکیب ارسلان اور الپ ارسلان دو بھائی تھے۔ دونوں غازی سلطان محمود کے لشکر میں سردار تھے۔ اور دونوں بھائیوں پہ سلطان حد سے زیادہ مہربان تھے۔

جس جنگ کا میں نے ذکر کیا۔ یعنی وہی یادگار زمانہ چھٹا حملہ جس میں نوشابہ گم ہوگئی شکیب ارسلان کو اس لڑائی میں ایک اور ناقابل برداشت صدمہ بھی پہنچا۔ وہ یہ کہ اس کا بھائی الپ ارسلان شہید ہوگیا۔ اور اس نے اپنی یادگار ایک تین سالہ فرزند چھوڑا۔ اس کی بیوی کا انتقال پہلے ہی ہو چکا تھا۔

چونکہ دونوں بھائیوں شکیب ارسلان میں بہت زیادہ محبت تھی۔ اور اس وقت تک دونوں کے ایک کے لڑکا اور دوسرے کے لڑکی ہوتے تھے۔ اس لیے عہد طفلی ہی میں ان دونوں کی منگنی کر دی گئی تھی۔

سوچا یہ تھا۔ کہ جب خیر سے دونوں جوان ہو جائیں گے۔ تب ان کی شادی کر دیں گے۔ دونوں بچے بڑے خوبرو تھے۔ جو انہیں دیکھتا۔ پھر دیکھنے کے لیے آتا۔

دونوں بھائی خوش تھے۔ ان کے بڑے ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ انہیں جانتے تھے کہ ان کی قسمتوں میں کیا لکھا ہے۔ شکیب ارسلان نے سلطان کو جو لاہور رضامند کر کے اپنی بچی کو تلاش کرنے کی اجازت لی۔ اور معہ اپنی بیوی کے پشاور ہی میں رہ گیا۔ اور مسلمان

بھی پشاور میں رہتے تھے۔ جو ہندوؤں کی زبان سمجھ لیتے اور ان سے خاصی گفتگو کر لیتے تھے۔

شکیب ارسلان نے اول ان مسلمانوں سے ہندوؤں کی زبان سیکھی اور جب قدرے مہارت ہوگئی تو پھر سنسکرت شروع کی۔ لیکن ہندو بڑی مشکل سے سنسکرت پڑھانے پر تیار ہوئے وہ بھی بہت کچھ لالچ دینے اور یہ اقرار لینے پر کہ کسی سے یہ ذکر نہ کیا جائے گا۔ کہ انہیں فلاں آدمی سنسکرت پڑھا رہے ہیں۔

شکیب ارسلان خود ہی اس کی شہرت نہیں چاہتا تھا غرض نہایت رازداری کے ساتھ تعلیم جاری رہی۔ اور چار پانچ برسوں میں سنسکرت پر عبور حاصل کر لیا۔

شکیب ارسلان خود بھی سنسکرت پڑھتا تھا اور اپنی بیوی کو بھی پڑھاتا تھا۔

سنسکرت سے زیادہ ادق اور سخت زبان شاید ہی دنیا میں کوئی ہو۔ اس کا حاصل کرنا لوہے کے چنے چابنے سے کچھ کم نہ تھا۔ لیکن یہ لوہے کے چنے نوشابہ کی وجہ سے چابنے پڑے

اس عرصہ میں شکیب ارسلان صرف سنسکرت ہی کی تعلیم نہ حاصل کرتا رہا۔ بلکہ نوشابہ کا سراغ لگانے میں بھی مصروف رہا۔ اس نے ان گکھڑوں سے راہ و رسم پیدا کی جو پشاور اور اس کے گرد و نواح میں آباد تھے۔ اور انہیں کچھ ایسا اپنا بنایا کہ وہ خود بھی نوشابہ کی تلاش و تجسس میں لگ گئے۔

یہ عجیب بات ہے کہ شکیب ارسلان اور اس کی بیوی جس قدر نوشابہ کو بھولنے کی کوشش کرتے رہے۔ اسی قدر اس کی یاد دل میں چٹکیاں لیتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ پانچ سال کی مدت گذر جانے پر بھی وہ اسے نہ بھول سکے تھے۔ اور انہیں ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے کل ہی ان سے ان کی قرۃ العین چھینی گئی ہو۔

ایک روز اتفاق سے ایک گکھڑ شکیب ارسلان کے پاس آیا اور اس نے کہا۔ ان گکھڑوں میں سے ایک جو نوشابہ کو اٹھا کر لے گئے تھے آیا ہے۔ وہ اس لڑکی کا پتہ بتاتا ہے۔

شکیب ارسلان فوراً اس کے ساتھ ہو لیا۔ پشاور سے باہر ایک جوگی ایک کٹی میں رہا کرتا تھا۔ ایک بڈھا گکھڑ اس کے پاس مہمان ہوا تھا اس مہمان کے پاس دونوں پہنچے۔ ان سے دوران گفتگو میں معلوم ہوا کہ لڑکی کو وہی اٹھا کر لے گیا تھا۔ اسے اس معصوم بچی سے ایسی محبت ہوگئی کہ وہ اس خوف سے کہ کہیں مسلمان اسے اس سے چھین نہ لیں۔ اجمیر چلا گیا۔ اتفاق سے مہاراجہ اجمیر نے اس لڑکی کو دیکھ لیا۔ اور انہوں نے اسے لینے کی خواہش ظاہر کی۔ گکھڑ اسے

دینا نہ چاہتے تھے۔ لیکن وہ مہاراجہ کو کچھ ایسی پسند آ گئی تھی۔ کہ وہ اسے بہ جبر لینے پر آمادہ ہو گیا۔ آخر مجبور ہو کر لڑکی مہاراجہ کے حوالہ کر دی گئی اور مہاراجہ نے اس کے عوض لڑکی کے ہم وزن چاندی اسے دی۔

مہارانی کو وہ لڑکی بہت زیادہ پسند آئی۔ اور انہوں نے اسے پرورش کرنا شروع کیا۔ بس اتفاق سے اجمیر میں مہاراجہ سومنات آ گئے۔ انہوں نے جب اس لڑکی کو دیکھا تو اس قدر اس کے گرویدہ ہوئے کہ مہاراجہ اجمیر سے اسے مانگ لیا۔

اس لڑکی کی تمام داستان انہیں معلوم ہو گئی تھی۔ مہاراجہ سومنات کے کوئی اولاد نہ تھی۔ وہ اسے لے کر چلے گئے۔ گکھڑ واپس پشاور میں لوٹ آیا۔

یہ واقعات معلوم کر کے تشکیب ارسلان کو بڑی خوشی ہوئی۔ انہوں نے وہاں سے آ کر اپنی بیوی کو تمام حال سنایا۔ وہ بھی بکمال مسرور ہوئی لیکن سومنات بہت دور سمندر کے کنارہ پر واقع تھا۔ یہ مشکل امر تھا کہ غازی سلطان محمود کو اس کی اطلاع کی جاتی۔ اور وہ سومنات پر حملہ آور ہونے کے لیے تیار ہو جاتے۔

چنانچہ تشکیب ارسلان اور اس کی بیوی دونوں ہی سومنات جانے کو تیار ہوئے۔ اور خفیہ خفیہ تیاریاں کرنے لگے۔ انہوں نے طے کر لیا کہ وہ اسلامی لباس میں نہ جائیں گے۔ کیونکہ جنوب کے ہندو مسلمانوں کی تاک میں رہتے تھے۔

انہوں نے فقیری لباس بدلا۔ ہندو سادھوؤں کا سا اور وہاں سے اجمیر کی طرف چل پڑے۔ چونکہ وہ ہندوؤں ہی کی زبان سے نہیں بلکہ سنسکرت سے بھی خوب ماہر ہو گئے تھے اس لیے کسی نے بھی نہ پہچانا کہ وہ کون ہیں۔ بلکہ انہیں تارک الدنیا سادھو سمجھ کر ان کی بڑی آؤ بھگت ہوتی رہی۔ جس جگہ وہ گئے وہاں کے ہندوؤں نے ان کی تعظیم و تکریم اور خدمت کی۔

انہوں نے مشہور کر دیا۔ کہ وہ سومنات کی زیارت کے لیے جا رہے ہیں۔ اور چونکہ وہ سنسکرت میں گفتگو کرتے تھے۔ اس لیے مہا وروان (زبردست عالم) سمجھے گئے۔ اور ان سے پہلے ان کی شہرت سومنات میں پہنچ گئی۔

آخر وہ سومنات میں داخل ہو گئے۔ اور جنگل کے کنارہ پر ایک کٹی بنا کر رہنے لگے اور اس فکر میں رہے کہ کسی طرح مہاراجہ تک رسائی ہو جائے۔ تاکہ نوشابہ سے مل سکیں۔

آخر ان کی شہرت مہاراجہ کے کانوں تک بھی پہنچی اور وہ ان سے ملنے کے لیے ان کی کٹی پر آئے۔ پہلی ہی ملاقات میں مہاراجہ ان کے معتقد ہو گئے اور انہوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ ان کی بیٹی راجکماری چندر موہنی کو تعلیم دیا کریں۔

تشکیب ارسلان نے اس بات کو منظور کر لیا۔ اگلے ہی روز چندر موہنی مع بہت سی کنیزوں کے آئی۔ اس کی عمر سات آٹھ برس کی تھی تشکیب ارسلان اور اس کی بیوی نے پہلی ہی نظروں میں اسے پہچان لیا۔ وہ نوشابہ تھی ان کی لخت جگر۔

دونوں کے دل تڑپ اٹھے۔ چاہا کہ دل کھول کر اسے پیار کریں۔ اور اسے بتا دیں کہ وہ اس کے والدین ہیں۔ لیکن افشائے راز سے جان جانے کا ڈر تھا۔ اس لیے ضبط و صبر کیا۔ اور تعلیم کا سلسلہ شروع کر دیا۔ . . . . . "

چندر موہنی حیرت بھری نظروں سے دھرمپال کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے کہا۔ تو میرا نام نوشابہ ہے

دھرمپال ۔۔۔ ہاں تیرا نام نوشابہ ہے۔ تو ایک ترک دوشیزہ ہے۔ ترکی امیر اور سلطانی افسر تشکیب ارسلان کی بیٹی۔

چندر موہنی ۔۔۔ اور میرے ماں باپ کہاں ہیں۔

دھرمپال ۔۔۔ صبر کر۔ ابھی سب حال معلوم ہو جاتا ہے۔

انہوں نے پھر سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ جب تشکیب ارسلان نے چندر موہنی سے گفتگو کی تو اسے معلوم ہو گیا کہ یہ بچی اپنے آپ کو راجکماری سمجھتی ہے۔ اسے اس کے بچپن کے واقعات کچھ بھی یاد نہیں ہیں۔ وہ اپنے والدین اور اپنی قوم کو بھول چکی ہے۔ اس کی تربیت راجکماریوں کی طرح ہوئی ہے۔

تشکیب ارسلان نے اسے پڑھانا شروع کیا اور مدت تک پڑھاتے رہے۔ چونکہ اکثر مہاراجہ بھی سادھو کی کٹی میں آ کر اس سے باتیں کیا کرتے تھے اس لیے وہ سادھو کی صرف جید عالم ہی سمجھ کر عزت نہ کرتے تھے۔ بلکہ اسے بڑا گیانی (عقلمند) دور اندیش، معاملہ فہم اور سیاسیات سے واقف بھی جانتے تھے۔ چنانچہ مشکل اور اہم معاملات میں اس سے مشورہ لینے لگے۔

چندر موہنی یا نوشابہ نے منزل شباب میں قدم رکھا اور اس کے حسن و جمال کی شہرت سومنات سے نکل کر ہندوستان بھر میں ہو گئی۔

شکیب ارسلان نے اسے وہاں سے نکال لے جانے کی بڑی کوشش کی، لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ سب سے بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ چندر موہنی کو معلوم نہ تھا کہ وہ کون ہے۔ اور اگر اسے بتایا جاتا تو اسے شاید یقین نہ آتا۔

آخر شکیب ارسلان نے ایک خط کے ذریعہ سے ان تمام واقعات کی اطلاع سلطان کو دی اور سلطان نے فوراً حملہ کی تیاری کر دی۔

اس حملہ کا جو کچھ نتیجہ ہوا اسے ہی اور آپ سب جانتے ہیں۔ چندر موہنی نو نے سمجھ لیا کہ تو نوشابہ ہے۔ شکیب ارسلان کی بیٹی اور شکیب ارسلان ہی دھرم پال ہیں۔ گرد ہے چندر موہنی کی آنکھوں سے دفعتہً پردہ سا اٹھ گیا۔ وہ اٹھی اور دھرم پال یا شکیب ارسلان کی آغوش میں جا گری۔ اور بولی آہ آپ میرے باپ ہیں۔ میں ترکی دوشیزہ ہوں۔ ایک مسلمان لڑکی۔ جب آپ مجھے درس دیا کرتے تھے۔ اس وقت میرا دل آپ کی طرف کھنچا تھا جی چاہتا تھا کہ آپ میرے گرو ہیں۔ میرے دل میں آپ کی عزت و تکریم ہے اس لیے یہ کیفیت ہو جاتی ہے۔ کیا جانتی تھی کہ یہ خون کی کشش ہے۔ اور میری والدہ کہاں ہیں۔

شکیب ارسلان ——— شوبھا دیوی تیری والدہ ہیں۔

چندر موہنی کو بڑی حیرت ہوئی۔ وہ باپ کی آغوش سے نکل کر ماں کی گود میں گھس گئی شوبھا دیوی نے اسے سینے سے لگا کر بھینچا، پیار کیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے ماں کی آغوش اور اس کا کیف اور ہی چیز یں ہیں۔ کوئی کیسے ہی ناز و نعم میں پرورش پائے، لیکن ماں کی گود کی سی حالت اسے کسی کی آغوش میں حاصل نہیں ہو سکتی۔

آج پہلی مرتبہ نوشابہ نے ماں کی آغوش کا لطف اٹھایا۔ اس کی آنکھیں بھی مسرت کے آنسو بہانے لگیں۔ کچھ وقفہ کے بعد وہ اٹھ کر بیٹھی۔ شکیب ارسلان نے کہا۔ اب مجھے صرف ایک ہی بات اور بتانی ہے۔ اور وہ یہ کہ ہارون میرا بھتیجہ ہے۔ وہی بچہ جو میرے بھائی کی یادگار ہے اور جسے میں عہد طفلی میں سلطان کے سپرد کر آیا تھا۔"

اب ہارون کے حیران اور مسرور ہونے کی باری تھی۔ وہ خوش ہو گئے۔ اور انہوں نے کہا۔ یا عم! خدا کا ہزار ہزار شکر و احسان ہے کہ اس نے ہمیں سب کو پھر ملا دیا!"

شکیب ارسلان ——— ہاں خدا کا احسان ہے ایک مدت کے بعد یہ مسرت و انبساط کے لمحات رنگین میسر آئے ہیں۔ اگر سلطان میری تحریر پا کر یہاں تشریف نہ لاتے تو......

سلطان ——— میں کیسے نہ آتا۔ کیسے یہ گوارا کر لیتا کہ ایک مسلم دوشیزہ کافروں کے پنجہ میں گرفتار رہے۔ میں مسلمان ہوں اور مسلمان کبھی ایسا نہیں کر سکتا۔ ہارون.......

ہارون نے سلطان کی طرف دیکھا۔ سلطان نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا تم نے کئی مرتبہ ایک تحریر لیے پڑھتے دیکھا تھا۔ میں نے تمہارے بشرہ سے یہ اندازہ کر لیا تھا کہ تم اس بوسیدہ تحریر کو دیکھ کر حیران ہوئے ہو۔ کئی بار میرے دل میں آئی کہ میں تمہیں اس تحریر کے راز سے آگاہ کر دوں لیکن یہ سوچ کر خاموش رہا۔ کہ شاید ایک دن خود ہی تم پر اس کا انکشاف ہو جائے آج تم سمجھ گئے کہ وہ تمہارے چچا شکیب ارسلان کی تھی۔

ہارون ——— سمجھ گیا ہوں پیر و مرشد!

سلطان نے تمہارے چچا کے پاس تمہیں قاصد بنا کر بھی اسی لیے بھیجا تھا کہ تمہیں خود دیکھ لیں۔ اور اگر ممکن ہو تو تم اپنی چچیری بہن نوشابہ کو بھی دیکھ لو۔ خدا نے ایسا انتظام کیا کہ تم نے نہ صرف اسے دیکھا۔ بلکہ ڈاکوؤں سے اسے بچایا بھی۔ نوشابہ ہوش ربا نگاہوں سے ہارون کو دیکھ رہی تھی۔ ہارون کی نظر بھی اس پر جا پڑی۔ وہ اس کی نشیلی آنکھیں دیکھ کر متوالے بن گئے سامنی بھی ہارون کو دیکھ رہی تھی لیکن حسرت اور افسوس بھری نگاہوں سے۔

سلطان نے کہا۔ چونکہ سب لوگ تھکے ہوئے ہیں اس لیے اب آرام کریں۔

سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور دوسرے کمروں میں پہنچ کر آرام کرنے لگے۔

دل شکستہ حسینہ

اسی مبارک دن کی شام کو جبکہ مندر سومنات فتح ہوا۔ اور وہاں سے کروڑوں روپے کے مالیتی سیم و زر اور جواہرات برآمد ہوئے تھے۔ جس دن اس راز کا انکشاف ہوا تھا جو چندر موہنی کی ذات سے وابستہ تھا۔ جبکہ مدت کے بچھڑے ملے تھے۔ چندر موہنی نوشابہ دھرم پال شکیب ارسلان اور شوبھا دیوی شکیب ارسلان کی بیوی ثابت ہوئی تھیں۔

اسی دن کی شام کو ہارون عصر کی نماز پڑھ کر باغیچہ کی طرف جا نکلے۔ یہ وہی باغیچہ تھا جس میں کبھی گل رخ مہوشوں کا جمگھٹ رہتا تھا۔ ان کے حسین قہقہے گونجتے رہتے تھے۔ ان کے حسن کی تنویر سے فضا منور رہتی تھی۔ آج وہی باغیچہ سنسان پڑا تھا۔ ہر طرف کچھ عجیب اداسی اور حسرت برس رہی تھی۔

ہارون چپ چاپ بیٹھے تھے۔ اپنے خیال میں غرق۔ بغیر کسی طرف دیکھے ہوئے۔ کہ انہوں نے ہلکے قدموں کی چاپ سنی۔ ان کے چہرہ پر رونق آ گئی۔ وہ مسکرا کر گھومے۔ ان کی نگاہیں ہمہ تن شوق و بے تابی کر دوڑیں۔ لیکن جب ان کی نظر کامنی پر پڑی جو سبک خرامی سے آ رہی تھی۔ تو سارا اشتیاق چہرہ کی ساری رونق تشریف لے گئی۔

کامنی نے ایک ہی نظر میں ان کے چہرہ پر مسرت آنکھوں میں خوشی کی جھلک اور کامنی کو دیکھتے ہی چہرہ کی افسردگی اور آنکھوں میں مایوسی کے آثار دیکھ لیے۔

اس کا پھول سا چہرہ کملا گیا۔ ہارون رک گئے تھے۔ وہ ان کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ اور شرمگین نگاہوں سے انہیں دیکھ کر بولی۔ آپ نے شاید مجھے چندر موہنی سمجھا تھا۔

ہارون نے صاف دلی سے کہا۔ ہاں بیشک مگر چندر موہنی نہیں نوشابہ۔

کامنی —— بولی۔ . . . . ہاں نوشابہ اسی لیے آپ خوش ہوئے تھے۔ لیکن مجھے دیکھ کر افسردہ ہو گئے۔

ہارون —— ایسی حالتوں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ جبکہ آنے کا کسی کے گمان ہو اور آ کوئی جائے۔ تو مسرت مایوسی اور رمل گرفتگی میں منتقل ہو جایا کرتی ہے۔

کامنی —— نوشابہ آپ کی منگیتر ہے۔

ہارون —— یہ بات تو مجھے آج ہی معلوم ہوئی۔

کامنی —— لیکن آپکو اس سے پہلے ہی سے محبت تھی۔

ہارون —— مگر میرے محبت کرنے سے کیا ہوتا تھا۔

کامنی —— آپ محبت کا جواب چاہتے تھے۔

ہارون —— ہاں۔

کامنی —— افسوس . . . . . . آپ سراب میں پانی کی بارش کر رہے ہیں پتھر میں نرماہٹ ڈھونڈ رہے ہیں۔ لوہے کو پگھلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ آگ میں سے پانی نکالنا چاہتے ہیں۔

ہارون نے حیرت سے اس کے رخ روشن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کیا وہ سنگدل ہے

کامنی —— میں ایسا ہی سمجھتی ہوں ہارون . . . . . . وہ حسرت بھری نگاہوں سے انکی طرف دیکھنے لگی۔ ہارون نے نرمی سے کہا۔ کہو کامنی! کیا کہنا چاہتی ہو۔

کامنی —— کیا تمہارے دل میں کسی اور کی محبت کی گنجائش نہیں ہے؟

ہارون —— تم شاید اس بات کو نہیں جانتیں کہ دل ایک ہوتا ہے اور ایک ہی سے محبت کر سکتا ہے۔

کامنی نے گہرا ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔ کبھی میں نے آپ پر کوئی احسان کیا تھا۔

ہارون —— مجھے وہ یاد ہے۔

کامنی —— آج میں اس کا عوض چاہتی ہوں۔

ہارون —— بولو کیا چاہتی ہو۔

کامنی —— کیا آپ اب بھی میرے دل کے اثرات کو نہیں سمجھے؟

ہارون —— اس وقت نہیں سمجھا تھا مگر اب سمجھ گیا۔ کامنی کیا تم ایک افسردہ دل اور حسرت زدہ مجسمہ پا کر خوش ہو جاؤ گی۔

کامنی —— نہیں میں خوشی کی تلاش میں ہوں۔

ہارون —— تب وہ تمہیں میرے پاس نہ مل سکے گی۔ اگر کچھ ملے گا تو ٹوٹا ہوا دل بجھی ہوئی طبیعت، مردہ جذبات اور ایک بے کیف ہڈیوں کا ڈھانچہ۔

کامنی —— ہارون . . . . . آخر آپ کیوں میرے سامنے آئے۔ کیوں میری مسرت کی دنیا کو تاراج کیا۔ کیوں میرے احساسات سے کھیلے . . . . آخر آپ نے یہ سب کچھ کیوں کیا۔

یہ کہہ کر وہ رو پڑی اور اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا چاند سا چہرہ چھپا لیا۔

ہارون کے دل پر اس کے رونے کا بڑا اثر ہوا۔ اس نے تشفی دہ لہجہ میں کہا۔ کامنی! اس میں میرا قصور نہیں ہے۔ قضا و قدر کے فرشتے مجھے کھینچ کر تمہارے سامنے لائے۔ مجبوری کے ہاتھوں میں کھنچا چلا آیا مگر . . . . تم نے اپنی خوابوں کی دنیا کیوں تعمیر کی . . . . تم نے اپنے جذبات کی رو کو کیوں بہنے دیا تم نے اپنے احساسات کی باگ کیوں چھوڑ دی۔

کامنی نے چہرہ پر سے ہاتھ ہٹا کر آنسو پیتے ہوئے کہا "اپنی ناسمجھی سے"

ہارون —— اب سمجھ سے کام لو کامنی!

کامنی —— کوشش کروں گی بھول نہ جانا ہارون۔ ؏

کبھی تیرا اک میں تیرے کوئی نخچیر بھی تھا

اس نے انتہائی حسرت آمیز اور یاس بھری نگاہیں طارون پر ڈالیں۔ اور روتی ہوئی چلی گئی۔ طارون نے آہستہ سے کہا "دل شکستہ حسین لڑکی! ......"

وہ چل پڑے۔ کامنی فوارہ کے پاس آ کر اس کی منڈیر پر بیٹھ گئی۔ اور دل بھر کر روئی جب رونے سے ملال کا بادل چھٹ گیا۔ تب وہ اٹھی۔ اس نے آہ بھر کر کہا۔ میں نے کیوں خوابوں کی دنیا تعمیر کی ——— کیوں اپنے جذبات کی رو کو بہنے دیا ——— کیوں اپنے احساسات کی باگ کو چھوڑ دیا ——— بھول ہوئی۔ بڑی بھول ——— جو ہونا تھا ہو گیا۔ اب سکھدیو کو یہاں سے نکل جاؤں۔ رنج و قلق ہو گا لیکن ...... طبیعت بہل ہی جائے گی۔ ؎

طبیعت کو ہو گا قلق چند روز
ٹھہرتے ٹھہرتے ٹھہر جائے گی!

اس وقت آفتاب غروب ہو چکا تھا۔ رات کی سیاہی دن کے اجالے پر غالب آ گئی تھی وہ باغیچہ سے نکل کر محل میں آ گئی۔

اس وقت آفتاب غروب ہو چکا تھا۔ رات کی سیاہی دن کے اجالے پر غالب آ گئی تھی وہ باغیچہ سے نکل کر محل میں آ گئی۔

اسے معلوم تھا کہ سکھدیو کس کمرہ میں قید ہے۔ وہ محل کے اکثر خفیہ دروازوں کو بھی کھولنا جانتی تھی۔ چنانچہ اس نے ایک مشعل بہم پہنچائی۔ اور اس کے خیال میں جس کمرہ میں سکھدیو قید تھا۔ اس سے دوسرا ایک کمرہ میں داخل ہوئی۔ اور خفیہ دروازے کھول کھول کر ایک کمرہ سے دوسرے میں جانے لگی۔

اس وقت بھی کمال مغموم اور نہایت رنجیدہ تھی۔ دراصل اس کا دل ٹوٹ چکا تھا۔ چہرہ پر حسرت نے قبضہ کر لیا تھا۔ آنکھوں میں مایوسی چھا گئی وہ بیکسی رنج و غم بن کر رہ گئی تھی۔ اتفاق سے اس نے جب ایک کمرہ کھولا تو اسے اس میں ایک آدمی بیٹھا نظر آیا۔ رنج و غم نے اس کی بصارت میں فرق ڈال دیا۔ اس نے سمجھ لیا کہ وہ شخص سکھدیو ہے۔

چنانچہ اس نے نہایت آہستگی سے کہا "آؤ ......"

ابھی اسی قدر کہنے پائی تھی کہ بیٹھا ہوا شخص خوش ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اور اس کی طرف بڑھتے ہوئے مسرت بھرے لہجہ میں بولا۔ اوہ پری پیکر کامنی ...... اس وقت کیا جی میں آئی۔ کیسے اس ستم زدہ اور دل شکستہ شخص کو نوازنے کا ارادہ کیا۔ کامنی نے اب غور سے اسے

دیکھا وہ موہن تھا۔ کامنی زرد پڑ گئی۔ وہ جس سے بچنے کی کوشش کرتی تھی۔ اسی کے سامنے آ گئی تھی اسے اپنی غلطی کا احساس اس وقت ہوا۔ جب موہن اس سے دو ہی قدم کے فاصلہ پر رہ گیا۔ اس نے اپنے حواس بجا کئے اور نہایت شیریں لہجہ میں کہا "ذرا ٹھہریئے۔" موہن نہ معلوم کیا سمجھا کہ رک گیا۔ کامنی جلدی سے گھومی اور بجلی کی طرح خفیہ دروازہ کو پھاند کر جلدی سے اسے بند کر کے اپنی پریشان طبیعت کو سنبھالنے لگی۔

جب خفیف طبیعت میں اسے سکون ہوا تو اس نے کہا پرماتما نے بڑی خیر کی۔ سکھدیو شاید دوسرے کمرہ میں ہے۔ وہ اٹھی اور اس کمرہ سے نکل کر دوسرے میں داخل ہوئی اس میں سکھدیو سر جھکائے بیٹھا تھا۔ کامنی نے اسے غور سے دیکھ کر کہا۔ "بھیا ......"

سکھدیو چونک کر اٹھا۔ اور کامنی کو دیکھ کر خوش ہوتے ہوئے اس کی طرف بڑھ کر بولا۔

سکھدیو ——— کیا تم مجھے رہا کرانے آئی ہو؟

کامنی ——— ہاں۔ لیکن آہستہ بولو۔ کمرہ کے باہر پہرہ دار ہیں۔

سکھدیو ——— چلو جس راستہ سے تم آئی ہو اس سے نکل چلیں۔

کامنی ——— آئیے۔

دونوں چلے اور کئی کمروں میں سے گذر کر باغیچہ کی طرف گئے۔ باغیچہ کا خفیہ دروازہ کھولا۔ اور سمندر کے ساحل پر جا نکلے یہاں سے انہوں نے پیادہ پا انہلواڑہ کا راستہ لیا اور کچھ دور چل کر رات کے اندھیرے میں غائب ہو گئے۔

چھتیسواں باب

کافر اور حُور حلقۂ اسلام میں

چندر موہنی کو حیرت بھی تھی اور مسرت بھی۔ حیرت اس بات کی کہ وہ ایک مسلم ... ثابت ہوئی
تھی۔ اور مسرت والدین کے ملجانے کی۔ اس نے جب سے ہوش سنبھالا تھا، کفر و شرک کی ماحول
دیکھی تھی۔ وہ لوگ جنہوں نے اسے پرورش کیا۔ بُت پرست تھے۔ جن گودوں میں پل کر پروان
چڑھی وہ مشرک تھے۔ جن سہیلیوں میں وہ گھری رہتی تھیں۔ وہ بُت کی عقیدت مند تھیں۔
غرض اس نے آنکھ کھولتے ہی سب کو اصنام پرست پایا۔ خود بھی بت پرستی کی خوگر ہو گئی۔
لیکن جب اس راز کا انکشاف ہوا۔ جو اس کی ذات سے وابستہ تھا۔ اور جس نے اسے
مسلم لڑکی بنا دیا۔ تو اسے فکر ہوئی کہ کیا وہ اسلام قبول کرے یا انہیں لوگوں کے مذہب پر
قائم رہے جنہوں نے اسے پرورش کیا تھا۔

وہ مہاراجہ سومنات کو پتاجی اور مہارانی کو ماتاجی کہتی رہی تھی۔ وہ دونوں بھی اسے
بیٹی بنا جیسی محبت کرتے رہے تھے۔ خود اسے بھی ان کے ساتھ ایسی ہی محبت کرتے
رہے تھے خود اسے بھی ان کے ساتھ ایسی ہی محبت تھی۔ جیسی بچوں کو والدین کے ساتھ
ہوتی ہے۔ اس لیے اسے مہاراجہ کے مارے جانے اور مہارانی کے فرار ہو جانے کا رنج و قلق
تھا۔ اگر اس کے بس میں ہوتا۔ تو وہ مہارانی کو ڈھونڈ نکالتی۔ اور اس سے اسی قدر محبت
اس کی اس قدر عزت کرتی جیسی وہ اب تک کرتی رہی تھی۔

جب ہی اسے مہاراجہ یا مہارانی کا خیال آجاتا تو بحد ملال ہوتا۔ نکیب ارسلان اور ان
کی بیوی اس کی کیا یہ حالت دیکھ کر اس کے غم کی وجہ سے سمجھ رہے تھے۔

چنانچہ اس کی والدہ نے کہا بیٹی! تو مہاراجہ اور مہارانی کو یاد کر کے رنجیدہ ہو رہی ہے
والدہ نے کوشش کی کہ مہاراجہ غازی سلطان محمود سے صلح کر لیں۔

یہ کوشش اس وجہ سے تھی کہ انہوں نے تجھے اپنی بیٹی بنا کر پرورش کیا تھا۔ تجھے راجکاری
بنا لیا تھا۔ تیری خواہش پوری کرتے تھے۔ یہ ان کا احسان تجھ پر نہیں۔ کیونکہ تو ناسمجھ اور واقعات
سے ناواقف تھی۔ بلکہ ہم پر احسان تھا۔ اور ہم ان کے احسان کا بدلہ۔

"ھل جزاء الاحسان الا الاحسان"

یعنی احسان کا بدلہ احسان ہے۔ دینا چاہتے تھے۔ لیکن مہاراجہ نے قبول و منظور نہ کیا۔
خدا کو یہی منظور تھا۔ کہ سومنات فتح ہو جائے۔ مہاراجہ مارے جائیں۔ اور مہارانی بھاگ
جائے۔ اب تیرے یا ہمارے رنج و غم کرنے سے کیا حاصل۔

نوشابہ نے کہا لیکن جب ان کی مہربانیاں۔ ان کی محبت اور ان کا سلوک یاد آجاتے
ہیں۔ تو طبیعت افسردہ اور مغموم ہو ہی جاتی ہے۔ امی جان! میرا یہ رنج و قلق رفتہ رفتہ کم ہوگا۔

امی جان —— میں جانتی ہوں لیکن تو اپنا خیال ہٹانے کی کوشش کر۔ کیا تیرے لیے
یہ بات مسرت خیز نہیں ہے کہ تو نے اپنے والدین کی سچی اور محبت آفریں آغوش پائی۔

نوشابہ —— ضرور مسرت خیز ہے .... لیکن امی جان میں آج تک بتوں
کو پوجتی رہی ہوں۔

امی جان —— مجھے معلوم ہے اور اسی لیے تیرے دل میں بتوں کا احترام ہے۔

نوشابہ —— ہاں۔

امی جان —— ایسا ہی ہوتا ہے۔

جو شخص جس چیز کی پرستش کرتا ہے اسے آسانی سے نہیں بھولا کرتا۔

ایک زمانہ تھا۔ جب دنیا جہاں میں کفر و شرک چھایا ہوا تھا۔ اہل عالم کسی نہ کسی طریقہ پر
بت پرستی کرتے تھے۔

عربستان میں بھی گھر گھر بتوں کی پوجا ہوتی تھی۔ خود خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت تھے
ہر قبیلہ کا بت جدا تھا۔ عرب اصنام پرست تھے۔ آخر غیرت خداوندی کو حرکت ہوئی بتوں
کے پجاریوں ہی میں سے ایک سعید ہستی حضرت محمد صلعم کو پیغمبری کے لیے خدا نے منتخب کیا
اور انہیں نبی بنا کر بھیجا۔ انہوں نے بہ آواز بلند منادی کی "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" یعنی سوائے خدا
کے کوئی معبود نہیں ہے۔" اور چونکہ ان سے پہلے انہوں یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنے نبیوں
حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا بنا لیا تھا۔ اس لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی

کس عاجزی اور آہ و زاری سے اس سے مدد کی درخواست کی۔ لیکن پتھر کا بت ان کی فریاد کیا اور کیسے سُن سکتا تھا۔ خدا کو اپنی قدرت و عظمت ظاہر کرنی تھی۔ اس لیے اصنام پرستوں کو شکست ہوئی۔ اور خدا کے پرستاروں کو فتح ملی۔

میری بیٹی۔ تم نے یہ بھی دیکھ لیا کہ غازی سلطان محمود نے گرز مار کر سومنات کے ٹکڑے اڑا دیئے۔ اگر سومنات خدا ہوتا۔ تو اس کے ٹکڑے نہ ہو جاتے۔ بلکہ وہ خود سلطان کے ٹکڑے کر ڈالتا۔ لیکن وہ تو پتھر کا بے جان اور بے حس مجسمہ تھا ٹوٹ کر رہ گیا۔ اسی طرح سارے بتوں کی شخصیت ہے۔ بت خدا نہیں ہوتے۔ نہ خدا کی صورت کے ہیں۔ خدا کو تو ان لوگوں نے آج تک دیکھا ہی نہیں جنہوں نے یہ مورتیاں بنائی ہیں۔

نوشابہ۔ خدا محض ایک نور ہے۔ ایسا لطیف اور دل کش نور ہے جسے دیکھنے کی آنکھ تاب نہیں لا سکتی۔ وہ ہر وقت اور ہر جگہ موجود رہتا ہے۔ نہ وہ سوتا ہے۔ نہ آرام کرتا ہے۔ نہ ان باتوں کی اسے ضرورت ہے وہی پرستش کے قابل ہے مسلمان اسی کو پوجتے ہیں۔

میری بیٹی۔ کیا تو سمجھ گئی ہے کیا تیرے شکوک رفع ہو گئے ہیں۔

نوشابہ نہایت توجہ سے یہ تمام گفتگو سن رہی تھی۔ اس نے کہا ہاں اب سمجھ گئی ہوں۔ اب میری آنکھوں سے غفلت کا پردہ اٹھ گیا ہے۔ سوچتی ہوں یہ باتیں پہلے سے میری سمجھ میں کیوں نہ آئیں۔

امی جان۔ اس لیے کہ کسی نے تجھے سکھایا نہیں۔ تو نے ان لوگوں میں پرورش پائی۔ جو عقل رکھتے ہوئے بھی بے عقل تھے۔ بینائی رکھتے ہوئے بھی اندھے تھے۔ کفر و شرک کی بیماری میں مبتلا تھے۔ اور یہ انسانی طبیعت کا خاصہ ہے کہ جس حالت میں وہ رہتا ہے دوسروں کو بھی اسی حالت میں دیکھنا چاہتا ہے۔

نوشابہ۔ لیکن اب تک جو میں بت پرستی کرتی رہی ہوں۔

امی جان۔ اسلام میں ایک یہ بھی خوبی بڑی زبردست ہے۔ کہ توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہوا ہے۔ خدا فرماتا ہے کہ جب اس کا بندہ کسی گناہ سے توبہ کر کے اقرار کر لیتا ہے کہ وہ آئندہ اس گناہ کو نہ کرے گا۔ تو خدا اسے معاف کر دیتا ہے اور جو غیر مسلم مسلمان ہوتا ہے اس کے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اور پچھلی ساری برائیاں دور ہو جاتی ہیں۔ وہ ایسا ہی معصوم ہو جاتا ہے۔ جیسا نوزائیدہ بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے۔

پکار دیا کہ محمد رسول اللہ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں۔ مطلب یہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے بیٹے نہیں ہیں۔ بلکہ اس کے بندہ اور ایلچی ہیں میری بیٹی۔ ان کی آواز نے ساری قوم کو بیدار کر دیا۔

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی — عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی
نئی اک لگن دل میں سب کے لگا دی — اک آواز میں سوتی دنیا جگا دی!
پڑا ہر طرف غل یہ پیغام حق سے
کہ گونج اٹھے دشت و جبل نام حق سے

آپ نے فرمایا بتوں کو تم نے خود اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔ وہ پتھروں یا دھات کی مورتیاں ہیں۔ ان میں اتنی بھی طاقت نہیں ہے کہ اپنے جسم پر بیٹھی ہوئی مکھی کو بھی اڑا سکیں تعجب ہے تم ان کی پرستش کرو۔

کہ ہے ذات واحد عبادت کے لائق — زباں اور دل کی شہادت کے لائق
اسی کے ہیں فرماں اطاعت کے لائق — اسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق
لگاؤ تو لو اپنی اسی سے لگاؤ
جھکاؤ تو سر اس کے آگے جھکاؤ
اسی پر ہمیشہ بھروسہ کرو تم — اسی کے سدا عشق کا دم بھرو تم
اسی کے غضب سے ڈرو تم — اسی کی طلب میں مرو جب مرو تم
مبرا ہے شرکت سے اس کی خدائی
نہیں اس کے آگے کسی کی بڑائی

میری بیٹی! اس آواز کو سنتے ہی عرب بیدار ہو گئے۔ انہوں نے بتوں کی پوجا چھوڑ دی۔ ہر شخص نے پتھروں کے مجسموں اور دھاتوں کی مورتیوں کو توڑ کر پھینک دیا۔ اور خدا کی پرستش کرنے لگے۔

قرۃ العین! تم ماشاء اللہ سمجھدار ہو سوچو۔ غور کرو۔ اور سمجھو کہ سومنات کی پوجا ہندو کس طرح کرتے تھے۔ ان کے دلوں میں اس کا کس قدر احترام تھا۔ وہ اسے اپنا ایشور یعنی خدا مانتے تھے۔ اسے مسلمانوں سے بچانے کے لیے وہ کتنی بھاری تعداد میں جمع ہوئے کیسے جی توڑ کر لڑے۔ اور جب ہزیمت ہوتے دیکھی تو کس طرح سومنات کے پیروں میں گرے اور

نوشابہ ـــــ اور گناہگاروں کو کیا سزا ملتی ہے امی جان!

امی جان ـــــ ہندوؤں کا عقیدہ تو یہ ہے کہ انسان مرنے کے بعد اپنے کرموں (اعمالوں) کے بدلہ میں جونیں بدلتا رہتا ہے۔ یعنی کبھی گدھا ہو جاتا ہے۔ کبھی کتا۔ کبھی ورین کر آتا ہے۔ کبھی سانپ کبھی جھینگر کبھی مچھر۔ اسی طرح جون تبدیل کرتا رہتا ہے۔ اور اسی طرح سے اس کے برے اعمالوں کی سزا ملتی ہے لیکن اسلام کہتا ہے کہ جنت اور دوزخ دو چیزیں ہیں۔ جن لوگوں نے گناہ نہیں کیا۔ خدا کو خدا سمجھا۔ نماز پڑھتے اور روزے رکھتے رہے وہ جنت میں داخل ہوں گے۔

جنت میں بہترین قسم کے محلات اعلیٰ قسم کے باغات۔ خوشبودار پھول۔ خوش ذائقہ پھل۔ شیریں پانی اور بہترین ملبوسات ہوں گے۔

اور جن لوگوں نے گناہ کئے ہیں۔ خدا کی نافرمانی کی ہے۔ وہ دوزخ میں ڈالے جائیں گے دوزخ میں جلیں گے۔

دوزخ آتش خانہ کا نام ہے جس میں آگ کے شعلے بھڑکتے ہوں گے۔ آگ اور لوہے کی بنی ہوئی سنید کھانے کو آگ میں کھولتا ہوا پانی پینے کو ملے گا۔ نہایت ہی بری جگہ ہے وہ نوشابہ ڈر گئی۔ اس نے کہا۔ جب تو امی جان مجھے بھی مسلمان کر لو۔

اس کی والدہ خوش ہو گئی۔ خوشی سے اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اس نے کلمہ شہادت پڑھا کر مسلمان کر لیا۔

اس طرح جو لڑکی مسلمان تھی۔ اور جس نے کافروں میں پرورش پائی تھی پھر مسلمان ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئی۔

پر کیف ملاقات

چندر موہنی کا مذہب بھی تبدیل ہو گیا تھا۔ نام بھی اور لباس بھی اس نے ترکی دوشیزاؤں کا سا پہن لیا تھا۔

صبح کے وقت وہ ہوا خوری کے لیے باغیچہ میں جا نکلی وہاں ہارون فوارے کی منڈیر پر بیٹھے قرآن شریف کی تلاوت کر رہے تھے۔

آفتاب بتدریج طلوع ہو رہا تھا شعاعیں باغیچہ میں پھیلتی جاتی تھیں شبنم کے نقارات بن بن کر اڑنے لگی تھی۔

نوشابہ (چندر موہنی) ان کی پشت کی طرف سرو کے ایک درخت کا سہارا لے کر اندازِ دلربایانہ سے کھڑی ہو گئی۔ اور نہایت توجہ سے سننے لگی۔

جب تک ہارون پڑھتے رہے وہ کھڑی سنتی رہی۔ جب انہوں نے پڑھنا بند کیا تب وہ قدرے پیچھے ہٹی اور ایک روش پر گھوم کر دوسری طرف اس طرح جا نکلی جس سے دیکھنے والے کو خیال ہو کہ یہ ابھی آئی ہے۔

ہارون دعا مانگ چکے تھے۔ اور فوارے سے برسنے والے پانی کی پھوار کو دیکھ رہے تھے۔ اتفاق سے ان کی نظر اٹھ گئی۔ اور انہوں نے اس حسن پیکر کو دیکھ لیا۔

ان کے چہرہ پر مسرت کی سرخی دوڑ گئی۔ وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ نوشابہ نے دزدیدہ نظروں سے دیکھ لیا۔ لیکن اس نے اپنی توجہ دوسری ہی طرف رکھی۔

ہارون سوچنے لگے کہ اس کے قریب جا کر اس سے گفتگو کریں یا نہیں وہ ڈرتے تھے کہیں وہ ان کی اس حرکت سے ناخوش نہ ہو جائے۔

رعب حسن ایسی چیز ہے کہ وہ صف شکن جو دشمنوں کی صفوں کو الٹ دیتے تھے جن کے رعب پر بہادر شخص کا بھی مطلق اثر نہ ہوتا تھا۔ جو راجہ مہاراجہ۔ بادشاہ اور شہنشاہ سے بھی مرعوب نہ ہوتے تھے۔ ایک معصوم لڑکی سے ڈر رہے تھے۔

آخر کچھ دیر سوچ کر آہستگی سے چلے اور اس سیم تن کے پاس پہنچ کر نہایت عاجزانہ لہجہ میں بولے میری مداخلت بارِ خاطر تو نہ ہو گی۔

نوشابہ اس طرح چونکی جیسے ہارون کو اس نے پہلے نہیں دیکھا تھا اور وہ اس وقت فجتہ گئے ہیں۔ اس نے کہا کون۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (دیکھ کر) اوہ آپ ہیں۔

ہارون "کون"، کا لفظ سنتے ہی کانپ گئے۔ مگر جب اس شوخ چشم نے کہا۔ اوہ آپ ہیں تو کچھ جان میں جان آئی۔ بولے ہاں میں ہوں۔ معاف کرنا میں آپ کی تنہائی میں مخل ہوں۔

نوشابہ ـــــ غالباً آپ بھی سیر ہی کے ارادہ سے آئے ہیں۔

ہارون ـــــ میں صبح کی نماز پڑھ کر یہاں آ گیا تھا۔ اور اب تک تلاوت کر رہا تھا۔ یہ خوش قسمتی ہے کہ آپ بھی آ گئیں۔

نوشابہ ـــــ آپ کیا پڑھ رہے تھے۔

نادانستگی میں بے ساختگی سے اس نے یہ فقرہ کہہ دیا۔ ہارون نے کہا میں

پڑھ رہا تھا۔ کیا آپ نے سنا ہے۔

اب نوشابہ سمجھی کہ اس سے غلطی ہو گئی ہے اس نے کہا شاید آپ ہی پڑھ رہے تھے میں نے آواز سنی تھی۔

ہارون ـــــ تب آپ شاید دیر سے گل گشت کر رہی ہیں۔

نوشابہ ـــــ نہیں کچھ ایسی زیادہ دیر بھی نہیں ہوئی ہے۔

ہارون ـــــ کل کا دن کس قدر مسرت ناک تھا۔

نوشابہ نے ہوش ربا نگاہیں اٹھا کر ہارون پر سحر کاری کرتے ہوئے پوچھا۔ کیوں

ہارون مسحور ہو گئے تھے۔ نوشابہ مے فروش آنکھیں دعوت مے نوشی دینے لگی تھیں۔ وہ کچھ وقفہ کے بعد سنبھل کر بولے۔ اس لیے کہ وہ راز کل ظاہر ہوا جو آپ کی ذات سے تعلق رکھتا تھا۔

نوشابہ نے کسی قدر متبسم ہو کر کہا۔ آپ ہی میرے رشتہ دار نکلے۔

ہارون ـــــ یہ میری خوش قسمتی ہے لیکن کیا آپ کو وہ رشتہ پسند ہے۔۔۔۔۔۔۔

نوشابہ نے قطع کلام کرتے ہوئے مصنوعی برہمی کے ساتھ کہا کونسا رشتہ ہارون دم بخود ہو کر اس حور وش کو دیکھنے لگے۔ نوشابہ شوخی سے مسکرائی ہارون کو قدرے جرأت ہوئی۔ انہوں نے کہا۔ نوشابہ وہی رشتہ جو میرے اور آپ کے بزرگوں نے قائم کیا۔

نوشابہ ـــــ شاید آپ بھی حکومت جتانے میرے پیچھے باغیچہ میں آئے ہیں۔

ہارون ـــــ میری یہ مجال نہیں ہو سکتی۔ کہ میں آپ پر حکومت جتاؤں۔ اور یہ میں جانتا ہوں، آپ یہ راجکاری نہیں۔ اب بھی آپ کا رتبہ مجھ سے کہیں زیادہ بڑھا ہوا ہے۔

انہوں نے افسردہ خاطر ہو کر سر جھکا لیا۔ نوشابہ انہیں ہمدردی آمیز ناز بھری چتون سے دیکھنے لگی۔ ہارون نے بغیر اس کا فرادا کی طرف دیکھے کہنا شروع کیا۔ میں پہلے ہی سمجھا تھا لیکن ـــــ کچھ نہیں میری حماقت ہے۔ مجھے اپنی اصل و حقیقت دیکھنی چاہیے نوشابہ

اب انہوں نے نظریں اٹھا کر نوشابہ کو دیکھا۔ اس نے جلدی سے ان کے چہرہ پر سے نگاہیں ہٹا کر ایک خوبصورت پھول پر گاڑ دیں۔ ہارون نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ معاف کرنا میں نے گستاخانہ جرأت سے کام لیا۔ آپ آپ ہیں اور میں۔۔۔۔ ایک ناچیز ہستی۔ زمانہ کا کچلا ہوا۔ بخت کا ٹھکرایا ہوا۔ اب میں کبھی ایسی جرأت نہ کروں گا۔

یہ کہتے ہی وہ لوٹے نوشابہ کا دل پسیج گیا طبیعت بے چین ہو گئی۔ اس نے کہا شاید آپ خفا ہو گئے

ہارون نے رک کر اس کے گل گوں عارض کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میں خفا ہو سکتا ہوں۔

نوشابہ ـــــ تب آپ جا کیوں رہے ہیں۔

ہارون ـــــ اس لیے کہ آپ کی زندگی کا اندیشہ ہے۔

ہارون نے اس کی آنکھوں میں شرارت کی چمک دیکھی۔ اب ان کا خوف ان کا ملال اور ان کے دل کا افسردہ پن سب رخصت ہو گئے۔ انہوں نے اس کے قریب پہنچ کر کہا۔ میں سمجھتا تھا کہ آپ شوخ و شریر بھی ہیں۔

نوشابہ ـــــ اچھا اب آپ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ہارون ـــــ اب آپ چاہے جس قدر بگڑ لیجئے۔

نوشابہ ـــــ لیکن آپ پر اثر نہ ہو گا۔

ہارون ـــــ بالکل ہی نہیں۔

نوشابہ ـــــ کیوں۔

ہارون ـــــ اس لیے کہ آپ کی آنکھوں نے مجھ سے وہ راز کہہ دیا جس کی مجھے تلاش تھی۔ نوشابہ میں اسی وقت سے آپ کا۔۔۔۔۔۔۔۔۔

نوشابہ ـــــ دیکھیے بہکیے نہیں۔

ہارون ـــــ آپ کی مے فروش آنکھیں مے نوش کر رہی ہیں۔ پھر بتائیے اگر بہکوں نہیں اگر مدہوش نہ ہو جاؤں تو کیا ہو۔

نوشابہ شرما گئی۔ اس کی حسین نگاہیں جھک گئیں۔ ہارون نے پھر کہا۔ نوشابہ! آپ میرے خوابوں میں آتی رہی ہیں۔ آپ نے میرا چین لوٹ لیا ہے۔ آپ نے۔۔۔۔۔۔۔

نوشابہ نے شرمیلے لہجہ میں کہا بس کیجیے۔ میں ایسی باتیں سننا پسند نہیں کرتی۔

ہارون ـــــ اب میں بھی نہ کہوں گا۔ جو کچھ مجھے کہنا تھا کہہ دیا۔ کیا میں کچھ پوچھ سکتا ہوں

نوشابہ ـــــ شوق سے

ہارون ـــــ آپ کو کس نے چھپا دیا تھا۔

نوشابہ بے ساختہ ہنس پڑی۔ اس نے کہا۔ چھپایا نہیں تھا۔ بلکہ قید کر دیا تھا۔

ہنسنے سے اس کے گلابی رخسارے تیز شہابی ہو گئے تھے۔ اور دُرِ دندان کی چمک سے تمام چہرہ پر ایک عجیب نور کی رو دوڑ گئی تھی۔

ہارون نے کہا کس نے یہ گستاخی کی تھی۔

نوشابہ —— سکھدیو نے لیکن چند ہی روز کے بعد سکھدیو سے موہن سنگھ نے جبراً لیا۔ اس نے بھی قید ہی رکھا۔ غالباً اس کا منشا یہ تھا کہ مجھے سکھدیو کے حوالہ اس وقت کرے جب سکھدیو کی بہن کامنی کی شادی اس کے ساتھ کر دی جائے۔

ہارون —— معلوم ہوتا ہے وہ اس سے محبت کرتا تھا۔

نوشابہ —— اب جو کچھ بھی سمجھئے۔

ہارون —— انشاء اللہ ان دونوں سے انتقام لیا جائے گا۔

نوشابہ —— لیکن کامنی موہن سے نفرت کرتی ہے مگر میں سمجھتی ہوں کہ وہ کسی اور کو چاہتی ہے۔

ہارون —— پرواہ نہ کیجئے وہ جسے چاہتی ہے .... سے اس کی مطلق بھی ... نوشابہ نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ واہ نہیں ہے۔ تب وہ آپ ہی ہیں۔

ہارون —— نوشابہ کل شام کے وقت اس نے مجھ سے اظہارِ محبت کیا تھا۔ لیکن جب میں نے خشک جواب دیا۔ تو مایوس ہو کر چلی گئی۔

نوشابہ —— مجھے بھی یہ شبہ تھا ....

وہ شرما گئی۔ فقرہ پورا نہ کر سکی۔ ہارون نے مسکرا کر کہا۔ ع

حور پہ آنکھ نہ ڈالے کبھی شیدا تیرا

نوشابہ نے اور بھی شرما کر خوبصورت سر جھکا لیا۔ ہارون نے کہا۔ واہ وا آپ شرما گئیں۔ ذرا اوپر دیکھئے۔

نوشابہ نے آہستہ آہستہ سر اٹھا کر ہارون کو دیکھا۔ اور مسکرائی۔ ہارون بھی مسکرائے۔ نگاہوں نے ایک دوسرے کے جذبات کی ترجمانی کر دی۔

بتیسواں باب

مسرتناک انجام

غازی سلطان محمود کو اور ہر مسلمان کو سومنات فتح ہو جانے سے بڑی مسرت ہوئی تھی۔

مسلمان اس جنت زار مقام میں پھیلے ہوئے تھے۔ نہایت سرسبز و شاداب وادی تھی۔ زمین پر مخمل جیسا نرم و ملائم گہرے سبز رنگ کا فرش بچھا ہوا تھا۔ کہیں کہیں اس میں گل پوش قطعات تھے خوش رنگ پھولوں کے تختے دُور تک پھیلتے چلے گئے تھے۔ اور ایسے عطر بیز تھے کہ تمام میدان میں ان کی بو مہکا رہتی تھی۔ دریائے عمان کا پانی نہایت شیریں تھا۔ سمندر کا نیلگوں پانی حدِ نگاہ تک پھیلا ہوا تھا۔ سلطان اور مسلمان کبھی کبھی کشتیوں میں بیٹھ کر دُور تک سیر کرنے نکل جاتے۔

سلطان کو معلوم ہوا کہ جزیرہ سرانہ یپ (لنکا) اور پیگو بھی دو مقامات اس سے بھی زیادہ سرسبز و شاداب ہیں اور وہاں سونے اور جواہرات کی کانیں ہیں۔

سلطان کو سومنات کا خطہ ایسا پسند آیا کہ اسے دار الخلافہ بنانے پر تیار ہو گئے اور قصد یہ کیا کہ جہازوں کا بیڑا تیار کر کے لنکا اور پیگو کو بھی فتح کر ڈالیں۔ مگر ان کے مشیروں نے عرض کی کہ خراسان اور غزنی کو چھوڑ کر اس جگہ کو دار السلطنت قرار دینا مصلحت نہیں۔ سلطان نے اس بات کو مان لیا اور مراجعت کی تیاریاں ہونے لگیں۔

لیکن چونکہ سومنات کا تخت خالی ہو گیا تھا۔ اس لیے وہاں کسی کو راجہ مقرر کرنا ضروری تھا چنانچہ سومنات کے معزز ہندوؤں سے مشورہ کیا گیا تو انہوں نے کہا۔ اس ملک میں داب شلیموں کا حسب نسب سب سے اچھا ہے ان میں سے ایک شخص یہاں ریاضت میں مشغول

---

[1] از تاریخ ہندوستان مصنفہ خان بہادر شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی۔ جلد اوّل صفحہ ۲۹۰ صادق صدیقی

رہتا ہے۔ اگر اس کو یہ سلطنت دیدی جائے۔ تو مناسب ہے لیکن بعض ہندوؤں نے اس کی سخت مخالفت کی اور کہا وہ داب شلیم بڑا مکار اور تند خو ہے۔ اس کی ریاضت ریاکاری کی ہے اس نے پہلے بھی ایک مرتبہ ملک لینے کی کوشش کی تھی۔ لیکن جب ناکام رہا تو ریاضت کا سانگ بھر کر بیٹھا ہے۔ بلکہ ایک اور داب شلیم ہے وہ عاقل و فرزانہ رحمدل اور نرم طبیعت ہے اسے اگر حکمران بنایا جائے تو ملک میں امن و امان رہیگا۔

چنانچہ سلطان نے اس داب شلیم کو طلب کیا۔ وہ کہیں دور رہتا تھا۔ اس کے آنے میں کئی دن لگ گئے۔ جب وہ آیا اور سلطان نے اسے دیکھا تو پسند کیا۔ اس سے اطاعت گذاری اور ادائے باج کا اقرار لے کر تخت نشین کر دیا۔

لیکن جب سلطان نے واپسی کا قصد کیا۔ تو اس داب شلیم نے کہا۔ آپ تو تشریف لے جا رہے ہیں۔ لیکن جو داب شلیم ریاکاری کی ریاضت میں مشغول ہے وہ اس قدر چالاک ہے۔ اور مجھ سے اس درجہ دشمنی رکھتا ہے کہ میں اس کی طرف سے امن میں نہیں رہ سکتا۔ حضور کے چلے جاتے ہی وہ مجھ پہ یلغار کرے گا اور مجھ سے ملک چھین لے گا۔ اس لیے فی الحال اسے اپنے ساتھ لیتے جایئے اور میں اسے قید کرنے کے لیے جب الباتہ خانہ[1] تعمیر کر لوں گا۔ جیسا ہم لوگوں میں دستور ہے تب اسے بلا کر اس میں قید کر دوں گا۔

سلطان نے اس کی درخواست منظور کر لی اور ریاضت کش داب شلیم کو حراست میں لے کر اپنے ساتھ لے لیا۔

اب سلطان نے مال غنیمت کا اندازہ کرایا۔ جوہریوں نے کئی روز کی جانچ پڑتال کے بعد

---

[1] اس زمانہ میں ہندو راجہ ایک دوسرے کو قتل نہیں کرتے تھے بلکہ جو راجہ دوسرے کو قید کر لیتا تھا وہ اس کے بیٹھنے کی تخت کے نیچے نہایت تنگ تاریک تہ خانہ بنایا تھا۔ اور اس میں قیدی راجہ کو مقید کر دیتا تھا۔ تہ خانہ کے اندر صرف ایک سوراخ رکھا جاتا تھا۔ اور اس سوراخ کے ذریعہ سے کھانا اور پانی قیدی کو پہنچایا جاتا تھا۔ گویا قیدی راجہ کا تعلق بیرونی دنیا سے منقطع ہو جاتا تھا۔ اور وہ اسی میں پڑا سسک سسک کر مر جاتا تھا۔ یہ نہایت سنگدلانہ اور سفاکانہ سزا تھی لیکن ہندو راجاؤں میں اسی کا دستور تھا۔ از تاریخ ابن خلدون۔

(صادق صدیقی)

اس کی قیمت کم سے کم دس کروڑ روپیہ اندازی کی۔

اتنی دولت سلطان کو اب تک کسی مہم میں ہاتھ نہ آئی تھی۔ سلطان نے چلتے وقت سومنات بت کے چار بڑے بڑے ٹکڑے بھی ساتھ لے لئے اور ان میں سے دو مدینہ منورہ بھیج دیئے اور دو اپنے ساتھ غزنی لے گئے۔ ان میں سے ایک جامع مسجد کے سامنے اور دوسرا دیوان عام کے دروازہ پر ڈلوا دیئے۔

شکیب ارسلان کو فوج میں وہی عہدہ دیدیا۔ جو کسی زمانہ میں انہیں دیا ہوا تھا۔ ہارون کو ترقی دی اور انہیں مشیران خاص کے زمرہ میں شامل کر لیا۔ برہان کو بھی ترقی دی گئی اور وہ بھی بڑے عہدہ پہ پہنچ گئے۔

التونتاش۔ امیر علی خویشاوند اور حاجب علی کے مدارج بھی بڑھا دیئے گئے۔ اور دوسرے چھوٹے بڑے افسروں کو ترقیاں دی گئیں۔ بعض ان مجاہدوں کو جنہوں نے اس مہم میں نہایت جیداری اور دلیری سے جان فروشی کی تھی۔ افسری کے عہدے دیئے گئے۔

ان سب لوگوں کو مال غنیمت میں سے بھی حسب مدارج حصہ دیا گیا۔ اور سب فوجی غنی ہو گئے۔ خدا نے ان کی تنگدستی اور محتاجی دور کر دی۔ ہر شخص متمول ہو گیا۔

سلطان نے مراجعت سے قبل شکیب ارسلان سے نوشابہ کی شادی ہارون کے ساتھ کر دینے کی تحریک کی۔ شکیب ارسلان کو ان دونوں کی محبت کا حال معلوم تھا۔ وہ تیار ہو گئے چنانچہ شادی کی تاریخ مقرر کر دی گئی۔

ہارون نے ذات ہمایوں سے برہان کی شادی انیسہ سے کر دینے کی استدعا کی۔ سلطان نے التونتاش کو اس بات پر آمادہ کر کے اس کے عقد کی تاریخ بھی مقرر کرا دی۔

جس عرصہ میں داب شلیم طلب کیا گیا۔ اور سلطان کو سومنات میں قیام کرنا پڑا۔ اسی عرصہ میں شادیوں کی تاریخ آ گئی۔ اور ہارون کی شادی نوشابہ سے اور برہان کی انیسہ سے ہو گئی۔

سلطان نے نوشابہ اور انیسہ کو نہایت بیش بہا جواہرات کے ہار اور نہایت قیمتی سونے کے مرصع بہ جواہر زیورات دیئے۔

شب عروسی کو جب نوشابہ کو دلہن بنایا گیا اور ریشمی ملبوسات اور تمام زیورات پہنائے گئے۔ تو وہ حور نژاد معلوم ہونے لگی اس کا چہرہ زیورات کی ضو سے ایسا چمک اٹھا کہ اس کی طرف نظر بھر کر دیکھنا دشوار ہو گیا۔ اس کے مصفا عارض سے بجلیاں خارج ہونے لگیں آنکھوں

میں ایسی چمک آگئی کہ ان سے نظریں چار کرنا مشکل ہوگیا۔ رخسار آتش گل کی طرح دمک اٹھے۔ گوری پیشانی چاند کی طرح روشن ہوگئی۔

جب ہارون نے اسے اس عالم میں دیکھا تو ان کی نظریں خیرہ ہوگئیں وہ اس پیکر حسن و ناز کو دیکھتے رہ گئے۔

نوشابہ نے شرمگیں نگاہوں سے انہیں دیکھ کر دریافت کیا کیا دیکھ رہے ہیں آپ؟

ہارون نے سنبھل کر جواب دیا صنعت خداوندی کا بہترین نمونہ دیکھ رہا ہوں سچ ہے۔

ع خدا نے ہاتھ سے اپنے تجھے اے بت بنایا ہے

نوشابہ نے حیا پرور شرمیلی نگاہوں سے ہارون کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ آپ صنم پرست ہوگئے ہیں۔

ہارون ـــــ صنم پرست نہیں تو حسن پرست ضرور ہوگیا ہوں نوشابہ! مجھے خوف ہے کہیں تمہیں کسی کی نظر نہ لگ جائے۔ اگر میرا بس ہو تو تمہیں آنکھوں میں چھپالوں اور نہ میں دیکھوں اور نہ کسی کو تو ہے دیکھنے دوں۔

یہ کہہ کر ہارون اس حور وش کی طرف بڑھے۔ نوشابہ نے مسکرا کر کہا۔ معاف کیجیئے۔ اس وقت آپکی چتون سے کچھ شرارت ظاہر ہو رہی ہے۔

ہارون ـــــ مگر شوخ و شریر تو تم ہو نوشابہ۔ میں سیدھا اور سچا مسلمان ہوں شرارت کیا جانوں۔ ہاں تم کافر ہو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ نہیں کافر ادا ہو۔

نوشابہ ـــــ آپ ایک مسلم لڑکی کی توہین کر رہے ہیں۔

ہارون ـــــ قصور ہوا معاف کر دیجئے۔

ہارون نے یہ فقرہ نوشابہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا تھا۔ نوشابہ شرما گئی۔ اس کی حیا بھی ایمان شکن تھی۔ ہارون اس کی طرف جھکے وہ پیچھے ہٹ گئی اور مسکرانے لگی۔

اس کے متبسم ہونے سے کمرہ منور ہوگیا۔ اور ہارون سحر زدہ ہو کر رہ گئے۔

ہارون کے عقد کے تیسرے روز برہان کی شادی انیسہ سے ہوگئی۔ انیسہ شوخ و شنگ تھی۔ اس نے برہان سے کہا دیکھئے۔ آپ میرے سامنے شیخی نہ بگھاریئے گا۔

برہان نے کہا۔ فاتح میں نہیں تم ہو۔ تمہارے سامنے میں کیا شیخی کر سکتا ہوں۔ انیسہ ہنس پڑی اور برہان اس شوخ ادا کو دیکھتے رہ گئے۔

غرض ان دونوں کا عقد ہوگیا اور چند روز کے بعد سلطان نے مراجعت کی۔ چونکہ انہلواڑہ کے مہاراجہ پرم دیو نے سومنات کے مہاراجہ کی مدد کر کے سلطانی لشکر کو نقصان پہنچایا تھا۔ اس لیے واپسی میں سلطان نے انہلواڑہ پر حملہ کر دیا۔

پرم دیو انہلواڑہ سے بھاگ کر گندابہ کے قلعہ میں پناہ گیر ہوا۔ یہ قلعہ سمندر میں ایک چھوٹے سے ٹاپو پر واقع تھا۔

غازی سلطان محمود نے ہارون اور شکیب ارسلان کو لشکر کے ساتھ اس کے تعاقب میں بھیجا۔ ان دونوں نے قلعہ فتح کر لیا۔ لیکن پرم دیو وہاں سے بھی بھاگ گیا اور ہاتھ نہ آیا سلطانی لشکر واپس لوٹ آیا۔

چونکہ برسات کا موسم شروع ہوگیا تھا۔ اسلیئے سلطان نے انہلواڑہ میں ہی قیام کیا۔ کیونکہ واپسی مشکل ہوگئی تھی کثرت باراں کی وجہ سے ندی نالے اور دریا چڑھ گئے تھے۔

جب برسات کا موسم گذر گیا اور دریا پایاب ہوگئے۔ تب سلطان نے مراجعت کی۔ چونکہ سلطان کو اندیشہ تھا کہ واپسی میں ہندوستان کے دوسرے راجہ مہاراجہ اس کی مزاحمت نہ کریں۔ اس لیے وہ جس راستہ سے آئے تھے۔ اس سے واپس نہ گئے بلکہ سندھ کے بیابان اور ریگستان کی راہ سے روانہ ہوئے۔ انہوں نے ایک راہبر ساتھ لے لیا تھا۔ یہ راہبر سومنات کا پجاری تھا۔ وہ قصداً سلطان کو ایسے راستہ سے لے گیا جو بیابان تھا۔ اور جہاں پانی نایاب تھا۔ جب سلطان نے اس سے پوچھا کہ پانی کہاں ملے گا۔ تو اس نے کہا۔ بھول جاؤ پانی کو میں نے ایسے خشک بیابان میں تمہیں لا ڈالا ہے کہ پانی ہی پانی پکارتے ہوئے مر جاؤ گے میں سومنات کا پجاری ہوں اور تم سے انتقام لینے کے لیے میں نے ایسا کیا ہے۔

سلطان نے اسی جگہ راہبر کو قتل کرا دیا۔ اور پانی کی تلاش شروع کی لیکن پانی نہ ملا۔ اور بہت سے آدمی پیاس سے مر گئے۔ آخر خدا خدا کر کے پانی ملا۔ لشکر سیراب ہوا۔ اور ملتان کی راہ سے سلطان مع الخیر غزنی پہنچ گئے۔

یہ تھی وہ سولہویں مہم جو آج بھی یادگار زمانہ ہے۔